روشن ستارے
طاہر رسول قادری
ادارہ معارف اسلامی کراچی
البدر پبلی کیشنز
مارکیٹ — اردو بازار — لاہور

طاہر رسول قادری

ادارہ معارف اسلامی کراچی

البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

قیمت : -/۱۵

ادارۂ معارفِ اسلامی

ادارہ معارف اسلامی (رجسٹرڈ) ایک آزاد علمی و تحقیقی ادارہ ہے جو اسلام کی حقیقی اور بے آمیز تعلیمات کو دورِ جدید کی زبان میں پیش کرنے اور اسلام کی رہنمائی میں آج کے معاشرے کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے علمی کام میں مصروف ہے۔ اس ادارہ کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔ ایک بااختیار مجلس منتظمہ اس کے تمام امور کی ذمہ دار ہے۔ ادارہ کا مرکزی نظم کراچی میں ہے اور مختصر شاخ ڈھاکہ میں کام کر رہی تھی لیکن سقوطِ مشرقی پاکستان کے سبب اب اس سے ادارہ کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ جن مقاصد کے حصول کے لیے ادارہ کوشاں ہے وہ یہ ہیں:

۱. اسلامی تعلیمات کو پوری تحقیق اور علمی جستجو کے بعد جدید ترین اسلوبِ اظہار کو اختیار کرتے ہوئے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کرنا۔

۲. علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیب نو، تشریح و توضیح اور اشاعت۔ اس طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی کا سامان کرنا۔

۳. عالمِ اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔

۴. اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علماء کے نمایاں کارناموں کی وسیع اشاعت اور نفوذ کی خاطر دنیا کی اہم زبانوں میں بالخصوص عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں ان کے ترجمہ اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۵. عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۶. تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے کے لیے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظامِ تعلیم کے ارتقاء کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

پیش لفظ

قومیں اپنی تاریخ سے سبق حاصل کرتی ہیں اور اسی کے سہارے آگے بڑھتی ہیں تاریخ ہمیشہ صاحب عزم و بصیرت اور مقصد کی لگن سے سرشار لوگوں سے بنا کرتی ہے۔ جس قوم میں جس قدر بلند پایہ ہستیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی تاریخ اسی قدر شاندار اور کامیاب ہوتی ہے اور جو ایسا نہیں کر پاتی وہ نشانِ عبرت بن کر پیوندِ خاک ہو جاتی ہے۔ تاریخ کا یہی وہ بے رحم اور بے لاگ فیصلہ ہے جو قوموں کے معاملہ میں ہمیشہ دہرایا جاتا رہا ہے۔

تاریخ کا ایک طالب علم جب اس نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے تو بیک نظر وہ جان لیتا ہے کہ مسلمان اس لحاظ سے بھی دنیا کی ایک خوش قسمت قوم ہیں کہ ان کے اندر میدانِ کار کی کبھی کمی نہیں رہی اور ہر دور میں ان کے اندر تاریخ ساز ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ جنھوں نے ظلم و فساد کی جڑوں کو کبھی گہری ہونے نہیں دیا اور سرکشی و طغیانی کو قابو سے باہر ہونے سے روکے رکھا۔ جب کبھی کوئی ظالم و جابر پیدا ہوا اس قوم کے حیات پسند مزاج نے کسی بے خوف بندۂ مومن کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اور جب کبھی اس کے دین میں کوئی خلل ڈالنے والا نمودار ہوا اس کی دین آشنا طبیعت نے اصلاحِ احوال کی مؤثر تدابیر اختیار کیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مسلمان کسی دور اور عہد میں بھی جہل کی بھیانک تاریکی

اور گمراہی کی خوفناک ضلالت میں مبتلا نہ ہوتے۔ اِدھر ظلمت بڑھی اُدھر کسی نے شمعِ نورِ حق فروزاں کر دی۔

زیرِ نظر کتاب میں مسلمانوں کی اسی حسین تاریخ کے کچھ ابواب پیش کیے گئے ہیں جو تحقیق کا اچھا نمونہ ہیں۔ اس کتاب میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ مسلمان ہر دور میں حساس، متحرک، ظلم و جور کے سامنے سینہ سپر اور باطل کے منہ پر کلمۂ حق کہنے میں بے باک رہے ہیں۔ نیز اس بات کی واضح نشان دہی کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ ہر دور میں دلکش اور حیات بخش رہی ہے۔ اس میں حالات کا جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور واقعات کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہ بہت قیمتی ہے۔

محترم رفیقِ ادارہ جناب طاھر رسول قادری کی یہ کاوش قابلِ تحسین ہے اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت بخشے۔ مجھے امید ہے تمام مسلمانوں کے لیے عام طور پر اور دعوتِ حق کا کام کرنے والوں کے لیے خاص طور پر یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی اور جہاں کہیں لاعلمی کی بنا پر اپنی تاریخ سے کوئی بدگمانی پائی جاتی ہے وہ دُور ہو سکے گی۔

منور حسن

فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

سیاسی دباؤ

حسن بصری

ابراهیم تیمی و نخعی ۳۰۷

باب اوّل

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

یہ دنیا جس میں ہم رہتے بستے اور زندگی گزارتے ہیں، انسانوں کی بستی ہے اور انسانوں ہی کے لیے بسائی گئی ہے اور ہم بحیثیت اشرف المخلوقات اس میں آباد کیے گئے ہیں۔ انسانوں کی یہ بستی بس بس کر نہ جانے کتنی بار اُجاڑی گئی اور اُجاڑ اُجاڑ کر نہ جانے کتنی بار بسائی گئی ہے۔ آدمی اس آبادی میں کئی مرتبہ انسانیت کے جامے میں اور شرافت کے ساتھ رہ چکا ہے۔ جب کبھی اس آدمی کو انسان بننا میسر ہوا ہے فرشتے اس پر رحمتیں لے کر اُترے اور جب وہ آدمی سے شیطان بنا، عذاب کے کوڑے اس پر برسے۔ رحمت و زحمت، ثواب طاعت و بندگی، اور عذاب معصیت و نافرمانی برابر اس کی تقدیر سے لگے رہے ہیں، یہ انسان کبھی طاعت و بندگی اختیار کر کے کشتی نوح میں بیٹھا اور خدائی طوفان سے پناہ میں رہا۔ فرعون کے دست برد سے بچا اور دریا سے پار اُترا اور کبھی معصیت و نافرمانی ہی میں پڑا رہا اور موج بلا میں گھر گھر تباہ ہو گیا۔

شروع سے اس بستی میں یہی ہو رہا ہے اور آخر تک غالباً یہی ہوتا رہے گا۔ یہاں بناؤ اور بگاڑ ہو گا۔ آبادی و ویرانی ہو گی۔ آدمی کے لیے بس

یہی زیبا ہے کہ وہ انسان رہے شیطان نہ بنے۔ شیطان بنے گا تباہ ہوگا اور اسی طرح اچھا ہو کر اتنا اچھا بھی نہ ہو جائے کہ فرشتوں کی معصومیت اس کے سامنے ہیچ ہو جائے ــــــ ایسے کمال میں اس کے لیے زوال کی پیش بینی ہوتی ہے ــــــ وہ انسان ہے۔ خطا کاری کی بے ساختہ عادتوں سے تغافل برت کر کارخانۂ قدرت میں اس کو مداخلت کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

آدمی کی تاریخ کہتی ہے کہ انسان بلند مرتبے کو پہنچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بشر بنا کر پیغمبری کے درجہ پر پہنچا سکتا اور فرشتوں سے بھی بڑا درجہ دے سکتا بلکہ اس سے بھی زیادہ شاہکار نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت میں اس کو بدل سکتا ہے۔ اور بس اس سے زیادہ عظمت و جلالت، اس سے زیادہ شرف انسانیت اور عبدیت، اس سے زیادہ تقدس اور بڑائی اس سے زیادہ معصومیت اور پاکیزگی کسی انسان میں اب کبھی پیدا نہیں ہو سکتی ــــــ انسانیت کی وہ معراج تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو گی اور عبدیت و مقبولیت کی وہ حد تھی جو آپ پر ختم ہو گئی۔

انسان پیغمبر ہو کر جس حد و انتہا جس عظمت و اقبال مندی اور جس بلندی اور معراج کو پہنچ سکتا تھا وہ تو یہ ہے اور غیر نبی ہو کر بھی وہ جس شرف و مجد، جس بلندی و سرفرازی، جس تقدس اور بڑائی کو پہنچ سکتا تھا وہ مقام صدیق اکبر خلفائے راشدین اور اصحاب کالنجوم کا مقام ہے ــــ ان سے بڑا اب

کوئی انسان اس دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتا، ان سے بڑھ کر اب کوئی بندہ معبود ہو نہیں سکتا۔ ان سے بڑی فضیلت اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور آدمی ان سے بڑا انسان اب بن نہیں سکتا۔ یہ معراج انسانی کی آخری حدیں ہیں ان سے اونچا اب کوئی جا نہیں سکتا اور ان کی منزل و مقام پر اب کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

دنیا کا صالح ترین معاشرہ

تاریخ انسانی نے جتنے معاشرے تشکیل دیئے ہیں ان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشکیل کردہ معاشرہ سب سے کامل اور جامع معاشرہ تھا اس سے زیادہ اچھا معاشرہ اب کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ اتنے اچھے انسان ایک ہی وقت میں اب کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ ایسا معتدل، اتنا جامع، مادی تیاریوں کے اعتبار سے اس قدر مکمل، قوت و سیاست کے لحاظ سے اتنا بھرپور، روحانی، اخلاقی، دینی، علمی، تہذیبی اور تمدنی وسائل سے اس قدر مالا مال معاشرہ اب کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ خالص انسانی معاشرہ اور اس کمال کو پہنچ جائے۔ انسانی تہذیب اتنی بلند ہو جائے اور تمدن اتنا صالح ہو جائے۔ ایسے معاشرہ کا اب دوبارہ وجود میں آنا ممکن نہیں۔ یہ "آخری" معاشرہ تھا اور غالباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واپس تشریف آوری تک آخری ہی رہے گا۔

ایک ایسا معاشرہ جس کا ہر فرد اپنے ایمان و عقیدہ، اعمال و اخلاق، تربیت و تہذیب، نفس کی آراستگی، سیرت کی بلندی۔ اور کمال و اعتدال میں سانچے کی طرح ڈھلا ڈھلایا ہو، آب مقطر کی طرح صاف و شفاف، انوار و

ہیں روشن و تاباں ـــــ اس کے جس فرد کو بھی دیکھا جائے وہ اپنے میلانات و رجحانات میں اپنی ذہنیت اور طرزِ فکر میں، خواہشات و عادات میں اخلاق و کردار میں ایک نئی مخلوق معلوم ہو، اس کے آئینۂ رُخ کو جدھر بھی اُلٹا جائے فرشتوں کی صورت نظر آئے ـــــ جس کا چھوٹا اور بڑا، بوڑھا اور جوان، مرد اور عورت، غلام اور آزاد، سب کے سب ایک ہی وقت میں متقی و زاہد، سپاہی اور مجاہد، معاملہ فہم قاضی، مجتہد، فقیہہ، صاحب تدبیر حاکم، دیانتدار سیاست دان ہو، ـــــ ایسا معاشرہ ایک ہی سطح پر ایک عرصہ تک کیسے قائم رہ سکتا ہے ؟ اس دنیا میں اگر سدا ایسا ہی معاشرہ رہتا، ایسے ہی لوگ پیدا ہوتے رہتے، اور ایک ہی وقت میں عظیم انسانوں کا اتنا بڑا مجموعہ اکٹھا ہوتا رہتا۔ تو آخر یہ دنیا انسانوں کی دنیا کیوں ہوتی فرشتوں کی کیوں نہ ہوتی ؟

انسان کو فرشتوں سے جُدا، اور شیطان و جن سے علیحدہ ایک ایسی مخلوق کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ بے ساختہ گناہ آلود ہو اور شعور کے ساتھ اظہارِ ندامت کرے۔ وہ خطا کار اگر ہو تو شرمساری کا اظہار کرنے والا بھی ہو۔ وہ مصائب میں گھرے تو گھبرا اُٹھے مگر صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے جلد باز تو ہو مگر بے عزم و حوصلہ نہ ہو، وہ لالچ میں آجانے والا اور بہکاوے میں پڑ جانے والا تو ہو لیکن غلطی پر اکڑنے والا مغرور نہ ہو ـــــ یہ وہ صفات ہیں جو اس کے وجود کے لیے ضروری ہیں۔ جب انسانی معاشرے میں یہ چیزیں غیر متوازی ہو جاتی ہیں، وہ معاشرہ یا تو شیطان ہو جاتا ہے یا پھر ایسا باکمال

جس کا دیر تک قائم رہنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ یہ بھی مشیتِ الٰہی کے خلاف ہے ـــــ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں صرف اسی معاشرے کو مہلت عمل ملی ہے جس نے اپنے کو اعتدال پر قائم رکھا ہے یا تھوڑا بہت غیر متوازن رہا ہے۔

شیطانی معاشرہ تو اس لیے تباہ ہوا کہ وہ شیطانی تھا، لیکن انسانوں کا ملکوتی صفت معاشرہ بھی طویل عرصہ تک محض اس لیے قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ ان صفات پر طویل عرصہ تک قائم رہنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ البتہ اس معاشرے کا ڈھانچہ چونکہ مربوط، ہم آہنگ، بامقصد، عرفانِ حق، حسنِ ترتیب، قدرتی اور مناسب ترکیب سے تیار کیا گیا تھا، اس لیے ایک یا چند خرابیوں میں مبتلا ہو جانے کے باوجود ایک عرصہ تک مناسب شکل وصورت کے ساتھ قائم رہا اور بڑی بڑی خرابیوں میں پڑ کر بالآخر کی تباہی سے بہت دنوں تک محفوظ رہا۔

مسلمانوں کے سب سے پہلے معاشرے کا نصف صدی کے اندر اندر زوال پذیر ہو جانا بھی اسی لیے زیادہ باعثِ حیرت واستعجاب نہیں ہے کہ دنیا میں اتنے عظیم انسانوں کا ایک ہی دور میں یکجا ہو جانا اور پھر انہی جیسے بلند وارفع لوگوں کا تسلسل کے ساتھ پیدا ہوتے رہنا قانونِ قدرت کے خلاف ہے ـــــ انسانوں کی بستی میں، ایک ہی عہد میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابوعبیدہؓ بن الجراح، عمرو بن العاص، سعدؓ بن ابی وقاص، خالدؓ، سلمانؓ فارسی، بلال حبشیؓ، صہیبؓ رومی،

حذیفہؓ، زید بن حارثہؓ، اسامہؓ، عمار بن یاسرؓ، عائشہ صدیقہؓ، فاطمۃ الزہراؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، ابوالدرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ جیسے سینکڑوں عظیم المرتبت انسان جمع ہو جائیں اور انسانوں کی شکل میں فرشتے زمین پر چلنے پھرنے لگیں، خزانے، عجائبات، طاقتیں، علم، حکمت، سچائی، لیاقت، امانت، طاعت و عبادت گزاری، زہد اور قناعت پسندی، صبر اور مقابلے کی استقامت، ہوشیاری، بردباری، قوت، سطوت اور جہانبانی۔ جب سب کچھ پورے کمال اور جامعیت کے ساتھ ایک ہی زمانہ اور عہد میں انسانوں میں جمع ہو جائیں اور وہ زمین پر چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا، پہنتا اور احساس رکھتا ہوا فرشتہ نظر آنے لگے۔ اور نبوت کی خراد پر خرادے ہوئے جیسے انسان پیہم نظر آتے بھی رہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ ——— اگر ایسا ہوتا تو پھر کارگہ حیات میں جرم و عقوبت اور ثواب طاعت و زہد کی لذتوں سے انسان کیسے آشنا ہوتا ——— ترک و اختیار کی آزادی کیسے آزمائی جاتی ——— گناہ اور احساس گناہ و شرمساری جو تخلیق انسانی کا مقصد ہے کیسے حاصل ہوتا؟ ——— چونکہ رہتی دنیا تک دن کی روشنی و تابانی اور رات کی ظلمت و اندھیاری کی طرح نیکی و بدی اور خیر و شر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، اس لیے اس انسانی معاشرے کا بھی فرشتوں کی حدود پر پہنچ کر لوٹ آنا ضروری تھا ——— رات کی تاریکی جس طرح دن کی روشنی میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح دن کی تابانی کو رات کی تاریکی

میں گم ہو جانا چاہیئے۔

مسلم معاشرے میں دن کی تابانی تو بلاشبہ نہیں رہی لیکن ذات کی ظلمتوں میں بھی یہ معاشرہ کبھی نہیں رہا اور نہ آئندہ کبھی رہے گا کیونکہ صحابہ کرام کا النجوم اس معاشرے کو ہمیشہ جگمگاتے رہے ہیں اور آپ کے تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سیرت و سوانح گواہ ہے کہ انھوں نے اپنی بے پناہ قربانیوں اور عادات و خصائل کی عظیم خصوصیتوں کے ساتھ اسلامی معاشرے کو اس کے اصلی ڈھانچے پر قائم رکھنے کا مکمل انتظام کر دیا ہے ــــ یہ معاشرہ جس اصول اور ڈھانچے پر، جن ہدایات و احکامات کے ساتھ جن لوگوں کے ذریعہ تعمیر ہوا تھا سب کچھ اپنی اصلیت کے ساتھ موجود ہے۔

اِس معاشرہ کا زوال کیوں؟

دُنیا کا اتنا عظیم معاشرہ آخر زوال پذیر کیوں ہو گیا؟ اس کا جواب تو آ گیا ہے۔ تاہم اس اجمال کو اگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتایا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالباً اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ

۱۔ اتنا جامع اور کامل معاشرہ نمونتًا دنیا میں ایک بار ہی قائم ہو سکتا ہے انسان کا ظرف اتنی جامعیت اور کاملیت کو اپنے اندر طویل عرصہ تک قائم رکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ وہ جن کمزوریوں کو لے کر عالم وجود میں آیا ہے وہ ایسی نہیں ہیں کہ جن پر وہ ہمیشہ اپنی

23704

گرفت قائم رکھ سکے، اس کی طبیعت اس بار کی متحمل ہو نہیں سکتی اور اگر متحمل ہو جائے تو اپنے وجود کے مقصد کو فوت کر بیٹھے۔

دوسری وجہ

۲۔ انسان آزمائش میں ڈالی ہوئی مخلوق ہے، وہ آزاد بھی ہے اور پابند بھی۔ وہ اپنے دشمن شیطان کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ایسی مخلوق بحیثیت مجموعی آزمائشوں سے ہمیشہ پار اُترتی رہے یہ اس کے بس کی بات نہیں۔ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں فرشتہ تو ہو سکتا ہے مگر اجتماعی زندگی میں اپنی کاملیت اور جامعیت کا برابر مظاہرہ کرتا رہے عملاً یہ ممکن نہیں۔

ترتیب و ترکیب کی بے اعتدالی

۳۔ دنیا کا اوّل اور آخری معاشرہ جو بے حد حساس تھا اور جس کی کارکن قوتیں ایک مقام، ایک مرکز، ایک سلسلہ، ایک وجود، اور ایک سرچشمہ طاقت سے وابستہ تھیں۔ اور یہ کہ اس کے اندر قدرتی اور اور مناسب ترتیب و ترکیب باہم گرا کٹھی تھیں یعنی یہ کہ اس معاشرے کے سارے کارکن عوامل تناسب، توازن اور ترتیب و ترکیب کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ سوسائٹی کے کارکن عوامل کے اندر جب بعض انسانی کمزوریوں کی وجہ سے ——— جس میں دولت کی خواہش،

شہرت کا خبط، اقتدار سے دل چسپی، اختیارات سنبھالنے کا شوق وغیرہ شامل ہے۔ تناسب ترکیب اور ترتیب ـــــ جو اعلیٰ سوسائٹی کی جان ہے زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا ـــــ تو ساری اجتماعیت اور کاملیت رفتہ رفتہ تشتت، انتشار اور افتراق میں مبتلا ہو کر اپنی خصوصیات کھو بیٹھی جس کے نتیجے میں پورا معاشرہ اوپر سے نیچے کی طرف گرتا چلا گیا۔

غیر ذمہ دار ہاتھ

۴۔ چوتھی وجہ یہ تھی کہ اس خدائی معاشرے کی نوک پلک درست رکھنے کا کام جن اعلیٰ نفوس انسانی کے ہاتھوں میں تھا وہ اپنی مدت حیات پوری کر کے رخصت ہو گئے ـــــ اور ان کے مناصب جلیلہ پر ـــــ جو معاشرے کی نک سک درست رکھنے کا حقیقتاً ذمہ دار تھے، وہ لوگ فائز یا حاوی ہو گئے جنھوں نے اس کے لیے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی۔ انھوں نے نہ تو وہ اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت پائی تھی جیسی تربیت خلفائے راشدین اور سب دو ے اصحاب اور مسلمانوں نے پائی تھیں ـــــ اور نہ خود ان کا اپنا د ، روحانی اور اخلاقی معیار ہی اتنا بلند تھا جو اس رشک انسانیت معاشرے کی رہنمائی کے لیے ضروری تھا۔ چنانچہ اس کمزوری اور خرابی کا جو لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہ برآمد ہوا ـــــ

یعنی معاشرہ جس ترکیب تناسب، ترتیب اور توازن پر قائم تھا اس میں فرق پیدا ہو گیا اور غیر متوازن ہو کر مختلف سمتوں میں جھک گیا۔ اس کے اندر نئی ٹیڑھ پیدا ہو گئی۔ نئے رشتے پڑ گئے۔ کسی طرف جھکاؤ زیادہ ہو گیا کسی طرف کم، کئی نامقبول چیزیں مقبول اور کئی مقبول چیزیں نامقبول بن گئیں۔ کچھ خوب تھے جو ناخوب ہو گئے۔

فتوحات کی شدّت

۵۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اسلامی فتوحات کے باعث غیر عرب مسلمان ہو کر اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے گئے اور بعض ناگزیر مجبوریوں کے باعث جن کی صحیح تربیت اور تعلیم کا انتظام نہ ہو سکا اس پر مستزاد یہ کہ سبائیوں کی ریشہ دوانیاں اور ان کا دین دار مسلمانوں کا بھیس بدل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا۔ پھر ان سازشوں کا بعض مخلص اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کا انجانے شکار ہو جانا۔ یہ ساری چیزیں اچانک اس طرح پیدا ہوتی گئیں کہ سمجھدار لوگوں کے اُٹھ کھڑے ہوتے سے ہی معاشرے کو گھن لگ گیا۔

غیر قوموں کی عورتوں سے نکاح

۶۔ اور غالباً چھٹی وجہ جو اس معاشرے کے زوال کا باعث بنی ہے وہ مسلمان گھروں میں کثرت سے مفتوحہ علاقے کی غیر قوموں کی عورتوں کی آمد

ہے۔ شادی و نکاح کی اس غیر محتاط روش نے مسلم معاشرے میں مختلف قسم کی خرابیاں پیدا کر دیں۔

خاموشی نقصان دہ ثابت ہوئی

۷۔ ہمارے نزدیک آخری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اکابرین دین جو با اثر اور با رسوخ بھی تھے وہ حالات کا رُخ بدلتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ گئے۔ حالانکہ وہ اتنے با اثر تھے کہ اگر اسی وقت کمر ہمت استوار کر لیتے تو بہت ممکن تھا کہ کیفیت بدل جاتی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے خلفائے ثلاثہ کے زمانوں میں عملی طور پر بڑے شاندار کارنامے انجام دیئے تھے ـــــــ ان ممتاز شخصیتوں نے بھی جب شر کو پھیلتے اور فتنے کو اُبھرتے دیکھا تو گوشہ نشین ہو گئے اور پبلک زندگی سے ایک طرح کی علیحدگی اختیار کر لی۔ جس کے نتیجے میں خرابیوں کو پھیلنے کا موقعہ مل گیا ـــــــ یہ مسلمانوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ وقت کے ان فتنوں کو بہت ہی جلد ممتاز تابعین نے سمجھ لیا اور اس کے انسداد کی بھرپور کوششیں بھی کیں لیکن گاڑی چونکہ پٹڑی بدل چکی تھی اس لیے وہ معاشرے کو خیر القرون کی طرف تو نہ لا سکے اِسے ثم الّذین یلونھم ضرور بنا دیا۔

تباہ کُن اثرات

مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر اس حسین معاشرے میں شگاف پڑ گیا اور اس شگاف کو جو چیز برابر چوڑا اور وسیع کرتی رہی وہ خلفائے راشدین کے بعد آنے والے خلفائے اسلام کی ذات تھی ـــــ انھوں نے معاشرے کی سربراہی اپنی کوششوں سے اپنے ہاتھوں میں لے لی جس کی وجہ سے معاشرے کی ترکیب، ترتیب، اور تناسب میں فرق پیدا ہو گیا۔ اور اس کے نتیجے میں وہ اثرات مرتب ہوئے جس کو ہم عام فہم زبان میں دین و سیاست کی تفریق کہتے ہیں۔ چونکہ یہ خلفائے اسلام بہت زیادہ تربیت یافتہ نہیں تھے اور نہ ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار بہت اونچا تھا اور وہ اس روحِ امامت سے پوری طرح واقف بھی نہ تھے جو اس عظیم معاشرے کی امامت کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے ـــــ ان سے پہلے اس معاشرے کی امامت زہد و ورع، عفت، امانت، دیانت، تقویٰ و خدا ترسی ایثار و قربانی اور خوفِ خدا کے خوگر لوگ کر رہے تھے ـــــ ان کی جگہ لینے والے ان ساری خوبیوں کے مالک نہ تھے۔

۱۔ دین و سیاست کی تفریق

محبت و اتفاقات نے جب ایسے لوگوں کو قوم کا امام بنا دیا جو علم اور

دین کی فہم میں ایسا مرتبہ نہ رکھتے تھے جس سے ان کو علماء اور اہل دین و دانش کی ضرورت نہ پڑے تو اُنھوں نے حکومت وسیاست کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور علم و دانش اور فہم وبصیرت کو دوسروں کے لیے رہنے دیا ــــــ اس طرح ترتیب اور ترکیب میں تناسب قائم نہ رہ سکا اور معاشرہ تشتت و افتراق کی راہ پر لگ گیا ــــــ پھر ان خلفاء نے اس معاشرے پر جو دُوسرا بڑا ظلم کیا وہ یہ کہ جب حکومت کو ان علماء کے علم وفہم کی ضرورت ہوتی ان سے مدد لیتے اور ظلم یہ کرتے کہ جتنی علمی باتیں اور دینی مسائل ان کے مطلب کے مطابق اور مصلحتوں کے تناسب ہوتے ان کو تو قبول کر لیتے اور جو ان کی حکومت وسیاست کے لیے ناموزوں سمجھے جاتے ان کو چھوڑ دیتے اور اپنی من مانی کرتے۔

۲۔ قبائلی عصبیت

علم دین اور فہم وبصیرت میں ان کمزور لوگوں نے اپنے وجود کی بقاء اور اپنے قیام کو دوام دینے کے لیے اس معاشرے میں جو دوسری بڑی خرابی کو داخل کر دیا وہ خاندانی اور قبائلی عصبیت تھی۔ اُنھوں نے اپنی حکومت کو استوار کرنے کے لیے اس کا سہارا لیا اور اسلامی معاشرہ کو نقصان پہنچا کر خاندانی حکومت کو تقویت پہنچانے کا اہتمام کیا۔ پھر یہی خاندانی اور قبائلی عصبیت آگے بڑھ کر عربیت اور عجمیت کی عصبیت میں مبتلا ہو گئی ــــــ عجم کے جو لوگ مسلمان

ہو ہو کر عربوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے تھے ــــ ان کو بعض طبقے اور گروہ کے لوگ حقیر سمجھتے تھے، بلکہ بعض اوقات تو ان پر نارو اسظالم اور ہتک آمیز سلوک تک کر جاتے تھے ــــ حجاج کے متعلق مشہور ہے کہ بہت اچھے اچھے قاضی، اور اہم سرکاری عہدوں پر فائز لوگوں کو اُس نے معزول اور بے اثر کر دیا تھا کہ وہ عجمی تھے اس کے متعلق یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اُس نے نو مسلم عجمیوں کی ایک کثیر جماعت کو شہروں سے نکال کر مختلف علاقوں میں بکھیر کر آباد ہو جانے پر مجبور کر رہا تھا اور اس سے اس کی غرض صرف یہ تھی کہ یہ عربی عربوں کے ساتھ مل جُل کر رہنے کی وجہ سے فصیح و بلیغ عربی بولنے کے قابل نہ ہو سکیں ــــ یہ تھا دُسرا بڑا گہرا اثر اس سے صالح معاشرے کی بنیادیں متزلزل ہو کر رہ گئیں۔ یہیں سے عربوں کے خلاف عجمیوں کی ریشہ دوانیوں نے جنم لیا اور یہیں سے ایک عظیم الشان تحریک شعوبیت کا آغاز ہُوا۔ جس کی لپیٹ میں اچھے اچھے مسلمان تک آ گئے۔

۳۔ عیش و تنعم

تیسرا بڑا اثر یہ ہُوا کہ جو معاشرہ سادگی، صفائی، احتساب نفس اور خُدا ترسی پر قائم تھا اس کے اندر عیش و عشرت آ گئی، ترفع و تنعم کا چلن ہو گیا۔ تفریحات اور لہو و لعب نے جگہیں بنانی شروع کر دیں۔

——ارکانِ حکومت اور بذاتِ خود خلفاء چونکہ دین و اخلاق کا کامل نمونہ نہ تھے اس لیے وہ بیت المال کو ذاتی ملکیت کی حیثیت سے استعمال کرنے لگے، جس کی وجہ سے عیش و عشرت اور سامانِ راحت و آسائش تفریحات اور لہو و لعب میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا—— چونکہ اراکین حکومت اور خلفاء شاندار زندگیاں گزارنے لگے تھے اس لیے ان کی دیکھا دیکھی عام لوگ بھی عیش کی زندگی اختیار کرتے چلے گئے——

زندہ معاشرہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان خرابیوں کو خوش دلی سے قبول کرنے سے اس زندہ معاشرے نے انکار کر دیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر حکومت و سیاست پر قابض حکمرانوں ہی جیسے بگڑے ہوئے مزاج کے تمام لوگ ہوتے تو یہ خرابیاں بلا مزاحمت معاشرے میں اپنا گھر بنا لیتیں اور ملک میں نظر آنے والا خون خرابہ، جس کو دیکھ کر آج کے مسلمان اپنی تاریخ سے بد دل ہو جاتے ہیں نظر نہ آتا——

یا یہ کہ اس وقت موجود تمام لوگ حریص، طالع آزما اور طالبِ دُنیا اور راحت پسند ہوتے جب بھی معاملہ ٹھنڈا رہتا اور قومی تلاطم آج لوگوں کی نگاہوں میں نہ آتا۔ یا یہ کہ بزدلی اور خوف سبوں پر مسلط ہوتی تو تصادم کی لرزہ خیزی آج لوگوں کی آنکھوں سے اُوجھل ہوتی۔ یا یہ کہ لوگ عافیت کوش ہوتے اور مصلحت کی چادریں اُوڑھ کر مطمئن زندگی

گزارنے ہی کو بہتر سمجھ بیٹھتے تو ان کو آج "سب ٹھیک ہے" نظر آتا۔
لیکن الحمدللہ کہ ایسا نہیں ہوا ــــــ

معاشرے میں چونکہ بہت ہی حسّاس، بے حد ایمان دار، صاحب علم و بصیرت، دلیر اور بہادر، بے خوف اور خدا ترس لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو خرابیوں کو ٹھنڈے پیٹ برداشت کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھے، جس خرابی نے سر اُٹھایا وہ اس کا سر کچلنے کے لیے دوڑ پڑے ــــــ حکومت وسیاست پر قابض لوگوں نے جہاں کہیں کوئی غلطی کی ان کو فوراً ٹوک دیا، اگر کوئی غلط قدم اُٹھایا تو فوراً اس کی پکڑ کی ــــــ ان میں بہت سے ایسے جری بھی تھے جنھوں نے حکومت کے بے جا اقدام کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے ان کے خلاف خروج کیا۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو ظالم سے ظالم حکمران کو اس کے منہ پر بُرا بھلا کہہ دیتے اور باتوں باتوں میں اس کو جھڑک دیتے تھے۔ کچھ ایسے بے جگرے بھی تھے جو ناجائز سرکاری احکام کو حکومت کے مُنہ پر دے مارتے تھے۔ اور کچھ ایسے بھی تھے جو سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور کسی قسم کی مؤثر تبدیلی پیدا کرنے سے مایوس ہو کر افراد کی اصلاح اور تربیت کے کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اور کچھ یقیناً ایسے لوگ بھی تھے جو دینی مصالح کی بنیاد پر حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے اور اس کے نظام میں شریک ہو کر اصلاح کی کوششیں کر رہے تھے۔

اس بیدار معاشرے میں خیر و شر کی قوتیں یقیناً باہم متصادم رہیں لیکن سیاسی قوت دوسرے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے خیر و صلح کو وہ مقام حاصل نہ ہوسکا جس کی وہ اس بہترین معاشرے سے توقع رکھ سکتا ہے اس غیر متوقع صورتِ حال کی وجہ سے معاشرہ مائل بہ تنزل ہو گیا۔۔۔۔ تاہم حق کی حمایت میں اُٹھنے والے اُٹھتے رہے، اور جان و مال کی بازی لگاتے رہے، جس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ معاشرہ معصیت پسند ہونے سے محفوظ ہو گیا۔

ا۔ تابعین اور کشمکشِ حیات

اسلامی معاشرہ میں کشمکش کا یہی وہ زمانہ ہے جس میں خلفائے راشدین کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھنے والے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی نگرانی میں تربیت پانے والے تابعین کرام قصر اسلام کے ستونوں سے بالکل لگ کر کھڑے ہو گئے اور اسلام کے قصر کی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کی۔ پھر اس کی حفاظت کا بہت ہی عمدہ بندوبست کر دیا۔ بہت سی بُرائیوں کی نشان دہی کر دی اور بہت سے بڑے لوگوں کے چہرے کی نقاب اُلٹ دی۔ بہت سی خفیہ دشمن قوتیں جن کے سرخیل منافقین تھے اور جو اب حالات کو اپنے حق میں سازگار پا کر مصلحت کوشی کے لبادے اُتار پھینکے تھے، اور کھلم کھلا مفاد پرستی کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا تھا یہی تابعین کرام

ان کے مقابلے میں آگئے اور اسلام دشمنی کے طوفانوں کی زد میں چراغِ مصطفوی کو روشن رکھا۔ یہ انہی کی پامردی اور استقلال کا صدقہ تھا اور یہ انہی کے عزم و حوصلہ اور جرأت و صلاحیت کا نتیجہ تھا کہ تنظیمی کمزوریوں کی انتہا اور اندرونی اختلافات کی شدت کے باوجود اسلامی معاشرہ اپنی بہت سی اجتماعی خوبیوں کے ساتھ قائم رہا اور ایک طویل عرصہ تک امر و نواہی کی ایک مؤثر قوت بنا رہا اور وہ ایک موٹی خرابی کے سوا مدتوں اس میں کوئی اور خرابی پیدا نہ ہو سکی۔

دُنیا میں اس اسلامی معاشرے سے پہلے ملوکیت اور شہنشاہیت ہی کا رواج تھا اور شہنشاہیت انسانیت کے لیے کبھی مبارک ثابت نہیں ہوئی تھی۔ جبر و اکراہ، ظلم و استبداد، ناانصافی اور بدامنی، مصنوعی معاشرت اور عشرت پسندی۔ عدم مساوات اور اس کی مانی ہوئی خصوصیات تھیں۔ لیکن خلافتِ اسلامی ملوکیت میں تبدیل ہو جانے کے باوجود ان خرابیوں سے ایک عرصہ تک پاک رہی۔

۴۔ ملوکیت کے روشن پہلو

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی معاشرے کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئی ان کے اندر اس روح کی تو یقیناً کمی تھی جو اسلام کے نظامِ اجتماعی کی بنیاد و اساس ہے اور اپنی ذاتی حیثیت میں گرچہ وہ بہت اچھے نہیں تھے، تاہم بہت ہی

صحیح العقیدہ، غیر معمولی بہادر، انتہائی دُور اندیش، اسلام کے مخلص کو باطل کے دشمن اور اسلام کو غالب و ارفع رکھنے کے خواہش مند اور دلدادہ تھے۔

جہل کے خلاف جہاد

جہل و نادانی جس نے انسان سے سب کچھ چھین رکھا تھا۔ بُت پرستی اور توہم پرستی سے لے کر شراب نوشی، بدمستی، بد اخلاقی، لوٹ کھسوٹ، مال سے اندھی محبت اور بوالہوسی تک پہنچا دیا تھا۔ اسلام معاشرے میں اس جہل کے خلاف جو جذبۂ جہاد پیدا ہوا تھا وہ اسلامی حکومت کا مزاج تبدیل ہو جانے کے باوجود طویل مدت تک قائم رہا۔ علم کی ترقی ہوتی رہی، عقائد کی اصلاح کا کام جاری رہا، سچائی، دیانت، امانت، شرافت، اخلاق، ایثار و قربانی اور اسی طرح کی بہت سی خوبیاں قومی مزاج اور معاشرے کی خصوصیات ہی رہیں۔

انصاف پسندی

علم و دانش کی طرح عدل و انصاف بھی ہزار خرابیوں کے باوجود ایک عرصے تک اس مسلم معاشرے میں قائم رہا۔ امن و امان کا دار و مدار چونکہ انصاف پر ہے اس لیے انصاف پسندی اس معاشرے کی جان ٹھہرائی گئی۔ جس معاشرے میں عدالت جتنا صحیح ہو گی، عام و خاص،

اور ادنیٰ و اعلیٰ کے فرق و امتیاز کے بغیر جس انصاف پر مبنی فیصلے کیے جائیں گے۔ ظلم کے دروازے بند اور ترقی کی راہیں واضح ہوں گی۔ اسی لیے اسلام نے اپنے نظام عدل کو ایسی مضبوط بنیادوں پر مستحکم کیا کہ سینکڑوں سال تک اس میں کوئی ردوبدل نہ کر سکا۔ مسلمان خلفاء اور بادشاہ اپنی نجی زندگی میں خواہ کیسے ہی رہے ہوں مگر عدل و انصاف کے معاملے میں ہمیشہ خدا ترس رہے، وہ بہت ہی کوشش اور احتیاط سے عہدۂ قضا کے لیے نیک اور پرہیز گار لوگوں کو تلاش کرتے تھے اور اسلام کے نظام عدل کے معیار مطلوب پر اُترنے والے کو قاضی کے عہدے پر فائز کرتے تھے۔ بعض تو اس بارے میں اتنے سخت تھے کہ معیار مطلوب پر اُترنے والے شخص کو زبردستی عہدۂ قضا پر فائز کرتے تھے اور انکار کی صورت میں ان کو سخت سزائیں تک دے ڈالتے تھے۔

۴۔ حق گوئی و بیباکی

مسلم معاشرے کی تیسری اہم خصوصیت حق گوئی اور بیباکی تھی یہ خصوصیت بھی اپنی ساری خوبیوں کے ساتھ ایک عرصہ تک مسلم معاشرے میں قائم رہی۔ خلافت ملوکیت میں تبدیلی ہو گئی۔ مسلمانوں کے اندر جو اجتماعیت اور کابلیت تھی، وہ انتشار اور تفریق میں بدل چکی تھی۔ ملوکیت، امریت اور شہنشاہیت اپنے بدنما چہروں کے ساتھ پوری طرح بے نقاب تھی پھر بھی حق گوئی کا رواج مسلمانوں میں قائم تھا۔ بہت سے سکے

کھوٹے اور بے دام ہو چکے تھے پھر بھی بیباکی کا چلن عام تھا ــــ بڑی سے بڑی جابر طاقتوں کے سامنے لوگ اس طرح اظہارِ حق کر دیتے تھے جیسے منہ میں قند پارے رکھ کر مزہ شیر و شکر لے رہے ہیں۔

خلافتِ راشدہ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے مقابلے میں بیباک ضعیفہ ورمیہ کی حق گوئی، ابو مسلم خولانی کا ان کو بھرے دربار میں اے مزدور کہہ کر مخاطب کرنا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کا برملا یہ کہنا کہ اے معاویہؓ کیا تم ہرقل شہنشاہ کی سنت جاری کرنا چاہتے ہو کہ ان میں جب ایک قیصر مرتا تو دوسرا اس کا جانشین ہوتا تھا، خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ والی خراسان سلطان خوارزم شاہ کو مجمع عام میں امام فخر الدین رازی کی ڈانٹ ڈپٹ، خلیفہ ہارون الرشید کے روبرو مشہور عالم وقت ابن سمارک کی صاف گوئی، خلیفہ مہدی کو جبکہ اس نے خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے کہا: اے لوگو! خدا سے ڈرو؟ اس موقعہ پر بھری مسجد میں ایک شخص کا کھڑے ہو کر یہ کہنا کیوں جناب آپ خدا سے کیوں نہیں ڈرتے کیا آپ خدا کے بندے نہیں ہیں؟ خلیفہ متوکل علی اللہ کی آمد پر احمد معدل کا اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے سے انکار کر دینا، خلیفہ منصور کی پیش کردہ پچاس ہزار درہم کی تھیلی کو پائے حقارت سے ٹھکرا دینا۔ سلطان سنجر کے دربار میں امام غزالی کا برملا یہ کہنا کہ لوگ سردی اور قحط کی وجہ سے برباد ہیں مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جا رہی ہیں اور آپ کے عیش و تنعم کا یہ حال ہے کہ آپ کے گھوڑوں کی گردنیں طوق ہائے

زرین کے بارے جھکی جا رہی ہیں۔ دورانِ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے غرض حق گوئی، صداقت پسندی، بیباکی، عملی تبلیغ، برسر مجلس تنبیہہ۔ موت کی سزا سے بے پرواہ ہو کر منہ پر کڑوی باتیں کہہ دینا، اور محض حق گوئی کی پاداش میں اپنی جانِ عزیز کی نذر پیش کر دینے کے وہ واقعات جن پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ مسلم معاشرے کی وہ خوبیاں ہیں جن کی نظیر دنیا کی تاریخ نہ اس سے پہلے پیش کر سکی ہے اور نہ آئندہ پیش کر سکے گی۔

خیر القرون کے بعد

یہ تو بہرحال حقیقت ہے کہ خیر القرون کے بعد مسلمانوں کی تاریخ اتنی شاندار نہیں رہی۔ تاہم اتنی بُری بھی ہرگز نہ ہوئی کہ گھناؤنی قرار دے دی جائے اور عام مسلمانوں کی نگاہوں میں اس کو مشکوک ٹھہرا دیا جائے۔

حضور سیّد عالم نورِ مجسم شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے کہ:

"اے مسلمانو! نبوت کے بعد تم میں خلافت علیٰ منہاج النبوت ہو گی اور جب تک خدا چاہے گا وہ رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اُٹھا لے گا اور اس کے بعد جابرانہ ملوکیت کا رواج ہو گا ——"

اس پیشین گوئی کے عین مطابق جب ملوکیت کا رواج ہوا تو

مزاج کے موافق ہی خاندان کی جڑیں مضبوط کرنے کا خیال بھی اُبھرا
پھر جب اس نے عملی شکل اختیار کر لی تو اس کی کوکھ سے جبر و استبداد نے
جنم لیا ــــــ بس یہی ایک فتنہ تھا، جو بعد میں افسانہ بن گیا ــــــ
ورنہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ دورِ حکومت میں اسلام کو
جو فائدے پہنچائے ہیں اور اپنی بہادری، موقعہ شناسی، سیاسی تدبّر اور حوصلہ
مندی سے مسلمانوں کی سیاسی قوت کو مستحکم و مضبوط اور حدودِ سلطنت کو
وسیع اور محفوظ بنا دیا۔ ان کے علاوہ اپنے حسنِ انتظام، عالی حوصلگی،
دریا دلی اور سخاوت و فیاضی اور تدبّر و صلاحیت سے ایسے بہت سے
شاندار کارنامے انجام دیئے جن پر مسلمانوں کی تاریخ ناز کر سکتی ہے
ــــــ پھر یزید، اور مروان کے تین چار سالہ دورِ حکومت کو چھوڑ
کر عبدالملک بن مروان کے ۲۱ سالہ عہد حکومت پر نظر ڈالئے تو معلوم
ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کا خلیفہ نہیں، بلکہ اسلامی سلطنت کی اہم پکار
تھا اور اس وقت اس جیسا کوئی بہادر، مدبر، جراُت مند، عزم و
حوصلہ والا اور مضبوط اعصاب کا آدمی حکمران نہ ہوتا تو مسلمانوں کی بڑی
سیاسی ضرورت پوری ہونے سے رہ جاتی ــــــ اور تشتت و انتشار
کا شکار ہو جاتی، بیک وقت پورے ملک میں ایک نہیں کئی فتنے
جو حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ ہی سے اندرونی طور پر پرورش پا
رہے تھے۔ حالات کو ساز گار پاتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ا۔ خوارج کا فتنہ

خوارج کا ہی ایک ایسا فتنہ تھا جو پوری شدت کے ساتھ اُٹھا تھا ۔ اُنھوں نے فارس اور عراق میں اپنی زبردست تنظیم قائم کر لی تھی اور اس زور سے اپنے عقائدِ باطلہ کی تبلیغ شروع کی تھی کہ بعض اچھے اچھے راسخ العقیدہ مسلمان بھی ان کے ہمدرد بن چکے تھے، اس بناء پر یہ فرقہ اسلام کے لیے ایک نہایت خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا۔

۲۔ فتنۂ مختار

اس کے علاوہ مختار بن ابی عبید ثقفی کا فتنہ بھی خوارج کے شر سے کسی طرح کم ہلاکت انگیز نہ تھا۔ اگر عبدالملک بن مروان حجاج بن یوسف کے ذریعہ اس فتنہ کا ہمیشہ کے لیے استیصال نہ کر دیتا تو مسلم معاشرہ تباہ ہو کر رہ جاتا۔

"مختار ایک طالع آزما بیہودہ عقائد کا انسان تھا، اگر اس وقت اس کو عرب میں اقتدار قائم کرنے کا موقعہ مل جاتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آج اُمّتِ مرحومہ کی اکثریت گمراہی کے کس ورطۂ عظیم میں مبتلا ہوتی ——

۳۔ توابین

اس عہد میں توابین کا فتنہ بھی اُٹھا۔ یہ حقیقت میں ان بزدلوں کا

گروہ تھا جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ بُلا کر خونِ شہادت سے غسل کرنے کے لیے بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا، پھر ایک عرصہ بعد جب ان کو اپنی اس غلطی کا احساس ہُوا تو اُنھوں نے اپنے کو توبہ کرنے والا (توابین) کا خطاب دے کر، بنو اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر، امام حسین کی شہادت کا انتقام لینے کی سازشیں شروع کر دیں۔ یہ زبردست سازش تھی جس کے نتیجہ میں خونریز جنگ ہوئی۔ ہر طرف بدامنی پھیلی، مختار نے ان کے اسی جذبہ کا استحصال کیا اور اپنی قسمت آزمائی کے راستے نکالے۔ مسلمانوں کا خون ارزاں ہُوا اور انتقام کی ہولناک صورتیں پیش آئیں۔

۴۔ عراقیوں کی شورش

عراق میں مسلمانوں کے علاوہ مسیحیوں، ارامیوں، پارسیوں اور مجوسیوں کی بڑی اور مؤثر تعداد تھی۔ اور یہاں ایسے مسلمانوں کی بھی کثرت تھی جو غیر عرب نومسلم تھے۔ ان کی اسلامی تربیت و تعلیم پختہ نہیں ہوئی تھی۔ اس مخلوط آبادی کی وجہ سے یہاں نئی نئی مذہبی جماعتیں پیدا ہوئیں۔ اور عقائد کے بگاڑ کو یہاں سہارا ملتا۔ پھر عراق چونکہ مرکزِ خلافت سے دور تھا اس لیے بھی فتنوں کو یہاں پرورش پانے کا موقعہ مل جاتا تھا ——— اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خلافت کے مسئلہ میں اپنے عجمی ذہن کی وجہ سے وہ اس بات کے قائل تھے کہ

خلافت اور امامت صرف آلِ رسول کا حق ہے۔ علیؓ اور فاطمہؓ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تھے اس لیے ان کی اولاد احفادِ رسول تھی لہذا تمام مسلمانوں میں حکومت یعنی خلافت اور امامت کا حق انہی کو تھا ـــــــ اپنی انہی کج فہمی اور کم علمی کی وجہ سے وہ فطرتاً شورش پسند ہو گئے تھے ـــــ جب کبھی کوئی فتنہ اُٹھتا تو یہ اس کا ساتھ دیتے، اور جہاں یہ جاتے فتنہ اپنے ساتھ لے جاتے اور چونکہ بنی اُمیّہ کی خلافت کے وہ خلاف تھے اس لیے حکومت کے خلاف فوراً اُٹھ جاتے۔

فتنوں کا طوفان

اس طرح فتنوں اور شورشوں کا ایک طوفان تھا جو عبدالملک بن مروان کے عہد میں برپا تھا۔ اور ہر طوفان اب تھا جو ملت کے شیرازے کو بری طرح منتشر کر کے رکھ دے سکتا تھا۔ عبدالملک کے زمانہ میں حالات کیسے نازک تھے اس کا اندازہ صرف ایک دن کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

سنہ ۶۶ھ میں عبدالملک کوفہ میں مختار سے جنگ کرنے شاہی افواج کو اپنی کمان میں لیے ہوئے چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شب اس کو عبداللہ بن زیاد کے قتل ہو جانے اور اس کے لشکر کی شکست خوردگی کی خبر ملی ـــــ مختار بن یوسف ثقفی سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا۔

ساتھ یہ اطلاع ملی کہ جو فوج عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے مدینہ گئی تھی اس کا کمانڈر مارا گیا ہے ـــــ اس خبر کے بعد ہی فوراً اسے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر کا لشکر فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور ان کے بھائی مصعب بن زبیر بھی ان سے جا ملے ہیں (واضح رہے کہ عبداللہ بن زبیر خلافت کے دعوے دار تھے اور آدھی مملکت اسلامیہ پر ان کی متوازی حکومت قائم تھی) اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع پہنچی کہ شہنشاہِ روم شام پر چڑھائی کے ارادے سے نکل کھڑا ہو رہا ہے اور اب مصیصہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی ایک مخبر نے خبر دی کہ دمشق کے شورہ پشتوں نے وہاں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور اہلِ شہر پر طرح طرح کے ظلم و ستم توڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ قیدی بھی قید خانوں کی سلاخیں توڑ کر بھاگ نکلے ہیں۔ پھر اطلاع ملی کہ بعض اعراب نے حمص بعلبک میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

عبدالملک بن مروان نے ان سب فتنوں اور شورشوں کا نہ صرف یہ کہ مقابلہ کیا اور ان پر قابو پا لیا بلکہ شمالی افریقہ کے بربریوں اور جزیرہ صقلیہ اور قرطاجنہ کے رومیوں کو ان کی سرکشی کی ایسی سخت سزا دی کہ پھر وہ مسلمانوں کے خلاف سر نہ اٹھا سکے۔ یہ عبدالملک کا تدبر اور اس کی جرأت اور سیاسی جرأت تھی کہ جس نے اس پر آشوب دور میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کو جو ختم

ہو رہی تھی دوبارہ قائم کر دیا۔

ملوکیّت کی طرف داری

ان تمام واقعات کی یاد دہانی کا مقصد ملوکیت کی حمایت ہرگز نہیں اور سلطان کی باجگذاری کو پسندیدہ قرار دینا بھی نہیں اور نہ ہی اس کے جواز پر سند پیش کرنا مقصود ہے بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلامی معاشرہ خلفائے راشدین کے زمانے میں درجہ کمال وانتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ایک انتہا پر پہنچتے ہوئے معاشرہ کا چاہے وہ کتنا ہی اچھا ہو، پوری یکسانیت کے ساتھ قائم رہنا مشکل ہوتا ہے۔ انسانی کمزوریوں کی بناء پر اس میں خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ سو ہوئیں۔

دوسری بات یہ کہ وہ معاشرہ مائل بہ زوال ہونے کے باوجود اتنا گھناؤنا ہرگز نہیں تھا۔ جتنا کہ مسلمانوں کی تاریخ مسخ کر کے پیش کرنے والوں نے پیش کیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ خلفائے راشدین کے بعد جو "سلطان خلفاء" ہوئے، وہ یقیناً خلافت علیٰ منہاج النبوت مرتبے سے بہت ہی فروتر تھے۔ تاہم ان کے سیاسی چہرے اتنے مکروہ ہرگز نہیں تھے جتنے دکھائے گئے ہیں ـــــ ہم کو ان کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بڑی خدمتیں لی ہیں۔

یہ بات ان کی خوبیوں میں شمار کی جائے گی کہ مطلق العنان ہونے

کے باوجود ممتاز علماء، اکابرینِ اسلام، فقہاء اور خداترس بزرگوں کے سامنے اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ دیتے اور حق گوئی کے جرم میں وہ حق گو کو بہ آسانی موت، کوڑے اور جلیل کی سزائیں دے سکتے تھے بلکہ ضبط کر لیتے تھے ــــــــ بنی اُمیّہ کے زمانے میں جتنی فتوحات ہوئیں اتنی فتوحات بنو عباس کے طویل دورِ حکومت میں نہیں ہوئیں اور بنو عباس کے ابتدائی چند سو سال تو اچھے رہے۔ وہ آپس کے جھگڑے میں تو ضرور رہے اور حصولِ خلافت کے لیے اُنھوں نے ایک دوسرے کے گلے کاٹے لیکن مسلمانوں کے اجتماعی نظام میں کوئی بڑی خرابی پیدا نہ ہونے دی۔ اور اُن کے آپس کے اختلافات بھی عجمی ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھے۔ یہ تاریخ اسلام کی وہ حقیقتیں جن کے اظہار کا یہ موقعہ نہیں ہے

خرابیاں اور اُن کے ازالے کی تدابیر

۱۔ مسلم معاشرہ ترقی و اقبال مندی کی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد جب مائل بہ زوال ہوا، اور پستی کی طرف تیزی سے لڑھکنے لگا تو اُس وقت معاشرے کے یہی بہترین لوگ یعنی تابعین کرام جن کا ذکر سعید اس کتاب کا موضوع ہے۔ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی مساعی جمیلہ سے مسلم معاشرہ کو قومی موت مرنے سے بچا لیا۔

مسلم معاشرے کو اُس وقت جو چیز انحطاط کی طرف لے جا رہی

تھی وہ تھی عام لوگوں کی دینی تعلیم سے ناواقفیت اور تربیت کی
کمی، دوسری چیز منافقوں کی کھلی اور چھپی سرگرمیاں اور منافقوں کی
منافقانہ روش سے عام لوگوں کی ناواقفیت۔

تیسری چیز دولت کی فراوانی اور سامان عیش و راحت کی بہتات
کی وجہ سے پیدا ہو جانے والی غفلت۔

اور چوتھی چیز تھی دین و سیاست کی تفریق۔

تابعین کرام نے مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو جانے والی ان
خرابیوں کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا اور اسی کو دور کرنے میں وہ ہمہ تن
مصروف تھے۔ اور انہی کی جرأت، عزم و حوصلہ اور ایثار و قربانی کی
وجہ سے مسلمانوں کے گرتے ہوئے قدم نہ صرف یہ کہ تھم گئے بلکہ ترقی
کی طرف گامزن ہو گئے۔

قرآن و سنّت کی تعلیم

ان بزرگانِ دین نے قرآن کتاب ہدایت کو سمجھنے اور سمجھانے کا
وسیع پیمانے پر کام شروع کر دیا۔ مسجدوں، بازاروں اور محفلوں میں
پند و نصیحت کے بازار گرم کر دیئے۔ ہر محفل میں ہر مجلس میں اٹھتے
بیٹھتے اس کو سیکھنے اور سکھانے لگے۔ ان میں ایک سے بڑھ کر قرآنی
تفسیر و تاویل اور فکر و استدلال پیش کرتا تھا، اور اس میں ان کو اس
قدر ملکہ حاصل تھا کہ بات بات میں علمی نکات اور مسائل پیش

کر دیتے۔ عام لوگوں کے لیے یہ فرق کرنا مشکل ہوتا تھا کہ کون زیادہ صاحب علم ہے۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جب وعظ و نصیحت کرتے تو اس کے اندر ان کے اپنے الفاظ کم قرآن و حدیث زیادہ ہوتے تھے جب بھی کوئی شخص ان کے پاس آتا تو اس سے یہ ضرور کہتے کہ اے اللہ کے بندے! تو احکامِ الٰہی کا جتنا بھی علم رکھتا ہے اس کے مطابق اللہ کے احکام کی اطاعت کر، تم محض اپنی نیکی سے نیک نہیں بن سکتے بلکہ دوسروں کو بھی نیک بنانے اور گناہوں سے بچانے کی کوشش کرو۔

امام شعبی جو احادیث کے علم کی وجہ سے امام العصر کہلائے، انھوں نے ۴۸ صحابہ کرام سے فیض حاصل کیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں رہ کر علم نبوت سے فیض یاب ہوئے اور پھر اس علم کو عام کیا۔

۲۔ اسی طرح دوسرے بزرگوں مثلاً حسن بصریؒ نے نفاق کو کھول کر پیش کیا اور مسلمانوں کے اندر منافقوں نے جو عقیدے اور عمل کی خرابیاں پیدا کر دی تھیں ان کو دور کرنے کی طرف پوری توجہ دی، حضرت سعید بن جبیر نے قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر کی تعلیمات کے علاوہ لوگوں میں حق کے لیے جرأت و بیباکی کو عام کیا اور حق پر مٹنے کی تعلیم دی، سعید بن مسیب کے علم و عمل کے ساتھ، تعلیم، فہم بصیرت، بے خوفی، احساس ذمہ داری مال و دولت سے بے نیازی اور دوسری خوبیاں مسلم معاشرے میں پیدا کیں جن کی سخت ضرورت تھی۔ ان کی

کوششوں اور مخلصانہ وعظ و نصیحت، تعلیم و تلقین، عبادت گزاری و طاعت شعاری اور تقوی کا مسلم معاشرے پر گہرا اثر پڑا۔ لوگوں کے اندر دینی علوم سے شغف پیدا ہوا، نیکیوں کی توفیق اور برائیوں سے اجتناب کا جذبہ پیدا ہوا۔ خود خلفاء نے اپنی اصلاح کی اور راست روی اختیار کی ــــــــ خلفاء کی کوششوں سے لامرکزیت ختم ہوئی، اور ان تمام مفسد گروہوں کا خاتمہ ہوا جو بعض بھولے بھالے اور سادہ لوح مسلمانوں کی آڑ لے کر ملک میں انارکی پیدا کر رہے تھے، اندرونی تحفظات کا انتظام ہوا۔ بیرونی طاقتوں کا زور ٹوٹا ــــــــ اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں ہو رہی تھیں ان کا سدباب ہوا۔ اندرون ملک شورشیں ختم ہو جائیں اور بیرون ممالک کا دباؤ دور ہو جانے سے ایک طرف ملک کی سیاسی خدمت انجام دی گئی اور دوسری متعدد تعمیری کام شروع ہوئے قرآن مجید کی تعلیم کا خاص اہتمام کیا گیا، جگہ جگہ اس مقصد کے لیے مکاتب قائم کیے گئے، عربی زبان کو مفتوحہ علاقوں میں پھیلایا گیا اور اس کو سرکاری زبان کی حیثیت دی گئی۔ شہر آباد ہوئے، مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پھر طویل فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو گئے جس کی وجہ سے ملک میں مکمل امن و امان مکمل ہو گیا ــــــــ اور مختصر عرصہ میں

خراسان، خوارزم، چینی ترکستان، سندھ اور اندلس تک مسلمانوں کی فتوحات بڑھ گئیں ——— اور علم و عمل کا عام چرچا ہوگیا۔

طاہر رسول قادری

محمد بن حنفیہ

محمدؒ بن حنفیہؒ

جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں
کو بے نقاب کیا
اور
مسلمانوں کے خون کو ارزاں ہونے نہ دیا۔

اسلام میں کوئی مخفی علم نہیں ہے، اور ایسا کوئی علم حضور سید عالم نور مجسم شافع محشر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اہلِ بیت کو نہیں ملا —— البتہ یہ قرآنِ مجید جو آپ سب کو ملا ہے ہم لوگوں کو بھی ملا ہے —— یہ ہیں محمد بن حنفیہ جنھوں نے تاریخ کے دھارے موڑ دیئے —— تلوار کی دھاروں پہ بار بار آئے مگر ایک بار بھی حق کو حق کہنے سے باز نہ آئے۔

باب اوّل

میدانِ عرفات

حج کا زمانہ ہے میدانِ عرفات میں تقریباً تمام حاجی "چار جھنڈوں" میں متفرق ہو کر اجتماعی فریضۂ دینی ادا کر رہے ہیں ——— حالات کی کشیدگی، مزاج کی تندی اور اغراض کی کشاکش نے پورے میدان کا ماحول عجیب سا بنا دیا ہے۔ خطرہ ہے کہ مقام عبودیت نفس کا مظہر نہ بن جائے۔

یہ ابن حنفیہ کا عَلَم ہے جو کوہ مشاط کے قریب نصب ہے۔

یہ عبداللہ بن زبیر کا عَلَم ہے جو عرفات کے اجتماع کے دن امام کے کھڑے ہونے کے مقام پہ گھڑا ہوا ہے۔ اور غالباً اس مقام پر اسی ارادے سے نصب کیا گیا ہے کہ یہی عَلَم اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کے پیچھے فریضۂ حج ادا کیا جائے۔ اور اسی کی امامت قبول کی جائے ——— محمّد بن حنفیہ کا عَلَم اسی عَلَم کے مقابل میں پیچھے کی طرف شاید اس وجہ سے نصب ہے کہ ان کی جمیعت عبداللہ ابن زبیر کی جمیعت کے بعد پہنچی اور اس کو اصل مقام سے پیچھے رہ جانا پڑا۔

یہ تیسرا علم نجدہ الحروری کا ہے۔ یہ اپنی جمعیت کے ساتھ ان دونوں کے پیچھے مقیم ہے۔

اور یہ بنی اُمیّہ کا جھنڈا ہے جو ان دونوں کے بائیں جانب ایستادہ ہے۔

ابن حنفیہ کو چھوڑ کر تینوں متحارب طاقتیں ہیں اور باہم لڑ کر فتح و شکست سے دوچار ہوتی رہی ہیں۔ محمد بن حنفیہ کے پاس جتھا بھی ہے، ان کے لیے لوگوں کے دلوں ہمدردیاں بھی اور جذبۂ احترام بھی ہے۔ لیکن اُنھوں نے کسی سے جنگ کی ہے۔ نہ کسی کے مقابلے میں آئے ہیں اور نہ ہی کوئی دعوے لے کر اُٹھے ہیں ــــــ مظلومیت کی زندگی سے محض بچنے کے لیے ایک چھوٹا سا گروہ یکجا کر کے امن و عافیت کی تلاش میں علیحدگی اختیار کیے ہوئے ہیں ــــــ عبداللہ بن زبیر ان کو نہ صرف یہ کہ مجبور کر رہے ہیں بلکہ صرف اس لیے ان کے درپے آزار ہیں کہ وہ ان کی بیعت کر لیں۔ دوسری طرف اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اس بات کا خواہشمند ہے کہ محمد بن حنفیہ جلد سے جلد اس کی بیعت کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں تاکہ عبداللہ بن زبیر پر اس کو سیاسی اور اخلاقی برتری حاصل ہو جائے۔

موسم حج میں میدان عرفات کی یہ کیفیت پر ہول بنی ہوئی ہے۔ محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ اس موقع پر یہ صورتِ حال دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں فتنہ و فساد نہ اُٹھ کھڑا ہو ــــــ اس خطرے کے پیش نظر میں نے صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے چاروں جھنڈوں کے سرداروں سے ملنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کو لیے ہوئے سب سے پہلے محمد بن حنفیہ

سے ملا اور ان سے کہا کہ " اے ابو القاسم اللہ سے ڈرو۔ ہم ایک مقدس فرض ادا کرنے اس محترم سرزمین میں جمع ہوئے ہیں۔ جتنے بھی لوگ یہاں جمع ہیں اللہ کے حضور ایک وفد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اللہ کے گھر کی زیارت اور طواف کے لیے حاضر ہوئے ہیں، خدا کے لیے آپ ایسی حرکت نہ کیجئے جس سے لوگوں کا حج ہی فاسد ہو جائے "۔

محمد بن علی نے کہا، نہیں نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے میں کسی کو بیت اللہ آنے سے نہ روکوں گا اور نہ میری طرف سے کسی بھی حاجی کو کوئی ضرر پہنچے گا۔ —— میں نے تو یہ تیاریاں محض اس لیے کی ہیں تاکہ ابن زبیر کا ہاتھ مجھ پر نہ پڑ سکے اور یہ کہ میرے خلاف جو ارادے وہ رکھتے ہیں اس سے میں اپنی حفاظت کرسکوں۔ یاد رکھو میں سیاسی غرضمندیاں نہیں رکھتا ہوں اور جب تک " دو آدمی " بھی مجھ سے اختلاف رکھنے والے ہوں گے۔ میں حکومت و ریاست کی خواہش نہیں کروں گا —— مجھ سے کسی قسم کا خطرہ نہ رکھو —— البتہ ابن زبیر سے اس معاملہ میں ضرور گفتگو کرو اور نجدہ کے پاس بھی جاؤ —— چنانچہ وہ باقی تینوں سرداروں کے پاس گئے اور ان کو کسی بھی بُرے ارادے سے باز رہنے کی تلقین کی اور ضروری وعدے لیے۔

محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر سب سے زیادہ امن پسندی اور صلح جوئی کے طریقے پر محمد بن حنفیہ اور ان کے طرفدار گامزن رہے اور نہایت وقار کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے۔

زندہ جلا دینے کی دھمکی اور تیاریاں

۲۔ حرم کعبہ کی حدود ہے، ابن حنفیہ اپنے اہل خاندان اور کوفہ سے آئے ہوئے سترہ عمائدین کے ساتھ زمزم کے مقام پر مقید اور محصور ہیں ــــ عبداللہ بن زبیر ان پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ان کی بیعت کر لیں ــــ اور انھوں نے اب تک ان کی اس لیے بیعت نہیں کی ہے کہ تمام اُمت نے ان کی خلافت پر اجماع نہیں کیا ہے ــــ

عبداللہ بن زبیر نے ان کو قید کر کے ایک مہلت مقرر کر دی ہے کہ اگر اس عرصہ میں انھوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کر لی تو اہلِ خاندان اور حامیوں کے ساتھ ان کو زندہ جلا دیا جائے گا ــــ

انتہائی نازک معاملہ ہے، صرف اپنی جان بچانے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ بہت سی معصوم جانیں خطرے سے دوچار ہیں۔ مفر کی صورت نہیں ــــ سوائے اس کے کہ کوئی غیبی امداد آ جائے! ــــ

مہلت کی مدت جتنی قریب آتی جا رہی ہے، سختیاں اتنا ہی زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں ــــ ان کو جلانے کے لیے ایک طرف بہت ساری لکڑیاں جمع کر دی گئی ہیں ــــ اور جانوروں کو جس طرح باڑھ میں بند کیا جاتا ہے ان سب کو اسی طرح کے ایک باڑھ میں بند کر دیا گیا ہے۔

اس دہشت ناک صورت حال نے کبھی محمد بن حنفیہ کے پائے

استقلال کو متزلزل ہونے نہیں دیا۔ ایک دن ان کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ آپ اس صورتِ حال سے مختار کو اور اہلِ کوفہ کو مطلع کر دیجئے کوفہ کے لوگ آپ کی اس موقعہ پر ضرور مدد کریں گے اور اس مصیبت سے نکالنے کی لازماً کوئی سعی کریں گے ——— چنانچہ مختار ثقفی کے پاس اس مقصد کے لیے قاصد بھیجنے کا وہ فیصلہ کرتے ہیں اور جب رات کو پہرے دار سو جاتے ہیں تب وہ اپنے ساتھیوں میں سے تین عراقیوں کو مختار اور اہلِ کوفہ کے نام خط دے کر روانہ کرتے ہیں ——— خط میں اُنھوں نے اپنے خلاف عبداللہ بن زبیر کی معاندانہ روش محاصرہ کی کیفیت، اور جلا ڈالنے کی دھمکیوں کی تفصیلات لکھنے کے بعد ان سے مدد کی استدعا کی ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ وہ اس موقعہ پر انھیں اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے جس طرح اُنھوں نے حضرت حسینؓ اور ان کے اہلِ خاندان کو چھوڑ دیا تھا۔

حرم کا احترام

۲ - تینوں قاصد بھاگم بھاگ مختار کے پاس آتے ہیں اور خط اس کے حوالے کرتے ہیں ——— مختار نے فوراً ہی دربارِ عام کا اعلان کر دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو انھیں وہ خط پڑھ کر سنایا اور کہا کہ یہ تمھارے "مہدی" کا خط ہے۔ جو تمھارے اہلِ بیت نبی کے

قائم مقام ہیں۔ غضب خدا کا انہیں اس طرح باڑھ میں بند کر دیا گیا ہے جس طرح بھیڑ بکریاں بند کی جاتی ہیں اور اب یہ انتظار کر رہے ہیں رات یا دن کے کسی وقت ان کو قتل کر کے جلا دیا جائے ـــــ میں ابو اسحٰق نہیں اگر میں ان کی پوری مدد نہ کروں ـــــ لوگو! سُن لو ہیں سواروں کا ایک ایسا سیلاب بھیجوں گا جو اُن پر مظالم ڈھانے والے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا ـــــ

پھر مختار نے سواروں کے دستے اس ترکیب اور تدبیر سے بھیجے کہ جو ابن حنفیہ اور اُن کے اہلِ خاندان اور ہمراہیوں کو قتل ہونے اور جلا ڈالے جانے کی مقررہ مدت پوری ہونے سے دو دن پہلے ہی پہنچ گئے اور اُن سب کو بزور قوت رہا کرا لیا۔

مختار کے بھیجے ہوئے لوگ انتہائی بہادر اور آزمودہ کار تھے اور فوج کے مکہ میں داخل ہونے کی رفتار بھی عمدہ جنگی چالوں پر مبنی تھی، اس لیے جب عبداللہ بن زبیر نے ان فوجیوں کو دھمکی دی تو وہ آمادہ پیکار ہو گئے اور قریب تھا کہ طرفین سے تلواریں نکل کر آتیں اور حرم میں خونریزی شروع ہو جاتی۔ لیکن ابن حنفیہ نے اپنے حامیوں کو سختی سے روکا اور فتنہ و فساد برپا کرنے سے انھیں ڈرایا ـــــ نیز عبداللہ بن زبیر کی سختیوں کا بدلہ لینے کی ہر تدبیر سے لوگوں کو باز رکھا ـــــ مختار کی بھیجی ہوئی فوج اور اُن کے حامیوں کی تعداد دیکھتے دیکھتے شعب علی

میں جہاں یہ لوگ محصور تھے چار ہزار ہو گئی ——— یہ سب لوگوں نے عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کی ابن حنفیہ سے اجازت طلب کرتے رہے مگر وہ کسی طرح اس کے روادار نہیں ہوتے اور اس طرح عین حدودِ حرم میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہونے سے بچ گئیں۔

اہل بیت کے نام پر استحصال

۴۔ نصف صدی سے بھی کم عمر کی "مملکتِ اسلامیہ" سخت بحران سے دوچار ہے۔ ہر طرف فتنے برپا ہیں۔ سرکشی اور بغاوت کی عام کیفیت سے پوری مملکت لرز رہی ہے۔ کتنی باہمی لڑائیاں ہو چکی ہیں اور کتنی چنگاریاں سلگ رہی ہیں اور کتنی جنگیں سر پر کھڑی ہیں ——— طالع آزما حوصلہ مندوں کے لیے بہت اچھا وقت آچکا ہے۔ تقدیریں آزمائی جا رہی ہیں ——— سروں کی فصلیں تیار کھڑی ہیں اور تلواریں فصلیں کاٹ کاٹ کر کند اور پھر تیز ہو رہی ہیں۔ اسی ہمہ ہمی ہائے زندگی میں مختار ثقفی تلواروں کی باڑھ، زبان کی قوت اور تقریر کی سحر بیانی لے کر میدانِ کارزار میں کود پڑتا ہے ——— شہادت حسین کا المیہ تازہ ہے، زبانیں گرچہ گنگ ہیں مگر لوگوں کے دل آہ و فغاں کر رہے ہیں ——— مختار کا چالاک ذہن لوگوں کے اسی احساس کو اپنے منصوبے کا حرف اول بناتا ہے ———

"حسینؓ اور اہلِ بیت کی شہادت اور بربادیوں کا ایک ایک سے چن کر بدلہ لوں گا۔" ــــــ دلوں پر نشانہ ٹھیک بیٹھا ــــــ جمیعت بڑھ گئی ۔ قوت میں اضافہ ہو گیا ــــــ لیکن سوال موجود تھا ــــــ تم کون ہوتے ہو حسینؓ کے خون کا دعویٰ کرنے والے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ موجود ہیں، حضرت علی کے بیٹے ابوالقاسم محمد بن علی (ابن حنفیہ) موجود ہیں، خود امام حسینؓ کے بیٹے علی بن حسین (زین العابدین) زندہ ہیں ــــــ چنانچہ سوال اٹھا اور اس نے پوری دیدہ دلیری سے جواب دیا ــــــ میں محمد بن حنفیہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور ان کی طرف سے داعی بنا کر بھیجا گیا ہوں ــــــ

سوال : اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟

جواب : اگر تم لوگوں کو ہماری باتوں پر یقین نہیں آتا تو کچھ لوگوں کو اُن کے پاس بھیج کر معلوم کر لو ــــــ ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے

چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالرحمٰن بن شریح کی قیادت میں ایک وفد مکہ معظمہ محمد بن حنفیہ کے پاس آیا اور آپ سے مل کر کہا کہ آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے ــــــ آپ نے کہا کوئی عام بات برسرِعام بات کہی جانے والی ہے یا کوئی راز کی بات تنہائی میں کہنی ہے؟ ــــــ شریح نے کہا تنہائی میں کچھ راز کی باتیں کہنی ہیں۔

ابن حنفیہ: اچھا تو ذرا ٹھہر جاؤ

پھر تھوڑی دیر بعد ایک جانب وہ خود اُٹھ آئے اور فرمایا کہ کہیے کیا کہنا ہے؟

شریح نے حمد و ثنا کیا اور پھر کہا! آپ اہل بیت ہیں اللہ نے آپ کو فضیلت دی ہے۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں ہونے کا آپ کو شرف حاصل ہے ——— اس اُمت پر آپ کا بڑا حق ہے جس میں سے صرف بے عقل اور بد نصیب لوگ انکار کر سکتے ہیں ——— حضرت حسینؓ کی شہادت سے جو مصیبت آپ لوگوں کو اُٹھانا پڑی اس سے بھی آپ کو ایک خاص حق حاصل ہو گیا ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہے ——— بات یہ ہے کہ مختار بن ابی عبید ہمارے پاس آئے اور اُنھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ آپ کے فرستادہ ہیں ——— ہم لوگوں کو آپ سے اس لیے محبت ہے کہ آپ ہمارے نبی کے انتہائی قریبی رشتہ دار ہیں، آپ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ہم سب مبتلائے اذیت بھی ہوئے ہیں۔ ہم حالات سے گھبرا چکے ہیں اور یہ ارادہ کیا چاہتے تھے کہ آبادی کو چھوڑ کر کسی ویرانے میں چلے جائیں اور وہیں اللہ اللہ کریں نہ اہل بیت کا حال معلوم ہو اور نہ ذہن و فکر اذیت میں مبتلا ہے ——— ابھی ہم پوری طرح جنگل میں چلے جانے کا فیصلہ بھی نہ کر پائے تھے کہ مختار بن عبید کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ اور ہم اس تحقیق کے لیے آ گئے ہیں کہ کیا وہ واقعی

آپ ہی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر ہم سب اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔

ابن حنفیہ نے تمام باتیں غور سے سنیں پھر حمد و ثنا کے بعد کہا کہ آپ نے ہمارے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے نوازا ہے تو یہ اللہ کی عنایت ہے "وہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے مشرف فرماتا ہے وہ بڑا فضل والا ہے" اس کے فضل پر شکر واجب ہے ـــــــ باقی رہی شہادتِ حسین والی بات تو بلاشبہ یہ ایک سفاکانہ قتل عام تھا جو ان کی تقدیر میں تحریر تھا۔ اور یہ ایسی کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے مرتبے کو بلند کرنے اور بعض لوگوں کے مرتبے کو گھٹانے کے لیے عطا کی تھی اور رہا آپ کا یہ کہنا کہ کسی ویرانے میں چلے جانے کو جی چاہتا ہے تاکہ وہیں اللہ کی عبادت کریں ـــــــ تو سُن لو! ایسا ہرگز نہ کرنا معاملاتِ زندگی سے جُدا رہنا اسلام کا طریقہ نہیں راہبوں کی بدعت ہے ـــــــ اور آپ نے ہمارے خون کا بدلہ لینے والوں کا جو ذکر ہے اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ یہ اللہ کا معاملہ ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کے ذریعے چاہے ہمارے دشمن سے بدلہ لے لے ـــــــ باقی رہا ہماری طرف سے کچھ کہنا ہے تو صرف اتنا کہنا ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ "مسلمانوں کے خون

ناحق سے بچو" اور بنو اُمیہ کے اس قبضے سے بچو، (یعنی اُن کے اس جھوٹے دعوے سے کنارہ کش رہو کہ اگر مسلمان ان کا ساتھ دیں گے تو وہ ان کی جانوں کی حفاظت، اور تمھارے دین کی حفاظت کریں گے اور تم دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ گے جس کا تصوّر نہیں کر سکتے۔ آخر میں میں اپنے اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

دیکھئے کس کمال تدبر و حکمت اور جذبہ خیر و صلاح کے ساتھ وفد کو صحیح صحیح جواب دیا ـــــ

یہ دوسری بات ہے کہ مختار بن عبید جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ کرتا ہی رہا اور محمد بن حنفیہ کی صلح جوئی اور میانہ روی اس کے عزائم کے مقابلے میں ذرا بھی مزاحم نہیں ہو سکیں۔

مگر خون مسلم ارزاں نہ ہونے دیا

۵۔ ایک اور موقعہ پر مختار نے حسب ذیل خط صالح بن مسعود کی معرفت ابن حنفیہ کو ارسال کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے ایک فوج آپ کے پاس اس غرض سے بھیجی تھی کہ وہ آپ کے دشمنوں کو ذلیل کرے، آپ کے لیے ملکوں کو فتح کرے، جب یہ لوگ آپ کے پاس آنے کے لیے مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو "ملحد" کی ایک فوج ان سے

ملی اور عہد امان کے باوجود دھوکہ سے میری فوج پر اچانک حملہ
کر کے ان کو قتل کر دیا ـــــ اب اگر آپ مناسب سمجھیں اور
حکم دیں تو میں اہلِ مدینہ کی جانب ایک زبردست فوج بھیج دوں۔
اور ہاں آپ اپنے سفراء بھیج دیں تاکہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے
کہ میں آپ ہی کا مطیع فرما ہوں ـــــ

ابنِ حنفیہ نے اس خط کا جواب مندرجہ ذیل دیا۔

تمہارا خط پڑھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم کس قدر میرے حق کو
سمجھتے ہو اور میری خوشنودی کے لیے تم کیا کرنا چاہتے ہو۔
حقیقت یہ ہے کہ جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں گا
اُمورِ سیاسی بھی ہمارے ہاتھ میں رہیں گے ـــــ میں تم کو نصیحت
کرتا ہوں کہ اپنے ظاہر و باطن کو ایک رکھو اور اللہ کی اطاعت
کرتے رہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر میں لڑائی کا ارادہ کروں
تو میرے بہت سے مددگار فوراً میری حمایت کے لیے اُٹھ کھڑے
ہوں گے، مگر ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ میں سب سے الگ تھلگ
اور چپ بیٹھا ہوں اب جو اللہ کرے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے
والا ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اب وہ مسلمانوں کے خون کی ارزانی دیکھنا
نہیں چاہتے تھے اور نہ حصولِ اقتدار کے لیے قتال اور خونریزی کو
پسند کرتے تھے ـــــ ورنہ اس بات کا امکان تھا کہ ان کی

جرأت اور باہمی خونریزی پر ان کی جسارت تاریخ میں کسی خاص عنوان کا سبب و ذریعہ بن جاتی۔

ایک اہم خصوصیت

۲۔ محمد بن حنفیہ مشہور تابعی، حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں۔ ان کو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک بہت بڑی خصوصیت یہ حاصل کی ہے کہ ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک 'محمد' اور آپ کی کنیت ابوالقاسم دونوں یکجا ہیں، اور حضور کا نام اور کنیت کو یکجا کرنے کی خصوصی رعایت صرف ان ہی کو حاصل ہے ۔۔۔۔۔۔

ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں کوئی ان دونوں کو جمع نہ کرے۔ حضرت طلحہؓ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی اس بارے میں سخت گرفت کی اور کہا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک اور کنیت دونوں ہی کو اپنے ایک بیٹے میں جمع کر کے بڑی جسارت کر ڈالی ہے، یہ تو صحیح نہیں ہے کیونکہ حضور نے اس سے منع فرمایا ہے۔

حضرت علیؓ نے کہا بھائی۔ بیشک وہ شخص بڑا ہی گستاخ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے کی جسارت کرے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔ بلکہ مجھے اس

بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی اجازت حاصل ہے ـــــ پھر حضرت علیؓ نے ایک شخص سے کہا کہ جاؤ قریش کے فلاں اور فلاں شخص کو بلا کر لے آؤ ـــــ چنانچہ جب لوگ آ گئے تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ کیا آپ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضور نے اپنا نام اور کنیت استعمال کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے یا نہیں ـــــ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہاں ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ تمہارے یہاں (حضرت علی کے یہاں) ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ میں نے اپنا نام اور اپنی کنیت اسے بخش دی ـــــ اس کے بعد میری امت میں کسی کے لیے حلال نہیں (کہ وہ میرا نام اور کنیت رکھ لے)

امن پسندی

۷ ـــــ محمد بن حنفیہ نے چونکہ علم و فضل میں ممتاز گھرانے میں اپنی آنکھیں کھولی تھیں اور اسلام کے روح رواں لوگوں سے تربیت حاصل کی تھی اس لیے "اسلام" ان کے خون تک میں رچ بس گیا تھا ـــــ وہ بڑے عالم اور بڑے ہی متقی تھے ـــــ فتنہ و فساد اور مسلمانوں کے درمیان جنگ و قتال ہی کے دور میں انھوں نے بچپن سے جوانی کی سرحد میں قدم رکھا، اور مسلمانوں کی اسی اجتماعی حالت کے دوران جوانی سے بڑھاپے کی حدود میں داخل ہوئے ـــــ بعض معرکوں

میں انھوں نے حصّہ بھی لیا۔ اور ایک عرصہ تک خود اُن کی ذات مرجع خلائق اور امن و جنگ کا سبب بنی رہی ـــــ کتنی تلواریں اُن کے نام پر اور اُن کی حمایت میں اُٹھیں اور غیض و غضب کے کتنے تیر خود اُن پر اور اُن کے خاندان والوں پر چھوڑے اور چلائے گئے ـــــ

لیکن ان کی سیرت و کردار کا کمال ہے کہ وہ کسی وقت بھی نہ تو جذبات میں آئے اور نہ بدلے اور انتقام پر اُترے۔ اور نہ کسی حال میں حق کے خلاف کوئی کام کیا ـــــ ان کی نرم روی اور خدا ترسی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگِ جمل میں اپنے والد محترم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ صف آرا ہیں۔ حضرت علی کا عطا کردہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہے لیکن وہ تیغ زنی سے پہلوتہی کر رہے ہیں ـــــ ان کی اس حالت کو خود حضرت علیؓ محسوس کر لیتے ہیں اور جھنڈا اُن کے ہاتھ سے لے لیتے ہیں ـــــ خود محمد بن حنفیہ نے ایک دن اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس جنگ میں ایک موقعہ پر انھوں نے بصرہ کے رہنے والے مقابل کے ایک شخص پر حملہ کیا اور پوری طرح دبوچ لیا ـــــ اس نے فوراً کہا میں کوئی بے دین نہیں ہوں بلکہ علی بن ابی طالب کے دین پر ہی ہوں۔ یہ سن کر میں اس کے مطلب کو سمجھ گیا اور چھوڑ دیا ـــــ وہ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں نہ کسی زخمی کو قتل کیا گیا اور نہ ہی بھاگنے والوں کا تعاقب کیا گیا۔

پاکیزہ مزاجی

۷۔۔۔ محمد بن حنفیہ کے مزاج کی پاکیزگی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب مختار بن عبید نے (معرکہ کربلا پا کرنے والے)، عبید اللہ بن زیاد کو قتل کر کے اس کا سر ایک ڈبے میں بند کر کے محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا، جس وقت یہ سر اُن کے پاس لایا گیا تو وہ ناشتہ کر رہا تھا۔ اور آج جبکہ اس کا سر ہمارے سامنے لایا گیا ہے ہم ناشتہ کر رہے ہیں ـــــــ بنی ہاشم میں سے تقریباً تمام لوگوں نے مختار کی اس خدمت کی تعریف کی اور اس کے لیے کلمۂ خیر کہا لیکن اُنھوں نے کسی خاص جذبے کا اظہار نہ کیا بلکہ دنیا کی بے ثباتی نے ان کے دل میں ہل چل سی مچا دی اور وہ چپ سے ہو گئے ـــــــ محمد بن حنفیہ مختار ثقفی کی حرکتوں، اس کی جنگ جو پالیسیوں اور ظلم و خونریزی کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اس کے اکثر افعال سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے تھے ـــــــ حالانکہ مختار اہلِ بیت کا نام لے کر اپنے گرد لوگوں کو جمع کیا کرتا تھا۔ اور یہ کہا کرتا تھا کہ خود وہ کچھ نہیں ہے بلکہ محمد بن حنفیہ کی طرف سے لوگوں کو دعوت دیتا رہا۔ اور یہ بیعت دراصل ان کی بیعت ہے

چہ دلا در است دزدے کہ بکف چراغ دارد

دوسرا باب

تاریخ کے آئینے میں

محمد بن حنفیہ کی سیرت کے جتنے نمایاں پہلو تھے، ان کو پیش کرنے کی ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔ ان کی سیاسی زندگی یا ان کی انقلابی جدوجہد کو جس قدر حالات کی روشنی میں بے داغ دکھانا ہمارے لیے ممکن تھا وہ ہم نے کیا تاہم اس بات کا خطرہ ہے کہ کچھ لوگوں کو مندرجہ واقعات کی روشنی میں ابن حنفیہ کی تصویر حیات داغدار نظر آتے اس لیے مذکورہ بالا واقعات کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

"حضرت امام حسین رضؓ کے حقیقی وارث اور جانشین تو امام زین العابدین ہی تھے لیکن اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد وہ دنیا سے ایسے برداشتہ خاطر ہو گئے تھے کہ خلافت اور امامت کے جھگڑوں سے کنارہ کش ہو کر گوشہ عزلت کی زندگی اختیار کر لی ——— حامیانِ علیؓ یا حامیانِ اہلبیت نے انھیں میدان میں لانے کے لیے بہت سارے جتن کیے اور بہت سر مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ گھر سے نکلنا تک اُنھوں نے

ترک کر دیا۔ اب وقت کے یہ "بیاض " "حوصلہ مند لوگ " ابن حنفیہ کے گرد جمع ہو جانا شروع ہوئے اور خلافت اور امامت کو ایک مذہبی عقیدہ بنا کر اور لوگوں کو پورے زور دار دلائل سے یقین دلا کر کہ خلافت و امامت دراصل اہلِ بیت ہی کا حق ہے، اس لیے یہ حق حقدار ہی کو پہنچنا چاہیئے۔ اور ابن حنفیہ چونکہ اس بارِ امانت کو اُٹھا سکتے ہیں اس لیے اس بار امانت کا انہی کو حاصل ہونا چاہیئے۔ پھر ان لوگوں نے اول ان کو اس بار امانت کا حامل بنایا پھر رفتہ رفتہ ان کو اس کا داعی بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا، اور پھر اس معاملہ کو اس حد تک آگے بڑھا کر لے گئے۔ خلافت و امامت، اور اہلِ بیت اور غیر اہلِ بیت کے سوالات اور ان سے پیدا ہونے والے عقائد و خیالات، مسائل و افکار کا تمام تر تعلق ان کی ذات سے قائم ہو گیا ——— حالانکہ بیشتر عقائد و افکار، عمل و دعوت، سرگرمیاں اور عملی جد و جہد جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ چند طالع آزما محض اپنی مطلب برآری کے لیے ان کے نام کو، ان کی ذات کو، اور حضور سے جو آپ کو نسبت حاصل ہے اس نسبت کو استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور پروپیگنڈے کی ایک پوری مشینری ان تمام غلط باتوں کو جو غلط تو نہیں مگر ان کے حصول کے لیے ضروری تھیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں

لگ گئیں ــــــ پھر ان ظالم اور حریص طبع لوگوں نے اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے ایسے ایسے عقائد گھڑے اور ایسے ایسے خیالات، ان کی طرف منسوب کر دیئے جس سے وہ اور دوسرے اہل بیت حرصِ خلافت کے مجسم پیکر ہو کر سامنے آتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

شخصی حکومت سے اختلاف

۱۔ ــــ یہاں تک تو بات درست ہے کہ اہلِ بیت کرام یہ آرزو رکھتے تھے کہ اسلامی حکومت نیابت الٰہی اور خلافتِ نبوی کی حیثیت سے قائم رہے اور شخصی حکومت کا قالب اختیار کرنے نہ پائے۔ اس کے لیے اُنھوں نے جانوں کی قربانیاں تو دیں لیکن کسی قسم کے گمراہ کن عقائد کا اختراع نہیں کیا۔ اس لیے ان کی طرف جو بھی گمراہ کن باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ سراسر غلط، جھوٹ اور افترا پردازی پر مبنی ہیں۔

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ

۲۔ ــــ اور یہ بات بھی درست ہے کہ سانحہ کربلا کی وجہ سے ابن حنفیہ سمیت سارے بنی ہاشم کے دِل اُمویوں کی طرف سے پھرے ہوئے تھے، اس کے علاوہ ابن زبیر کا خطرہ ان کے سروں پر مسلط تھا۔ ان حالات میں مختار خونِ حسینؓ کے انتقام کی دعوت لے کر اُٹھا اور

قاتلین حسین رضؓ کو ڈھونڈھ کر قتل کیا اور بنی اُمیہ اور ابن زبیر دونوں کے مقابلے میں چونکہ ابن حنفیہ کا پشت پناہ بنا اس لیے فطرت انسانی کے عین مطابق اکسی مصلحت کے پیشِ نظر وہ اس سے متاثر نظر آتے ہیں

بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ـــــــــــ نہ تو اس کو انھوں نے اپنا داعی بنایا اور نہ اس کی دعوت کو کبھی اُنھوں نے اپنی دعوت بنایا۔ اور نہ اس پر اعتماد کیا اور نہ لوگوں کو اس پر اعتماد کرنے کی تلقین کی۔

بلکہ جو حقائق سامنے آئے وہ یہ ہیں کہ:

(i) جب مختار نے ابن حنفیہ سے عراق جانے کی اجازت چاہی تو اُنھوں نے اجازت تو دے دی لیکن اس پر چونکہ ان کو اعتماد نہیں تھا اس لیے اپنے ایک آدمی عبد اللہ ابن کامل ہمدانی کو اس کے ساتھ کر دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ یہ شخص قابلِ اعتماد نہیں ہے اس سے بچے رہنا۔

(ii) جب عروہ ابن زبیر کی جانب سے ابن حنفیہ کے پاس پیام لے کر گئے تو اُنھوں نے اُن سے کہا کہ میں نے مختار ثقفی کو نہ اپنا داعی بنایا ہے اور نہ مددگار!

(iii) جب بعض اہلِ عراق کو مختار کے بیانات پر شبہ ہوا اور وہ ابن حنفیہ کے پاس اس کی تصدیق کے لیے گئے تو اُنھوں نے

کہا کہ اسے ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے کے ذریعہ
چاہا ہماری مدد کی۔ البتہ تم لوگ کذابین سے ڈرتے رہو اور ان سے
اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرو۔

گمراہ کُن عقائد کی تردید

(۱۷) اسی صورت سے جب ابن حنفیہ نے دیکھا کہ مختار اور اُس کے
ہم نوا ان کی شخصیت کو اُبھارنے کے لیے ــــــ اور پھر ان
کے ذلت کا سہارا لے کر اپنی قسمت کو اپنانے
کی کوشش کر رہے ہیں، جس سے ایک طرف دین کو بھی نقصان
پہنچنے کا خطرہ ہے اور لوگوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہو جانے
کا بھی احتمال ہے اور آئندہ نسل کے فتنہ و فساد میں مبتلا ہو جانے
کا خدشہ ہے تو اُنھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی طرف منسوب کی جانے
والی غلط باتوں کی تردید کی بلکہ ان کو سخت تنبیہ بھی کی

عِلم مخفی کی کوئی حقیقت نہیں ہے

(۷) ایک مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ مختار کے متبعین کہتے ہیں کہ ان کے
یعنی ابن حنفیہ کے پاس قرآن کے علاوہ صدری علم کا کچھ حصہ ہے
جو سینہ بہ سینہ آرہا ہے ــــــ یہ باتیں جب اُنھوں نے
چند زبانوں سے سنیں اور اس کا چرچا ہونے لگا تو سخت

اُلجھن میں پڑ گئے اور آخر کار ایک دن ایک بڑا مجمع اپنے گرد جمع کر کے اس سے خطاب کیا اور کہا کہ

لوگو! تم یہ بات کس بنیاد پر کہتے ہو کہ ہمارے پاس کچھ علم مخفی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی اور دوسرے اہلِ بیت کو ملا اور اُن سے سینہ بسینہ منتقل ہو کر مجھ تک پہنچا ہے ــــ لوگو سن لو ایسی کوئی بات نہیں۔ خدا کی قسم ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کے وارث نہیں ہوئے ہیں، اور آپ کی طرف سے کوئی مخفی علم ہم کو نہیں ملا ہے ــــ ہاں یہ قرآن مجید جو آپ سب کے لیے ہے وہی ہم لوگوں کو بھی ملا ہے۔

مہدی کہلانے سے انکار

(۷۱) خاندانِ نبوت میں ہونے کی وجہ سے تو اُن کو بلند مرتبہ حاصل تھا ہی لیکن خود ان کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں بخشی ہیں اور اُن کے اندر جو علم و تدبر اور مصلحانہ قابلیتیں تھیں ان کے باعث بھی لوگوں میں ان کو بڑی عزت اور رتبہ حاصل تھا۔ بعض لوگ ان کے اتنے عقیدت مند تھے کہ ان کو مہدی کہہ کر سلام کرتے تھے۔ اور کہتے تھے السلام علیک یا مہدی؛؛

ابن حنفیہ نے جب دیکھا کہ یہ بات عام ہو رہی ہے تو اُنھوں نے ایک دن تمام لوگوں کے سامنے کہا کہ مجھے مہدی کہہ کر سلام نہ کریں۔

پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس معنی میں تو بیشک مہدی ہوں
کہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی ہدایت کرتا ہوں۔ لیکن میرا نام نبی اللہ کے
نام پر اور میری کنیت نبی اللہ کی کنیت پر ہے۔ اس لیے جب تم لوگ
سلام کہا کرو تو مہدی کہنے کے بجائے السلام علیک یا محمد یا السلام علیک
یا ابو القاسم کہا کرو۔

دو خُدا

(viii) ——— ابن حنفیہ کا عہد بڑا ہی خراب عہد تھا، لوگ اندرونی خلفشار اور خاندانی
عصبیتوں میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے قریش کے دو خاندانوں بنو اُمیّہ
اور بنو ہاشم کا رتبہ ایک کا دنیاوی وجاہت کی بنا پر اور دوسرے کا مذہبی
سیادت کی بنا پر پرستش کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ ابن حنفیہ اس صورتِ حال
سے سخت پریشان اور نالاں تھے، اور اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے
کہ لوگ عصبیتوں میں مبتلا ہو کر بربادی کے اس ذلت آمیز گھڑے میں
گر جائیں ——— چنانچہ ایک دن تقریر کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ
اسلام میں رہتے ہوئے لوگوں نے دو بُت گھڑ لیے ہیں ———
لوگوں نے پوچھا یہ کیسے اور کیا؟ آپ تفصیل سے بتائیے۔ اُنھوں نے
کہا کہ لوگوں نے قریش کے دو گھرانوں کو اللہ کا شریک بنا لیا ہے۔ جن میں
ایک ہم ہیں اور دوسرے بنو اُمیّہ ——— یعنی حق پرستی اور صداقت
پسندی جو مسلمانوں کا شیوہ ہونا چاہیئے تھا اس کو چھوڑ کر لوگ دو حصّوں میں

میں بٹ گئے ہیں۔ ایک نے ہم کو اپنا مرکز خیال و عمل بنا لیا ہے اور دوسرے نے ہمارے چچا زاد بھائیوں یعنی بنو اُمیّہ کو خُدا کا درجہ دے دیا ہے۔

(viii) ــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعض لوگ کہاں سے کہاں پہنچا رہے تھے۔ لیکن وہ ان کے بارے میں یہ کہہ کر لوگوں کے اعتقاد درست کرنے کی کوششیں کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی انسان کی نجات اور اس کے جنتی ہونے کی یقینی شہادت نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ اپنے باپ علیؓ کے متعلق بھی جنھوں نے مجھے پیدا کیا ہے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

باب سوم

ابنِ زبیر اور محمدّ بن حنفیہ

مختار بن عبید کی ہلاکت کے بعد جب ملک کا ایک بڑا حصّہ ابن زبیر کے قبضۂ اقتدار میں آگیا تو انھوں نے ایک بار پھر محمد بن حنفیہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی بیعت کریں۔ چنانچہ اسی مقصد سے انھوں نے ایک دن عروہ بن الزبیر کو محمد بن الحنفیہ کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ امیر المومنین (عبداللہ بن الزبیر) آپ سے کہتے ہیں کہ تاوقتیکہ آپ ان سے بیعت نہ کرلیں گے وہ آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے، اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ کو دوبارہ قید کردیا جائے گا۔ اللہ نے اس کذاب کو قتل کردیا ہے جس کی امداد پر آپ کو بھروسہ تھا اور جس کی مدد کا آپ دعویٰ کرتے تھے دونوں عراق والوں نے (کوفہ اور بصرہ) ان کی امارت پر اتفاق کرلیا ہے لہذا آپ بھی ان کی بیعت کرلیجئے، ورنہ بصورت دیگر آپ کو جنگ کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

محمد بن حنفیہ نے جبر واکراہ سے بھرے ہوئے اس پیغام کو نہایت وقار اور تحمل سے سُنا۔ پھر بڑے ہی جارانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ بھائی تمھارے بھائی

بداللہ اس طرح قطع رحمی اور توہینِ حق پر کیوں آمادہ ہو گئے ہیں ؟
للہ کے ایسے عذاب پر جو ہمیشہ باقی اور قائم رہنے والا ہے اور جس پر وہ خود
ہی ایمان رکھتے ہیں ـــــــ اس کے آجانے ہی کے لیے کیوں جلدی
ار رہے ہیں ؟ ـــــــ وہ کون سی چیز ہے جس نے ان کو اللہ تعالیٰ سے
ں قدر غافل کر دیا ہے ؟ ـــــــ مختار کی بابت جو کچھ اُنھوں نے
ا ہے وہ عجیب ہے ـــــــ وہ تو مجھ سے زیادہ مختار کے مدّاح تھے
ـــــــ واللہ میں نے مختار کو داعی یا ناصر بنا کر نہیں بھیجا ـــــــ
مختار کا ان سے کوئی واسطہ نہ تھا تو مجھ سے اس کا کون سا ایسا واسطہ تھا۔
ـــــــ اگر وہ جھوٹا کذاب تھا تو آخر ایک عرصہ تک وہ ان کا مقرب
سے بنا رہا ـــــــ اور اگر وہ اس سے بھی زیادہ کچھ تھا تو اس کا علم مجھسے
ں وہ خود زیادہ بہتر جانتے ہیں ـــــــ میں نہ تو اس کے پڑوس میں رہا
ں اس کے ساتھ قیام کیا اور نہ ہی اس کی قربت کو اپنے لیے پسند کیا اور نہ
ی دعوت کو جو میری طرف سے دیا کرتا تھا۔ کبھی اس کی حمایت و تاکید کی نہ
را اچھا کہا نہ بُرا ـــــــ باقی رہا معاملہ ان کی بیعت کا تو ہم کس کس کی
ت کریں، ان کی یا عبدالملک کی ـــــــ عبدالملک بن مروان کی تو می
کہ تم بھی دیکھ رہے ہو، خود عبداللہ بن الزبیر کی گردن اس کے گھیرے میں
دی ہے ـــــــ تم لوگوں نے تو ہم کو اس قدر دق کیا ہے کہ اب تم
ں کا پڑوس چھوڑ کر عبدالملک کے پڑوس میں جا بسنے کو جی چاہتا

عروہ نے محمد بن الحنفیہ کی یہ باتیں سن کر رخصت چاہی اور کہا کہ میں آپ کی باتیں ان کو بتادوں گا اور اچھی طرح سے آپ کی وکالت کروں گا۔ یہ کہا اور چلے گئے

خونِ مسلم کی حرمت

محمد بن الحنفیہ کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان کو یہ بات پسند نہ آئی کہ عروہ بن الزبیر کو یہاں سے زندہ جانے دیا گیا ـــــــ وہ لوگ کہتے رہے کہ آپ کو اس بارے میں ہماری بات مان لینی چاہیئے تھی اور ان کی گردن مار دینے کی اجازت دے دینی چاہیئے تھی۔

محمد بن الحنفیہ نے تیکھے تیور سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا کیوں؟ کس بنا پر انسانی گردن ماری جاتی؟ ـــــــ ان کا کیا قصور؟ وہ تو اپنے بھائی کا پیغام لے کر آئے۔ ہم سے باتیں کیں، بھائی کا پیغام سنایا۔ میرا جواب لے گئے ـــــــ ان کی حیثیت ایک سفیر کی سی تھی ایک قاصد کی تھی ـــــــ تم لوگ جو کرنا چاہتے تھے وہ کھلی بدعہدی تھی ـــــــ اور غدر و بدعہدی میں خیر و فلاح کا کوئی پہلو نہیں ہوتا ـــــــ تمہاری بات کو مان کر اگر میں عروہ کو قتل کر دیتا تو چند ساعتوں میں مکہ کا امن غارت ہو جاتا اور یہاں کھلی جنگ برپا ہو جاتی ـــــــ یاد رکھو اگر تمام لوگ میری امارت پر متفق ہو جائیں اور صرف ایک آدمی مجھ پر اتفاق نہ کرے تو میں اس ایک آدمی سے بھی قتال نہ کروں گا ـــــــ

مسلمانوں کے خون کی حرمت کی اس سے بڑھ کر اور کیا شان ہو سکتی ہے محمد اتر سکا کا کس قدر اعلیٰ مقام اور فہم و بصیرت کا کتنا شاندار نمونہ ہے جو ان کی طرف سے

پیش کیا گیا تھا صاف معلوم ہوتا ہے کہ عظمتوں کے بلند ترین مینار سے کوئی جھانک رہا ہے۔

عبدالملک کا دباؤ

محمد بن الحنفیہ وقت کی اہم ترین شخصیت تھے اور مسلم معاشرے میں ان کو بڑا اساسی مقام حاصل تھا ـــــ یہی وجہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ کی دو متحارب قوتیں اپنی امارت کو جائز اور اپنی سلطنت کی وسیع اور مضبوط، اور اپنے اقتدار کو پائیدار بنانے کے لیے ان کی گردن میں جلد سے جلد اپنی بیعت کا قلادہ ڈال دینے کے لیے کوشاں رہتے تھے اس کے لیے ان پر سختیاں بھی کی گئیں، قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں، نظربند بھی کیا گیا۔ اور ملک میں مارے مارے پھرنے پر بھی مجبور کیا گیا ـــــ لیکن وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ تمام مسلمانوں کا جس پر اتفاق ہو جائے گا وہ اس کی بیعت کر لیں گے ـــــ عبداللہ ابن الزبیر ان کی سیاسی حیثیت سے جتنا خطرہ محسوس کرتے تھے، اتنا ہی بڑا خدشہ عبدالملک بن مروان بھی محسوس کرتے تھے ـــــ اس لیے ان سے صرف نظر کرنا ان دونوں کے لیے مشکل تھا ـــــ چنانچہ عروہ بن الزبیر نے جب اپنے بھائی سے اس بات کی سفارش کی کہ ان پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے اور ان کے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے بلکہ ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں جانا چاہیں جائیں ـــــ ساتھ ہی انھوں نے اس مشورہ دہی کے سلسلے میں یہ نکتہ بھی بیان کیا کہ اگر آپ ان سے آنے والے کی پابندی ہٹا دیں گے، تو

وہ یقیناً یہاں سے شام چلے جائیں گے جو عبدالملک بن مروان کے قبضہ میں ہے عبدالملک ان پر اپنی بیعت کے لیے یقیناً دباؤ ڈالے گا اور جب تک وہ اس کی بیعت نہ کر لیں گے ان کو ہرگز نہ چھوڑے گا اور محمد بن الحنفیہ اپنے موقف کے مطابق اس کی بیعت نہ کرنے پر اس وقت تک اڑے رہیں گے جب تک تمام لوگ اس کی بیعت نہیں کر لیتے ــــــــ اور دونوں کے درمیان یہ ایسا وجہِ اختلاف ہوگا جو قید یا قتل ہی پر منتج ہوگا اور ہر دو صورتیں آپ کے لیے مفید ہوں گی۔ ــــــــ

اچھی پیشکش کا برا اثر

اپنے بھائی کے اس مشورے کو معقول سمجھ کر عبداللہ بن الزبیر نے ان کے معاملات میں مداخلت ترک کر دی ــــــــ ادھر عبدالملک بن مروان جو موقعہ کی تاک میں تھا۔ محمد بن الحنفیہ کے نام ایک ذاتی خط لکھا ــــ جو ہر لحاظ سے نرم، شائستہ اور لطف و کرم کے وعدوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان کو دعوت دی تھی کہ ابن الزبیر نے آپ کے ساتھ جس سختی اور معاندت کا سلوک کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ قرابت داری کے تعلق کے خلاف ہے بلکہ انسانیت شرافت اور احترام ذات کے بھی خلاف ہے ــــــ آپ نے ان کی بیعت سے جو انکار کیا ہے یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ شام کا علاقہ حاضر ہے آپ یہاں جہاں جائیں آپ ہم کو قرابت داری کا حق پہنچانے والا اور اپنے ساتھ حسن سلوک کرنے والا پائیں گے ــــــــ عبدالملک بن مروان کی طرف سے یہ ایک

اچھی پیشکش تھی جس کے قبول کر لینے میں ان کو امن وعافیت کا سامان نظر آیا چنانچہ وہ اپنے رفقاء کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ جب ایلہ پہنچا تو یہاں کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی خوب خاطر تواضع کی بلکہ عزت واحترام کا قابلِ رشک مظاہرہ بھی کیا ——— یہ چیز ایسی نہ تھی کہ محسوس نہ کی جاتی۔ فوراً محسوس کی گئی اور ابروئے اقتدار پر شکنیں پڑ گئیں ——— چنانچہ اونچی مجلسوں میں مشورے ہوئے ——— کہاں وہ لطف وکرم کا خط اور کہاں یہ فیصلہ کہ وہ یا تو عبدالملک بن مروان کی بیعت کریں یا یہ اس سرزمین کو چھوڑ کر واپس سرزمین حجاز چلے جائیں ———

نامہ بر دربار خلافت سے پیغام لایا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ امارت وخلافت کے معاملہ میں میرے اور عبداللہ بن الزبیر کے درمیان شدید اختلافات قائم ہیں ——— آپ صاحب عزت اور قابل احترام شخصیت ہیں۔ میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ میری بیعت کر لیں۔ اگر آپ میری بیعت کر لیتے ہیں تو قلزم سے آئی ہوئی سو کشتیاں مع سامان آپ کی نذر ہیں۔ نیز بیس لاکھ درہم بھی آپ کے لیے مخصوص کر دیئے گئے ہیں، جن میں سے پانچ لاکھ تو آپ کو فوراً پیش کر دیئے جائیں گے۔ باقی ۱۵ لاکھ کشتیوں اور ان پر لدے ہوئے سامان کے ساتھ آپ کو مل جائیں گے ———

یہ رقم اور سامان، آپ کی کفالت، اہل وعیال کے اخراجات، رفقاء کار اور موالیوں کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے آپ کو کافی ہوں گے ——— ورنہ بصورت دیگر آپ کو میری حدودِ سلطنت سے باہر چلے

جانا ہوگا ـــــــ آپ جہاں چاہیں چلے جائیں آپ کو اختیار حاصل ہے بہرحال میری مملکت میں نہیں رہ سکتے۔

محمد بن الحنفیہ نے اس خط کا جو جواب عبدالملک بن مروان کو دیا ـــــــ وہ ان کے کردار کی پختگی اور موقف پر سختی سے قائم رہنے کی عادت و مزاج کو ظاہر کرتا ہے، ساتھ ہی اس بات کی کھلی شہادت فراہم کرتا ہے کہ ان کے مزاج میں کس قدر صلح و صفائی ہے۔ وہ نہ تو اُمتِ مسلمہ کے درمیان کوئی فساد کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور نہ اپنے بچے کھچے خاندان والوں کے لیے دوسرا واقعہ کربلا پیدا ہونے دینا چاہتے ہیں ـــــــ وہ جواب میں حمد و ثناء کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

ـــــــ خلافت و امارت کے سلسلے میں میری کوئی ڈھکی چھپی رائے نہیں ہے، اپنی اس رائے کا میں ایک عرصہ سے برملا اظہار کرتا آرہا ہوں۔ اور جس کا ایک بار پھر اعادہ کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر پوری اُمت مجھ پر متفق ہو جائے اور صرف اہل الزرقاء اتفاق نہ کریں۔ جب بھی میں ان سے اپنی امارت و خلافت منوانے کے لیے جنگ نہیں کروں گا تو میری امارت اجتماعی اتفاق پر ہی قائم ہو سکتی ہے۔

ہمارے ساتھ مدینہ میں جو کچھ پیش آیا اس سے بھاگ کر ہم مکہ چلے آئے۔ لیکن یہاں عبداللہ ابن الزبیر نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ـــــــ اُنھوں نے دباؤ ڈالا کہ میں ان کی بیعت کر لوں۔ میں نے اس سے بھی یہی بات کہی کہ جب تک تمام لوگ آپ کی خلافت پر متفق نہیں ہو جاتے میں بیعت نہیں کروں گا ـــــــ جب تمام مسلمانوں کا آپ پر اتفاق ہو جائے گا

میں بھی ان میں سے ایک ہوں گا ——— اُنھوں نے سختیاں کیں ۔ پھر آپ نے مجھے خط لکھ کر مجھے اپنے علاقہ میں بلایا جب ہم آگئے تو آپ نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا جس سے مجھے فی الحال انکار ہے ———

اب رہی یہ بات کہ آپ کی حدود مملکت سے باہر نکل جائیں ——— تو بس ہم انشاء اللہ یہاں سے نکل جائیں گے ——— مگر شرط یہ ہے کہ میرے ساتھیوں کو امن دیا جائے ——— عبد الملک نے یہ درخواست منظور کر لی ——— اور اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ طائف چلے گئے ۔

موقف کے مطابق عمل

عبد الملک نے جب اپنے یہاں بُلا کر ان سے وہی مطالبہ کیا اور عدم تعمیل کی صورت میں اپنی حدود مملکت سے نکل جانے کا حکم صادر کیا تو اس موقعہ پر بھی وہ اپنے مُوقف پر ڈٹے رہے ، اور اپنے تمام لوگوں کی ہمراہی میں جن میں حضرت عبد اللہ بن عباس بھی تھے ۔ طائف چلے آئے ——— یہاں حضرت ابن عباس کا انتقال ہو گیا اور اس طرح وہ اپنے بڑے اور ہمدرد سے محروم ہو گئے ——— ابھی وہ طائف ہی میں تھے کہ حجاج نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور ابن الزبیر کا محاصرہ کر لیا ۔ اس موقعہ پر ابن الحنفیہ طائف سے چل کر شعب ابی طالب آگئے ——— یہاں حجاج نے ان کو آگھیرا ۔ اور عبد الملک بن مروان کی بیعت کا مطالبہ کیا مگر اُنھوں نے اس سے بھی انکار کیا ۔ اور اس کے ہاتھوں ستائے گئے پھر جب

عبداللہ بن الزبیر حجاج کے مقابلہ میں شہید ہو گئے اور خلافت کا دعویدار تنہا عبدالملک بن مروان رہا تو انھوں نے اس کی بیعت کر لی اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان ایک عرصہ سے قائم جنگ کا خاتمہ ہو گیا

ضروری اضافہ

محمد بن حنیفہ کے کارنامہ ہائے حیات بیان کرنے کے سلسلے میں مختار بن عبید الثقفی کا نام بار بار آیا اور اس کی ایک تحریک کا بھی ذکر آیا ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختار کے بارے میں بھی کچھ مختصر سی باتیں بیان کر دی جائیں لیکن مختار اور اس کی دعوت کو پیش کرنے سے پہلے اس پس منظر کا بیان کر دینا زیادہ ضروری ہے۔ جس کی وجہ سے مختار بن عبید الثقفی کو منظرِ عام پر آنے میں آسانی ہوئی۔

مختار بن عبید الثقفی

۱۔ اس سلسلے میں انتہائی اختصار کے ساتھ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال کے وقت بلادِ اسلامیہ میں کم از کم تین ہستیاں ایسی ضرور موجود تھیں جو نہ صرف یہ کہ خلافت کی حقدار سمجھی جا سکتی تھیں بلکہ اس مملکت کو صحیح طور پر علی منہاج خلافت راشدہ چلا بھی سکتی تھیں اور جن پر مسلمانوں کا کامل اتفاق بھی ہو سکتا تھا۔ ان میں ایک تو حضرت امام حسینؓ تھے۔ دوسرے عبداللہ بن عمرؓ

اور تیسرے عبد اللہ بن الزبیر تھے ـــــ لیکن حالات اور بخت و اتفاق سے ایسا نہ ہو سکا۔ اور خلافت کی باگ ڈور یزید ابن معاویہؓ کے ہاتھ میں چلی گئی ـــــ لیکن بخت و اتفاق کا یہ کھیل پوری ملت اسلامیہ کو بڑا ہی مہنگا پڑا ـــــ یزید خود بھی اور دوسرے تمام ارباب حل وعقد اور صاحب فہم و فراست اس کو سمجھتے تھے کہ یہ لوگ یزید سے بہر حال بہتر ہیں۔ یزید بھی چونکہ اپنے مقابلے میں ان کی برتری کو سمجھتا تھا اس لیے اقتدار سنبھالتے ہی اس نے جو سب سے پہلے حکم اپنے عمال کو دیا وہ یہی تھا کہ وہ ان تینوں سے اس کے لیے جلد سے جلد بیعت لے لیں۔ امام حسینؓ نے بیعت سے انکار کر دیا اور سانحۂ کربلا پیش آیا۔ عبد اللہ ابن الزبیر نے اس کی بیعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالنے سے انکار کیا اور برسرپیکار ہوئے۔ ملک کے ایک بڑے حصّہ پر قبضہ کر لیا اور ایک سلطنت کے مالک بن گئے، بالآخر وہ بھی عبد الملک بن مروان کے زمانے میں حجاج کے ہاتھوں جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے ـــــ البتہ عبد اللہ ابن عمرؓ کے انکار کو بے ضرر سمجھا گیا اور وہ بلا تعرض ہر دور میں اپنی زندگی گزارتے رہے عمال نے ان کو دق کیا، کئی مرتبہ دو ستائے بھی گئے مگر سیاست سے علیحدہ رہنے کی وجہ سے بیعت کے لیے سختی سے مجبور نہیں کیے گئے۔

یزید کی ذات اور اس کی صفات چونکہ لوگوں کی نگاہ میں قابل اعتراض تھی اس لیے امارت کے لیے اس کی نامزدگی اور انتخاب پر بھی ملک

میں ایک عام ناراضگی پائی جاتی تھی۔

اختلاف، نفاق اور شکست نے ایک تازہ مملکت کو جس پر ابھی نصف صدی بھی نہیں گزر پائی تھی، بدامنی میں مبتلا کر دیا تھا اور اس کے خلاف اندرونِ ملک سازشوں کا وسیع جال سا بچھ گیا۔ اور یہ کیفیت تقریباً بیس سال کے عرصہ تک قائم رہی۔

۲۔ سانحۂ کربلا کے بعد ملک میں کم از کم بیس سال تک جو معرکہ ہائے جنگ و قتال ہوتے رہے ان میں ابو بلال ابن مرداس کی بغاوت سے لے کر عبداللہ ابن الزبیر کی متوازی حکومت کے قیام اور جنگ اقتدار تک بیسوں جنگیں ہوئیں، متعدد فتنے اٹھے اور فساد مرج دریا کی طرح بلاد اسلامیہ میں تلاطم پیدا کرتے رہے جن میں چند ایک قابلِ ذکر ہیں:

ابو بلال خارجی تحریک کا قائد تھا۔ اس نے اپنے گرد بھاری جمعیت اکٹھی کر لی تھی۔ یہ ایک عرصہ تک اموی خلافت اور عبداللہ ابن الزبیر کی حکومت سے برسرِ پیکار رہا۔ اس کی بغاوت نے ملک میں بدامنی کی ایسی فضا پیدا کر دی کہ گھروں سے لوگوں کا نکلنا مشکل ہو گیا۔ متعدد مقامات پر جنگیں ہوئیں اور ان جنگوں میں ہزاروں افراد کام آئے۔

نجدہ بن عامر النخعی نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یمامہ میں اپنی حکومت قائم کر لی اور اس کو وسعت دینے کے لیے کئی جنگیں کیں۔ ان میں بے شمار آدمی ہلاک و تباہ ہوئے۔

۳۔ عبداللہ ابن حنظلہ غسیل الملائکہ نے یزید کے خلاف مدینہ میں

علم بغاوت بلند کیا اور ان کے ایک ساتھی نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ یزید ایک ایسا حکمران ہے جس کا کوئی دین ایمان نہیں ہے، وہ شراب پیتا ہے، طنبورہ بجاتا ہے، مغنی و مطرب اس کے پاس بیٹھے گاتے بجاتے رہتے ہیں، وہ کتوں سے کھیلتا رہتا ہے اور رات میں بدمعاش اس کے پاس جمع ہو کر غپ شپ کیا کرتے ہیں۔ ہم تمہارے سامنے گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اسے خلافت کا سے علیحدہ کر دیا ہے"

اس تقریر کی تائید کرتے ہوئے خود عبداللہ ابن حنظلہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے پاس آیا ہوں کہ اگر میرے ساتھ یہ لڑکے نہ ہوتے تو اس کی بری صفات کی وجہ سے میں اس سے ضرور "جہاد" کرتا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو اس نے بلاشبہ ہماری عزت کی اور بڑے تکریم و احترام سے پیش آیا اور ہمارے دوسرے تمام ساتھیوں کو جن میں عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص، ابن مغیرہ مخزومی، منذر ابن زبیر اور دوسرے تمام لوگوں کی خاطر مدارات کی اور انعامات دیئے ——— لیکن اس کے اس تمام تر سلوک کے باوجود ہم اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اس کے انعامات کو ہم نے محض اس لیے قبول کر لیا تاکہ اس سے اپنی خوراک اور ضروریات حاصل کر سکیں۔

——— یہ سن کر پورا مجمع یزید کے خلاف ہو گیا، اور تمام حاضرین نے یزید کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن حنظلہؓ سے بیعت کر لی اور ان کو اپنا والی بنا لیا ——— اور پھر یزید کی طرف سے مقرر کردہ

عامل مدینہ عثمان ابن محمد ابن ابی سفیان کو مدینہ سے نہ صرف یہ کہ نکال باہر کیا بلکہ مدینہ میں موجود تمام بنو امیہ اور اُن کے موالی جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی ایک جگہ محصور کر دیا۔ اس صورتِ حال کی جب یزید کو اطلاع ہوئی تو اُس نے اس ہنگامے کو فرو کرنے اور صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے شامیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ مدینہ بھیجا۔ جہاں شدید جنگ ہوئی اور عبید اللہ ابن حنظلہؓ نے اپنے تمام بیٹوں کو اس جنگ میں قتل کرانے کے بعد خود بھی موت کا مزہ چکھ لیا۔ مسلمانوں کے درمیان لڑی جانے والی یہ جنگ جنگِ حرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ ۶۳ھ میں ذی قعدہ کے مہینے میں ہوئی تھی۔

(۴) مدینہ کی اس بردباری کے بعد یزید کی فوج کے دوسرے سربراہ حصین ابن نمیر، عبداللہ ابن زبیر سے جنھوں نے مکہ میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ نمٹنے کے لیے زبردست فوج لے کر مکہ پہنچا۔ جہاں یزید کی موت تک طرفین برسرِ پیکار رہے، اس جنگ میں ایسے آتشیں اسلحہ بھی استعمال کیے گئے جس سے خانہ کعبہ کے غلاف میں آگ لگ گئی اور غلاف کعبہ جل گیا حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور اُموی حکومت کے درمیان اس طرح کی متعدد جنگیں ہوئیں اور جنگوں کا یہ سلسلہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ۷۳ھ تک جاری رہا۔

۵۔ ابن زیاد جو یزید کی قوت و بازو تھا، وہ خود بھی ایک موقع پر حالات کے طمع میں گرفتار ہو کر شام میں بغاوت کر بیٹھا اور لوگوں سے اپنی بیعت

لینا شروع کردی۔ لیکن قاتل حسینؓ ہونے کی وجہ سے چونکہ لوگ اس کے بہت خلاف تھے اس لیے بڑی فوجی قوت کے باوجود اس کا ساتھ نہ دے سکے اور اس طرح اس کی طالع آزمائی جہاں سے اُٹھی تھی وہیں پر بھسم ہو کر رہ گئی۔

۶۔ رے کے مشرکین جو مسلمانوں کے باجگذار تھے مسلمانوں کو آپس کی جنگ میں اُلجھا دیکھ کر شیر ہو گئے اور خراج دینا بند کر دیا اور دوسری شرارتیں بھی کرنے لگے۔ امیر کوفہ نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک بڑا فوجی دستہ بھیجا لیکن سرکاری فوج شکست کھا گئی۔ دوسری مرتبہ اس سے بڑی فوج بھیجی گئی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں رے کا سردار فرخان الرازی مارا گیا اور علاقہ پر اُموی پھریرا پھر لہرانے لگا۔

۷۔ زیادہ تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے اس لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ ان جنگوں اور خانہ بربادیوں کے علاوہ نیشاپور، مدائن، خراسان ہرات اور دوسرے علاقوں میں چھوٹی بڑی بغاوتیں اُبھرتی اور دبتی رہیں فتنے اُٹھتے اور مٹتے رہے۔ ہر جگہ جنگیں ہوئیں۔ ہر موقعہ پر تلواریں چلیں اور ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں انسان موت کی نیند سوتے رہے۔ مہلک جنگی ہتھیاروں کی عدم تخلیق کے باوجود ایک ایک دن ایک ایک جنگ میں ایک ایک طرف کے آٹھ آٹھ اور دس دس ہزار آدمی مارے گئے۔

للّٰہیت کی مہر

حالات کی ستم ظریفی دیکھیے، ——— ایک دو کو استثناء کر کے اگر دیکھا جائے تو ہر جنگ جنگِ اقتدار تھی۔ لیکن زبان و بیان کے کمال سے ہر جنگ للّٰہیت کی جنگ، اور حق کی جنگ کہلا رہی تھی اور معصوم عوام رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اس میں شریک ہو رہے تھے۔ تمام جنگوں کی وجہ دراصل مرکزی کمزوری تھی اور مرکزی حکومت کے کمزور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مرکزی قیادت ایک ایسے شخص کے سپرد کر دی گئی تھی جس کو مسلمان دل سے پسند نہیں کرتے تھے۔ اور اُس نے اپنے عدم شعور اور عدم تدبر کی وجہ سے معرکۂ کربلا بپا کر کے عامۃ المسلمین کو کرب و بلا میں مبتلا کر دیا تھا۔ تفرقوں کی ایسی فضا میں فتنے اور فساد ہی سر اُٹھا سکتے ہیں۔ سو انھوں نے سر اُٹھائے۔ طالع آزما شخصیتیں اُبھریں، حوصلہ مند لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے، اور جس کو جتنا زیادہ سرِ اقتدار کی فصیل پر بھینٹ چڑھانے کے لیے مل سکے، اُمیدیں لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح ہر طرف بدامنی کا دور دورہ ہو گیا۔

ایک طرف تو اس طرح کی کھلی بغاوتیں ما دری تھیں اور دوسری طرف خفیہ سازشیں بھی تیار کی جا رہی تھیں۔ اس سازش میں لوگوں کو یہ کہہ کر شامل کیا جا رہا تھا کہ ہم شہادت حسینؓ کا بدلہ لیں گے ——— حالات کا یہی پس منظر تھا جس میں مختار بن عبید الثقفی منظرِ عام پر آیا۔

مختار کا ظہور

مختار بن عبید الثقفی ایک انتہائی ذہین، بے حد چالاک، بڑا بہادر، حوصلہ مند طالع آزما، اچھا مقرر اور زیرک انسان تھا۔ حالات سے باخبر ہونے کی وجہ سے اس کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان ابن صرد الخزاعیؓ مسیب ابن نجبۃ الفزاری، عبداللہ بن سعد، عبداللہ ابن وال التیمی، اور رفاعہ بن شداد البجلی جیسے ممتاز لوگ ایک ایسی انجمن بنا چکے ہیں جو نہ صرف یہ کہ قاتلان امام حسینؓ کے خون کا بدلہ لینے کے آرزومند ہیں بلکہ ملک پر قابض ہونے کا داعیہ بھی رکھتے ہیں۔ اس کے لیے وہ خفیہ تدبیریں بھی کر رہے ہیں اور اسلحے بھی جمع کر رہے ہیں اور جب ان کے پاس بھاری جمعیت اکٹھی ہو جائے گی۔ موقعہ پر خروج کرنے کا عزم صمیم بھی رکھتے ہیں ——— اس قدر ساز گار ہو گئے کہ بالآخر ۶۴ھ کو مروان ابن الحکم کے دورِ حکومت میں ان لوگوں نے خروج کیا لیکن نتیجہ گرچہ ان کے حق میں تو بہتر نہ نکلا البتہ مختار کے لیے یہ صورتِ حال ساز گار ہو گئی۔ مختار نے اپنے ہمنوا اور اس ہزیمت خوردہ لوگوں کی جمیعت۔ اپنے گرد یہ کہہ کر جمع کر لی کہ یہ بزدل لوگ اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے۔

مختار جو تمام حالات سے باخبر تھا اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں تھا۔ اور ماضی بھی اس کا گواہ تھا کہ وہ حضرت امام حسینؓ کا طرفدار تھا اور ان کی حمایت ہی کی وجہ سے جیل میں محبوس بھی رہ چکا تھا، اور ان کی شہادت تک وہ محبوس ہی رہا تھا۔ اس لیے ۶۴ھ میں جب وہ اپنے مشن پر

کوفہ پہنچا۔ اور آتے ہی اُس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ میں مہدی یعنی محمد ابن الحنفیہ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمھاری طرف آیا ہوں اور قاتلانِ امام حسین کا بدلہ لینے کا داعیہ لے کر اُٹھا ہوں تو لوگ اس کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اور جلد ہی ایک بڑی تعداد اس کو فراہم ہو گئی۔ پھر تمام ضروری انتظامات کر لینے کے بعد اُس نے یہ طے کیا کہ ۱۴ ربیع الاوّل بروز پنجشنبہ خروج کر کے اوّل والیٔ کوفہ کو گرفتار کر لیا جائے پھر تمام کوفہ پر قبضہ جما لیا جائے۔ لیکن حکومت کے بروقت چوکنا ہو جانے اور عملی اقدام کر لینے کی وجہ سے اس بغاوت کا آغاز ایک دن پہلے ہی ہو گیا۔ مختار کے حامیوں اور سرکاری فوج کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی اور اس جنگ میں مختار کی فوج کے سالار عبد اللہ بن الاشتر کو کامیابی ہوئی۔ اُنھوں نے والیٔ کوفہ کو گرفتار کر کے کوفہ پر اپنی حکومت قائم کر لی۔

مختار کو کوفے کے خزانہ سے نو کروڑ درہم ملے جس کو اُس نے تمام فوجیوں میں تقسیم کر دیا۔ کوفے کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد مختار نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مختلف علاقوں میں اپنی فوجیں روانہ کیں۔ مثلاً عبد اللہ بن الحارث جو اشتر کے بھائی تھے کو سپہ سالار بنا کر آرمینیا بھیجا۔ عمر بن عطارد کو آذربائیجان روانہ کیا۔ عبد الرحمٰن بن سعید بن قیس کو موصل۔ اسحاق بن مسعود کو مدائن، سعید بن حذیفہ بن ہمان کو حلوان اور دوسرے کئی فوجی دستے دیگر علاقوں میں بھیجے۔

مختار کی فوج نے کئی بڑے معرکے سر کیے اور تھوڑے ہی عرصہ میں

سنہ ۶۶ھ کو احاطہ کی جنگ میں کامیابی کے بعد اُس نے کوفہ میں موجود تمام قاتلانِ حسین کو قتل کرا دیا۔ اس موقعہ پر مختار کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مختار نے کہا کہ قاتلانِ حسینؓ کو تلاش کر کے میرے سامنے لاؤ۔ بخدا جب تک میں اس شہر اور زمین کو ناپاک اجسام سے پاک نہ کر دوں گا مجھے کھانا اور پینا بھی بھلا معلوم نہیں ہوتا ـــــــ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق دور و نزدیک سے تقریبًا وہ تمام لوگ یکے بعد دیگرے پکڑوا کر لائے گئے جن پر ذرّہ بھر بھی شبہ تھا کہ وہ اس سانحہ میں کسی حیثیت سے بھی شریک تھے۔ قادسیہ سے عبداللہ بن اسید، مالک بن النسیر اور حمل بن مالک المحاربی گرفتار کر کے لائے گئے اور ان کو تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ بنی سبیع سے زیاد بن مالک۔ بنی عنز سے عمران بن خالد اور ایک جگہ سے عبدالرحمٰن بن شکارہ اور عبداللہ بن قیس الخولانی گرفتار کر کے مختار کے پیش کیے گئے، ان سب کو سر بازار قتل کر دیا گیا۔ اسی صورت سے عثمان بن خالد اور اسما بن سوط القاضی کو قتل کر کے ان دونوں کی لاشیں جلا کر خاکستر کر دی گئیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک تن سے جدا کرنے والے خولی بن یزید الاصبحی کو اس کے گھر میں اس کی بیوی کی مدد سے گرفتار کر کے لایا گیا اور اس کے تمام گھر والوں کے سامنے اس کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔ اور جب تک اس کی لاش جل کر راکھ نہ بن گئی مختار وہاں ٹھہرا رہا ـــــــ پھر عمرو بن سعد ابن ابی وقاص اور اُن کے بیٹے کو قتل کرایا۔ پہلے باپ کو قتل کرایا اس کے بعد بیٹے کو اور دونوں کے سر کو یکجا پھنکوا دیا۔ غرضیکہ مختار سے جس قدر بھی ہو سکا قتل حسین میں

ملوث لوگوں کے خون سے انتقام کی آگ بجھاتا رہا۔

مختار کے دست راست اور فوج کے سپہ سالار اعظم ابراہیم بن الاشتر اس عرصے میں مختلف شہروں اور علاقوں کو فتح کرتے رہے۔ کوفہ، بصرہ اور دوسرے بہت سے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد موصل کی طرف یہ فوج روانہ ہوئی اور یہاں مروانی فوج سے گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں عبید اللہ بن زیاد مارا گیا اور پورے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا۔

اسی سال ۱۲ ذی الحجہ کو ابراہیم ابن اشتر کو مختار نے عبید اللہ ابن زیاد سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس جنگ کے لیے اس نے بڑا اہتمام کیا تھا۔ گرچہ جنگ سبیع سے فارغ ہوئے ابھی دو دن ہی ہوئے تھے تاہم مختار نے بھاری فوج جمع کر لی تھی، جس میں زبردست شہسوار، سردار، اہل بصیرت اور کار آزمودہ لوگ تھے، خود مختار اس فوج کے ساتھ بہت دور تک گیا۔ جب وہ دیر عبد الرحمٰن ابن ام الحکم پر پہنچا تو اسے اپنے ہمنواؤں کی ایک بڑی تعداد استقبال کرتی ہوئی ملی؛ اس گروہ میں ایک اشہب رنگ کے خچر پر ایک کرسی رکھی ہوئی تھی جس کے گرد کھڑے ہو کر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اسی مقام پر مختار نے ابراہیم بن اشتر کو چند ضروری ہدایات دیں اور ان کو آگے روانہ کر دیا۔

کرسی (یا سکینہ تابوت)

یہ کرسی کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ اس کی تفصیلات میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ تاہم خود ابراہیم بن الاشتر اس کرسی کے متعلق کہتے ہیں کہ جب میں مختار بن عابد سے رخصت ہو کر آگے بڑھا اور کرسی والوں کے پاس پہنچا جو بیٹھے ہوئے اس کے وسیلے سے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے تھے ــــــ مجھے بہت کراہت اور ناگواری معلوم ہوئی۔ اور ہم نے کہا یا اللہ تو ہم کو ہمارے سفہاء الناس یعنی احمقوں کی حماقتوں پر نہ پکڑ ان کے ان اعمال کا ذمّہ دار ہم کو نہ ٹھہرا اور ان کی وجہ سے ہماری گرفت نہ کر یہ بنو اسرائیل کی سنت ہے، خدا کی قسم یہ صریح گمراہی کی بات ہے۔ یہ سُن کر کرسی والے یہاں سے چلے گئے اور ہم نے اپنا راستہ لیا

اس کرسی کے متعلق اعشیٰ ہمدانی کا شعر ہے

"میں گواہ ہوں کہ تم سب سبائی مذہب کے ہو۔ اور اے شرک کے چوکیدارو میں تم سے خوب واقف ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوت سکینہ نہیں ہے گو کہ اس پر کئی کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور گو کہ شبام اور خارف اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں"

متوکل اللیثی کا قول ہے:

"ان لوگوں کی آنکھیں اس کرسی کے گرد سُرخ رہتی ہیں۔ حالانکہ

وہ آنکھیں تیکھی اور فتنہ انگیز ہیں۔

کرسی کی حقیقت

اپنے گرد لوگوں کو جمع رکھنے اور اپنے مقابل فریق سے جی کھول کر لوگوں کو لڑانے کے لیے مختار نے جہاں محمد بن حنفیہ کا نام استعمال کیا وہاں ایک شاطرانہ چال یہ چلی کہ ایک معمولی سی کرسی کے متعلق یہ خبر پھیلا دی کہ یہ وہ کرسی ہے جس پر حضرت علیؓ بیٹھا کرتے تھے اور اس کرسی میں بڑی بڑی تاثیر ہیں۔ اس کے وسیلے سے دعائیں سنی جاتی ہیں اور جنگوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے یہ کرسی جس کے پاس ہوتی ہے حق اُس کے پاس ہوتا ہے۔

یہ کرسی مختار کو جنھوں نے فراہم کی ان کا نام طفیل بن جعدہ بن ہبیرہ ہے۔ اور طفیل حضرت اُمّ ہانی ہمشیرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن مختار نے ہم سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت علیؓ جس کرسی پر بیٹھا کرتے تھے، وہ کرسی تمھارے پاس ہے۔ تم وہ کرسی مجھے لا کر دے دو۔ میرے پاس چونکہ وہ کرسی نہیں تھی اس لیے میں نے انکار کر دیا۔ مختار نے کہا "مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ تم تلاش کر کے کہیں سے وہ کرسی لا کر مجھے دو۔ وہ کہتے ہیں کہ جس زمانے میں مختار نے کرسی کی مجھ سے فرمائش کی تھی اس وقت میں سخت بدحالی اور مالی پریشانیوں میں مبتلا تھا۔ اتفاق کی بات کہ مختار کی فرمائش کیے ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ حسنِ اتفاق سے میں نے اپنے ایک ہمسایہ روغن فروش کے یہاں

ایک کرسی دیکھی جس پر تیل کا گھرا میل جما ہوا تھا ـــــــ اس کرسی کو دیکھ کر مجھے معاً مختار کی فرمائش یاد آگئی اور میں نے فوراً ایک منصوبہ بنایا اور مختار کے پاس پہنچ گیا اور اُس سے جا کر کہا کہ وہ کرسی مل گئی ہے ابو جعدہ (طفیل کے دادا) اُس پر بیٹھا کرتے تھے اور اس کرسی پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اثر ہے۔ یہ سُن کر مختار خوشی سے اُچھل پڑا اور کہا کہ اس کرسی کو جلد سے جلد میرے پاس بھیج دو ـــــــ چنانچہ میں نے گھر آکر پہلے ہمسایہ سے کرسی حاصل کی اور اس کو خوب دھو کر ایسا صاف کر دیا کہ کی لکڑی صاف نظر آنے لگی۔ پھر غلاف چڑھا کر اس پر خوب اچھی طرح خوشبو مل دیا اور مختار کے پاس لے آیا۔ اُس نے یہ کرسی لے لی اور مجھے بارہ ہزار درہم بطور انعام دیا ـــــــ

مختار نے اس کے بعد لوگوں کو جمع کرنے کے لیئے تکبیر اقامت کہی، جس پر لوگ جمع ہو گئے، جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو مختار کھڑا ہوا اور اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ اقوام میں کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جو آج کل اس اُمت میں بھی موجود نہ ہو۔ تو لوگو سن لو جس طرح بنو اسرائیل کے پاس تابوت تھا اسی طرح ہمارے پاس یہ کرسی ہے۔ اس کے بعد اس نے اسے کھول دیا۔ ابن سباء کے متبعین (سبائی) فوراً کھڑے ہو گئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا ـــــــ

طفیل بن جعدہ بن ہبیرہ کہتے ہیں کہ اس کرسی نے لوگوں کو سخت فتنے میں مبتلا کر دیا ـــــــ مختار نے جب ابن زیاد سے براہِ راست جنگ کے

لیے اپنی فوج بھیجی تو ایک خچر پر اس کو بھی لاد کر فوج کے ساتھ کر دیا۔
اس جنگ میں مختار کی فوج کو زبردست کامیابی ہوئی۔ لوگ اس کرسی کو مقدس اور بابرکت سمجھ کر اس کے سائے میں ابن زیاد کی فوج سے جی کھول کر لڑے تھے اور اہل شام کو بری طرح مارا تھا ـــــ جنگ میں اس کامیابی نے مختار کے ساتھیوں کے عقیدے کو اور خراب کر دیا اور وہ اس کرسی کی عظمت اور برکت کے بارے میں ان کے خیالات و عقائد کفر کی حد تک پہنچ گئے ـــــ طفیل ابن جعدہ کہتے ہیں یہ دیکھ کر مجھے سخت ندامت ہوئی اور میں اپنے کیے پر پچھتانے لگا اور تلافی مافات کے لیے میں نے خود اور دوسرے لوگوں نے اس کرسی کی مذمت شروع کر دی۔ لیکن مختار تو اس سے فائدہ اٹھا چکا تھا اور بہت سے دل کفر کے اندھیروں میں ڈوب چکے تھے۔

ابن زیاد کا قتل

ابراہیم ابن اشتر کوفہ سے بڑی تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے اور مختار کی ہدایت کے مطابق وہ ابن زیاد کے عراق میں داخل ہونے سے پہلے اس کی سرحد پر جانا چاہتے تھے لیکن ایسا تو نہ ہو سکا۔ ابن زیاد پہلے موصل پہنچ گیا۔ مختلف مقامات پر متعدد جنگیں ہوئیں۔ آخر میں نہر خازر کے کنارے گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں ابن زیاد مارا گیا ـــــ پھر فاتح فوج نے نصیبین، سنجارہ، دارا اور سرزمین جزیرہ کے تمام علاقوں کو لینے ماتحت

کرلیا۔

ابن زیاد کا سر اور سانپ

عبداللہ ابن اشتر نے ابن زیاد اور اُس جنگ میں مارے جانے والے دوسرے روؤسا کے سروں کو مختار کے پاس بھیج دیا۔ مختار نے ان سروں کو قصر میں ایک جگہ ڈلوادیا ـــــــ اس سلسلے میں مشہور واقعہ یہ بیان کیاجاتاہے اور جامع ترمذی میں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ جب ان سروں کو قصر میں ڈالا گیا تو کسی طرف سے ایک پتلا سا سانپ آیا جس نے گھوم گھوکر سروں کو دیکھا پھر عبداللہ بن زیاد کے منہ میں داخل ہوکر ناک کے نتھنے سے، اور ناک سے داخل ہوکر منہ سے نکلا اور کئی مرتبہ ایسا ہی کیا ـــــــ

مختار کا قتل

کہاجاتاہے کہ کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختار کی فوج نے کوفہ کو بُری طرح پامال کردیا۔ جن کو پایا قتل کردیا۔ کسی کی کوئی داد وفریاد نہ تھی۔ آہ وفغاں پر کان نہ دھرا ـــــــ تو کوفہ کے بہت سے لوگ بھاگ کر بصرہ پہنچے۔ بھائی مصعب ابن زبیر تھے ـــــــ کوفہ سے بھاگ کر آنے والوں میں شیث بن ربعی، محمد بن اشعث اور دوسرے متعدد سربرآوردہ اشخاص تھے۔ اُنھوں نے مصعب بن زبیر سے اپنی ساری داستانِ غم سنائی اور کہا کہ ہمارے ہی غلام اور آزاد غلام ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ اب آپ ہماری اعانت کیجئے اور

ہمارے ساتھ مختار پر فوج کشی کیجئے۔

مصعب نے غور و فکر کے بعد مختار کے خلاف قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ پھر اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو جمع کر کے کوفہ پر حملہ کرنے کے لیے اس کو آمادہ کیا۔ لیکن اس موقعہ پر محمد بن اشعث نے یہ رائے دی کہ مہلب کو پورے سازوسامان کے ساتھ بلا لیا جائے۔ مہلب مصعب کی طرف سے اس وقت فارس کے گورنر تھے، یہ رائے معقول قرار دی گئی اور کوفہ پر حملہ کے لیے مہلب کا انتظار کیا گیا۔ مہلب ایک زبردست جمعیت، بہت سے روپے اور سازوسامان کے ساتھ چند دنوں کے اندر بصرہ پہنچ گئے۔ اور پھر پوری جمعیت کے ساتھ کوفہ پر حملہ کے لیے بصرہ سے روانہ ہوئے۔

ادھر مختار کو جب اس حملہ کی اطلاع ملی تو اُس نے بھی تیاریاں کیں اور احمد بن شمیط کی کمان میں پہلا دستہ کوفہ سے آگے روانہ کیا۔ مذار پر طرفین کا مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں ابن شمیط کی بُری طرح پامال ہوئی اور خود ابن شمیط بھی مارا گیا۔ ابن شمیط کو شکست اور اس کی فوج کے تمام لوگوں کو قتل کرنے کے بعد مصعب بن زبیر مختار کے لیے آگے بڑھے اور کوفہ پر حملہ آور ہونے کے لیے برق رفتاری سے روانہ ہوئے، مختار کو جب ابن شمیط کی ہلاکت اور فوج کی بربادی کا علم ہوا تو وہ فوراً مصعب سے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا اور کوفہ کے آگے بڑھتا ہوا ام ورار کے مقام پر پہنچا تو اس کی مصعب بن زبیر کی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہاں کئی دنوں تک زبردست جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ میں مصعب بن زبیر کے کئی نامور لوگ جن میں محمد اشعث شامل ہیں

مارے گئے اور مختار اپنی جمعیّت کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ اور اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ کسی وقت ایک دستہ لے کر نکلتا اچانک شب خون مارتا یا حملہ کرتا اور پھر قَلعَہ میں محصور ہو جاتا ــــــ لیکن یہ صورتِ حال اس کے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں رہی کیونکہ مختار کے ساتھ تھوڑی سی تعداد کو قَلعَہ میں محصور دیکھ کر اس کے ساتھیوں میں کمزوری اور بُزدلی آتی گئی اور وہ رفتہ رفتہ چھپ چھپا کر قَلعَہ سے باہر نکل بھاگتے ــــــ مختار محاصرے کی طوالت اور اپنے ساتھیوں کی بُزدلی سے جب پریشان ہو گیا تو اُس نے ایک دن اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ اسے اچھّی طرح سمجھ لو کہ جس قدر محاصرہ طویل ہو گا تمھاری طاقت گھٹتی جائے گی اس لیے بہتر یہ ہے کہ میرے ساتھ کھلے میدان میں اُتر کر دشمنوں سے ایک فیصلہ کن لڑائی لڑ لو تاکہ عزّت سے ہم اپنی جانیں دے دیں۔ اگر تم لوگ بہادری سے لڑے تو مجھے اب بھی اپنی فتح کی اُمید ہے، مختار کے ساتھیوں نے اس کی بات کو قبول نہیں کیا۔ وہ سخت خوف زدہ تھے اور فرار کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں پر بُزدلی کے یہ آثار دیکھ کر اپنا آخری فیصلہ سُناتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم میں نہ تو کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کروں گا اور نہ خود کو دشمنوں کے سُپرد کروں گا ــــــ میں قَلعَہ سے باہر نکل کر دشمن سے آخری جنگ کروں گا۔

بیتے کی بات

مختار نے اپنے ساتھیوں کو اپنا یہ فیصلہ سُنانے کے بعد اپنی بیوی کے

پاس ایک قاصد بھیجا، اس نے بہت سی خوشبو بھیج دی۔ مختار نے ایک دن صبح کے وقت غسل کیا، اپنے سر اور داڑھی میں خوشبو لگائی اور کل اُنیس جاں نثاروں کے ساتھ جن میں سائب بن مالک الاشعری بھی تھا قلعہ سے نکلا۔

جب مختار قلعے سے نکلا تو سائب کی طرف متوجہ ہو کر بڑے ہی پتے کی بات کہی۔ اور حقیقت میں اس کے یہی آخری چند جملے اس زمانے کی تاریخ کا نچوڑ ہیں ــــــ ان چند قیمتی جملوں کے آئینے میں اس وقت کی تمام برسرِ پیکار طاقتوں، شخصیتوں اور صاحبِ عزم و حوصلہ لوگوں کی تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور خود مختار کو اہلِ بیت کے ساتھ جو اخلاص تھا اس کو سمجھا جا سکتا ہے۔

مختار نے سائب کو مخاطب کر کے کہا:

"سنو! اس جنگ میں اللہ کے ارادے کو شامل نہ کرو، ہر شخص اپنے حوصلے اور عزم کے مطابق کام کرتا ہے، نتائج کبھی موافق نکلتے ہیں کبھی ناموافق۔ میں نے بھی اپنے عزم اور حوصلے کے مطابق کام کیے بہت سے نتائج جد وجہد کے موافق کھلے اور کچھ ناموافق بھی نکل سکتے ہیں ــــــ سائب تم بالکل بے وقوف ہو ــــــ میں نے سارے کھیل عزم و حوصلہ کے کھیل کھیلے ہیں۔ کیونکہ میں بھی عرب ہوں ــــــ جب میں نے دیکھا کہ ابن زبیر نے حجاز پر قبضہ جما رکھا ہے۔ نجدہ نے یمامہ کو زیرِ نگیں کر لیا ہے اور مروان نے شام پر اپنا تسلط جما لیا ہے تو میں بھی

بحیثیت عرب ہونے کے ان سے کسی طرح کم نہ تھا اس لیے جن علاقوں پر ہمارا قابو چلا ان پر ہم نے اپنی فتح و کامرانی کا جھنڈا لہرایا۔ یہ کوئی قابلِ گرفت بات نہیں ہے، کیونکہ میں بھی انہی کے مثل تھا؛ بلکہ میری حیثیت ان سے کچھ ممتاز ہی رہی ہے۔ کیونکہ جب اہلِ بیت رسول کے خون کا بدلہ لینے کی طرف سے عربوں نے خوابِ خرگوش کی سی بے پرواہی برتی تو میں نے اس فرض کو بھی انجام دیا، اور جو لوگ اہلِ بیت کے قتل میں شریک تھے انھیں ان کے کیفرِ کردار کو پہنچایا۔"

یہ کہہ کر مختار آگے بڑھا اور دشمنوں سے کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس چلا آؤں تو کیا تم مجھے امان دو گے؟

مصعب کے ساتھیوں نے کہا کہ صرف اس شرط پر کہ تمہارا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔

مختار نے کہا کہ میں اپنی قسمت کی باگ کبھی بھی تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گا یہ کہا اور شمشیر زنی کرتا ہوا مارا گیا۔

باب سوم

تاریخ ساز شخصیت

تاریخ ہمیشہ اپنا فیصلہ آپ کرتی ہے ــــ وہ جب اپنا فیصلہ دے دیتی ہے، تب لوگ نتائج کی تاویلات کرنے لگ جاتے ہیں اور عمل اور پاداش عمل کے اسباب وعوامل کو ڈھونڈھنے کی کوششیں کرتے اور مضرات تلاش کرتے رہتے ہیں۔ تنقیص کے پہلو نکالتے اور تائید کے انبار لگاتے ہیں۔

ــــ محمد بن الحنفیہ نے تاریخ میں ایک باب کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی تاریخ حیات کو بعض لوگ امن پسندی کی تاریخ اور صلح کا پیغام سمجھتے ہیں، بعض لوگ اسے کم ہمتی اور حالات سے مایوسی کی تاریخ کہتے ہیں۔ لیکن تاریخی حقائق جس بات کی نشان دہی کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ تاریخ نہیں بلکہ تاریخ ساز شخصیت تھی ــــ وہ طالع آزما نہیں بلکہ صبر آزما جوہر انسانیت تھے ــــ وہ دور اندیش بھی تھے اور معاملہ فہم بھی۔

وہ اسلام کے مطالبات کو بھی جانتے تھے اور قومی مزاج کے اندر جو بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اس پر بھی ان کی نگاہ تھی ــــ وہ اپنے حق کو اگر پہچانتے تھے تو حق تلفیوں پر کمر بستہ لوگوں کے ذہنی افتاد سے

بھی واقف تھے ——— وہ اسباب پر نگاہ کم مسبب الاسباب پر نگاہ زیادہ رکھتے تھے، ان کی توقعات لوگوں سے قائم نہیں تھیں بلکہ تمام لوگوں کے ربِّ حقیقی کے ساتھ تھیں ——— شہادتِ حسین کے بعد خاندانِ نبوت سے قریب تر ہونے کی وجہ سے وہ خلافت کا اصلی حق دار اپنے کو سمجھتے تھے۔ تاہم وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے نہ تو خون کی ندیاں پار کرنا پسند کرتے تھے اور نہ فساد بین المسلمین کی بڑھتی ہوئی آگ کو مزید دھکانا ان کو گوارا تھا ———

وہ یہ تو چاہتے تھے کہ ان کے خاندان کی بربادی کے ذمّہ دار پکڑے اور کیفرِ کردار کو پہنچائے جائیں۔ لیکن ان کی یہ خواہش خدا ترسی کے محاصرے سے نکلنے کی جرأت اپنے اندر نہیں رکھتی تھی ——— مختار ان کے نام پر جو کچھ کر رہا تھا ان کو یقیناً پسند نہیں تھا۔ لیکن مختار سے اعلان برأت کر کے داؤ پر لگی ہوئی بازی کو بساطِ سیاست پر شہ مات دینے کے بھی وہ قائل نہ تھے کیونکہ دو قوتوں کی کشاکش میں اگر تیسری قوت کو وہ اپنی ڈھال نہ بناتے تو دو چکیوں کے پاٹ میں پڑے ہوئے دانے کی طرح پس جاتے، کسی شخص کے سخت موقف کی پشت پر اگر قوت نہ ہو تو پھر اس کے لیے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔ عزت کی موت یا ذلت و رسوائی کی زندگی ——— موت کو زندگی پر ہر حال میں ترجیح دینا غلط ہے۔

——— مظلومیت کی بے غیرتی ظالم کے ظلم سے بھی زیادہ بری شے ہوتی ہے

ابن الحنفیہ کی دور اندیشی

حضرت امیر معاویہؓ انتقال فرما گئے ـــــــ اور عنانِ حکومت یزید کے ہاتھ میں آگئی ـــــــ یزید اپنے باپ کا نامزد خلیفہ تھا۔ باپ کے بعد بیٹے میں خلافت کی منتقلی مسلمانوں کے لیے ایک انوکھی چیز۔ اور ایک نیا تجربہ تھا۔ اس لیے اتفاق اور یک جہتی کی وہ رُوح بھی مفقود تھی جو ایک دینی سربراہِ مملکت کے انتخاب کے وقت ہونی چاہیئے تھی ـــــــ اور ملک کے اندر کئی ہستیاں ایسی موجود تھیں جو اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس سے بہتر، اپنے علم و تقویٰ کے اعتبار سے بھی اس سے اعلیٰ دارفع اور اپنے فہم و تدبّر کے لحاظ سے بھی ممتاز و ممیز تھیں۔ نیز۔ اپنی ذاتی شخصیت اور مقبولیت کے لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل اور اپنے کردار اور خصائل کے اعتبار سے بھی ان کو اچھی شہرت حاصل تھی ـــــــ ان میں سرِ فہرست حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابن زبیرؓ کے نام ہیں۔ جو لوگ مدینہ میں مقیم تھے، اور یہاں کے گورنر ولید عتبہ ابن ابی سفیان تھے ـــــــ یزید کو ان کی طرف سے پورا خدشہ تھا اس لیے اس نے فوری طور پر اسی مسئلہ کی طرف توجّہ دی اور مدینہ کے گورنر ولید کو سب سے پہلے ایک خط لکھا جس میں حضرت امیر معاویہؓ کے رحلت فرما جانے کی اطلاع دی اور اس سے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا خط لکھا جس میں یہ ہدایت تھی کہ حسینؓ بن علیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور ابنِ زبیرؓ کو جکڑ لو۔ اور

جب تک یہ لوگ ہماری بیعت نہ کرلیں ہرگز نہ چھوڑو۔

یہ بڑا سنجیدہ مسئلہ تھا ـــــــــ یزید نے یہ ہدایت جس سہولت سے دی تھی گورنر کا اس پر عمل کرنا اتنا سہل نہ تھا ـــــــ اس لیے اس بارے میں مشورے کے لیے مروان بن حکم کو طلب کیا کیونکہ وہ ولید سے پہلے مدینہ کا گورنر رہ چکا تھا ـــــــ اس نے امام حسینؓ اور ابن زبیرؓ کے متعلق بڑی سخت رائے دی، اس نے کہا کہ آپ اُن کو اسی وقت یہاں طلب کریں اور اُن کو یزید کی بیعت کرنے کا حکم دیں۔ اگر وہ بیعت کرلیں تو ان کی بیعت قبول کرلیں اور اگر وہ انکار کریں تو قبل اس کے کہ ان کو امیر معاویہؓ کی وفات کی اطلاع ہو اُن کی گردنیں مار دیجیے۔ کیونکہ ان کو امیر مرحوم کے انتقال کی اگر خبر ہوگئی تو ان میں سے ہر شخص ایک طرف چل پڑے گا اور دعوت دے کر اپنے گرد لوگوں کو جمع کرلے گا ـــــ پھر ان پر ہاتھ ڈالنا مشکل تر ہو جائے گا۔ البتہ جہاں تک عبداللہ بن عمرؓ کا تعلق ہے میں جانتا ہوں وہ جنگ و قتال کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی جنگ و جدال کی راہ سے برسرِ اقتدار آنا چاہتے ہیں۔ الا یہ کہ لوگ بطور خود خلافت کا بوجھ ان کی گردن پر ڈال دیں۔

اس مشورے کے بعد ولید نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ جا کر ان کو بُلا لائے ـــــــ امام حسینؓ اور ابن زبیرؓ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اس بے وقت کی طلبی پر وہ چونکنے ہو گئے۔ قاصد سے کہا تم چلو ہم آتے ہیں ـــــــ اور خود وہ دونوں نئی صورتِ حال پر مشورہ کرتے

لگے، اُن کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور یزید کی بیعت کا مسئلہ درپیش ہے اس لیے محتاط قدم اٹھانا چاہیے، ابن زبیر تو اس بات ہی کے مخالف تھے کہ ولید کے پاس جایا جائے۔ چنانچہ وہ تو مسجد سے اٹھ کر اپنے گھر چلے اور اپنے حامیوں کو اکٹھا کر کے گھر میں بیٹھ رہے —— البتہ امام حسینؓ پوری طرح تیار ہو کر گئے اور اپنے ساتھ اپنے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد لے کر گئے اور ان کو ہدایت کر دی کہ تم سب باہر ہی رہنا۔ اگر میں بلاؤں تو فوراً چلے آنا یا یہ کہ میں زور سے بولوں تب داخل ہو جانا —— اس ہدایت کے بعد وہ ولید کے پاس پہنچے۔ ولید نے معمولی سی رسمی گفتگو کے بعد ان کو یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی —— انتقال کی خبر پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور یزید کی بیعت سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھ جیسے آدمی اس طرح خفیہ طور پر بیعت نہیں کیا کرتے۔ —— اور نہ چھپ چھپا کر مجھ جیسے آدمی کو سزا دی جا سکتی ہے —— آپ پبلک میں آئیں۔ لوگوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دیں تب یہ بات ٹھیک ہو گی ——

ولید جو صلح پسند مزاج رکھتا تھا۔ یہ سن کر کہا کہ اچھا آپ جائیں —— لیکن مروان جو اس وقت وہیں بیٹھا تھا کہنے لگا کہ اگر بیعت کیے بغیر اس وقت یہ یہاں سے چلے گئے تو آپ پھر ان پر قابو نہ پا سکیں گے، آپ کو پھر ایسا وقت اس وقت تک نہ ملے گا جب تک بڑی خونریزی نہ ہو جائے۔ میری رائے ہے کہ آپ ان کو ابھی قید کر لیجئے۔ حالتِ قید میں وہ بیعت کر لیں تو رہا کر دیجئے

ورنہ قتل کر دیجیے۔

حضرت امام حسینؓ مروان کی یہ بات سُن کر بپھر گئے اور اس کو بُرا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔

حالات روز بروز سنگین تر ہوتے جا رہے تھے۔ ولید کی طرف سے برابر دباؤ بڑھ رہا تھا۔ تنگ آ کر حضرت امام حسینؓ نے ایک شب مدینہ کو خالی کر دینے کا فیصلہ کر لیا ——— اور ایک شب کو اپنے بیٹوں، بھتیجوں، اور تمام اہل بیت کو ہمراہ لے کر چل کھڑے ہوئے ——— صرف یہی محمد بن الحنفیہ ان کے ساتھ نہ گئے اور بوقت رخصت ان سے جو باتیں کیں، اس سے اُن کی فہم و بصیرت اور تدبر و دور اندیشی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

بھائی! آپ سے زیادہ مجھے نہ کوئی پیارا ہے اور نہ عزیز۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کا میں آپ سے زیادہ خیر خواہ ہوں ——— آپ کو میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ یزید کی بیعت نہ کریں ——— اور تمام مملکت اسلامیہ میں گشت لگاتے رہیے ہیں اور لوگوں کو اپنے لیے دعوت دیں تاکہ نہ ایک جگہ آپ رہیں اور نہ ہی یزید کا ہاتھ آپ پر پڑے ——— آپ اپنے آدمیوں کو بلاد و امصار میں روانہ کر دیں۔ اگر عام مسلمان آپ کی بیعت کر لیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی کی بات ہو گی۔ آپ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں گے اور اگر لوگ آپ سے اختلاف کریں گے تو آپ کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ نقصان ان کا ہو گا ——— وہ آپ کے سوا جس کا بھی انتخاب کریں وہ خونریز

بھی ہوگا اور بدکردار بھی ہوگا ـــــــ تاہم میرا خیال ہے کہ لوگ آپ سے اختلاف کریں گے اور خونریز معرکہ ہوگا ـــــــ میری رائے یہ ہے کہ فی الحال آپ مکہ جایئے اور وہاں رہ کر لوگوں کا رنگ وروپ، چال ڈھال اور انداز فکر وعمل دیکھئے ـــــــ اگر حالات اطمینان بخش نظر آئیں تو وہاں مستقل قیام کر لیجئے اور حالات اگر سازگار نظر نہ آئیں تو پھر ریت کے میدانوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہوتے رہیں ـــــــ تا آنکہ آپ کے بارے میں لوگوں کی رائیں واضح ہو کر سامنے آجائیں ـــــــ رائے عامہ ہموار کرنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ آپ کے اندر عزم، عمل اور ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہو ـــــــ ماضی کی تاریخ پر صرف نگاہ رکھنا صحیح نہیں ہے۔ مستقبل کے حوصلے پر حالات میں تبدیلیاں آجایا کرتی ہیں ـــــــ امام حسینؓ نے ان کی رائے کو پسند کرتے ہوئے مکہ کا عزم کیا اور شہر میں داخل ہوتے تو حالات تیزی سے پلٹا کھانے لگے ـــــــ اور جنگ وقتال کا وہ خطرہ جس کی طرف محمد بن الحنفیہ نے اشارہ کیا تھا پیش آہی گیا۔

بے خوف زندگی

محمد بن الحنفیہ جس قدر صلح جو اور امن پسند تھے اسی قدر بے خوف اور نڈر بھی تھے ـــــــ زندگی میں پیش آنے والے ہر کٹھن مرحلہ کو صبر وتحمل۔ توکل

اور بے خوفی کے ساتھ طے کر جاتے ہیں۔ سر پر ناچتی ہوئی ننگی تلوار ہو یا لطف و عنایات کی بارشیں ہوں ــــ ہر ایک کا مقابلہ وہ اپنے انھیں جوہرِ ذاتی سے کیا کرتے تھے ــــ

حجاج سے ان کا براہِ راست واسطہ ہے وہ فاتح ابنِ زبیر ہے۔ عبد الملک بن مروان نے اس بے بہا خدمات کے صلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سمیت وسیع تر علاقے کے سیاہ و سفید کا اس کو مالک بنا دیا ہے۔ اور یہ وہ حجاج ہے جس کو خلقِ خدا کا ناحق خون بہانے کا چسکا لگا ہوا ہے اور ظلم و زیادتی اس کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ جس کے ہاتھوں صحابہ کی حرمتیں بھی مجروح ہیں جو مکہ اور مدینہ فتح کرنے کے بعد، دو ماہ تک مدینہ میں صرف اس لیے قیام پذیر رہا تا کہ وہاں کے لوگوں کو ایذائیں پہنچائے۔ جس نے یہاں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت جابرؓ بن عبداللہ، انسؓ بن مالک اور سہل بن سعد جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبہ صحابہ کرام کو محض ذلیل کرنے کے لیے ان ہاتھوں پر اسی طرح سیسے کی مہریں لگوائیں جس طرح ذمیوں کے لگائی جاتی تھیں ــــ اور جس نے مدینہ سے واپسی کے وقت یہ کہا تھا کہ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ایک بدبودار جگہ سے نکالا۔ جس کے باشندے بدتر اور امیر المومنین کو دھوکہ دینے والے اور خدا کی نعمت کی وجہ سے ان سے حسد کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ان کے متعلق امیر المومنین کے خط نہ آتے تو میں اس شہر کو جوف حمار کی طرح تباہ کر دیتا ــــ اور اسی طرح کی دوسری بیہودہ باتیں کہی تھیں

—— اسی حجاج نے محمد الحنفیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ عبدالملک کی بیعت کر لیں —— انھوں نے اس کو صاف صاف جواب دے دیا کہ میں تمھارے ہاتھ پر عبدالملک کے لیے ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔ میں نے عبدالملک کو اس بارے میں خط لکھا ہے جواب آنے پر اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ دریں اثنا حجاج کے پاس عبدالملک کا پروانہ آیا کہ تم ابن الحنفیہ کے معاملے میں دخل نہ دو۔ تم کو ان پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ حجاج نے اس خط کے بعد پھر ابن الحنفیہ کو طلب کیا اور دھمکی دی کہ گرچہ آج مجھے تم پر اختیار حاصل نہیں ہے تاہم اللہ تعالیٰ سے مجھے اُمید ہے کہ ایک دن مجھے تم پر قابو حاصل ہو جائے گا، اور تم میرے اختیار میں ہو گے —— پھر دیکھنا کہ میں تمھاری کیسی خبر لیتا ہوں اور تمھارا کس طرح بھرکس نکالتا ہوں ——

ابن الحنفیہ نے اس دھمکی کے جواب میں جو بات بڑے اطمینان اور پوری بیخوفی کے ساتھ کہی وہ یہ تھی کہ اے اپنی جان کے دشمن تو جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ تجھے کبھی وہ موقعہ فراہم ہی نہیں کریں گے —— اللہ تعالیٰ کے لیے روزانہ تین سو ساٹھ لحظے ہیں —— مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنے بعض لمحے مجھے عطا کر دے گا اور تجھے مجھ پر قابو اور اختیار ہرگز نہ دے گا ——

اور خدا کی شان کہ حجاج کو ابن الحنفیہ پر کبھی کوئی اختیار حاصل نہ ہو سکا بلکہ انھوں نے جب عبدالملک کی بیعت کر لی تو عبدالملک نے ان کو نہ صرف یہ کہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس کیا بلکہ بہت سے تحفے تحائف بھی دیئے —— اور ساتھ ہی حجاج کو جو مدینہ کا گورنر تھا ہدایت بھیجی کہ

تم محمد بن الحنفیہ سے جاکر ملو، اور اُن کو تم سے جو شکایتیں ہیں اس کو رفع کرو ــــــ
حجاج ان کے حضور شرماتا ہوا حاضر ہوا اور اپنے سابقہ سلوک پر معذرت خواہ ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ اسے کامیابی نہ ہو جو آپ سے بُرائی کرے۔

محمد بن الحنفیہ ــــــ اے حجاج تم پر افسوس ہے ــــــ خُدا کا خوف کرو اور ربِ حقیقی سے ڈرو ــــــ کوئی صبح ایسی نہیں جو اللہ کے بندے کرتے ہوں اور ان کی زندگی کا ہر لحظہ اس کی گرفت میں نہ ہو ــــــ
اگر وہ اس کے کسی عمل کی پاداش میں اس کو پکڑنا چاہے تو اس کی پوری قدرت رکھتا ہے، اور اگر معاف کرے تو اس کا بھی اس کو اختیار حاصل ہے۔ وہ اپنے علم اور قدرت کی وجہ سے ایسا کرے گا۔ لہٰذا اے حجاج تم اللہ سے ڈرو ــــــ دنیا ناگ کی طرح ڈس لینے والی ہے ــــــ بھلائی اسی میں ہے کہ تم اس سے قطع تعلق کرو ــــــ

اسی حجّاج نے ایک مرتبہ ابن الحنفیہ کی موجودگی میں حرم بیت اللہ میں مقام ابراہیم پر پاؤں رکھنا چاہا تو اُنھوں نے اس کو سخت ڈانٹ پلائی اور مقام پر پاؤں رکھنے سے روک دیا ــــــ

عبدالملک سے دوستانہ مراسم

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد اسلامی ریاست کو صحیح بنیادوں پر چلانے والی تین اہم شخصیتیں ملک میں موجود تھیں جن میں ایک حضرت امام حسینؓ، دوسرے عبداللہ بن زبیرؓ اور تیسرے عبداللہ بن عمر اور

چوتھے نمبر پر محمد بن حنفیہ ـــــــ

حضرت امام حسین تو شہید کر دیئے، حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ملک میں ایک متوازی حکومت قائم کی اور کئی اہم علاقوں پر ایک عرصہ تک قابض رہے لیکن بالآخر شکست سے دوچار ہوئے اور موت کے آغوش میں ابدی راحت حاصل کی ـــــــ اور عبداللہ بن عمر حالات سے بے تعلق رہ کر اپنے ہاتھ کو اختلافی بیعت کی مصیبت سے بچانے اور آزمائشوں میں پڑنے سے بھی محفوظ رہے، محمد بن حنفیہ نے بھی کسی کی بیعت تو نہیں کی البتہ گوشۂ عافیت سے باہر رہنے کی وجہ سے ہر دو طاقتوں کے ہاتھ ستائے گئے ـــــــ لیکن جب عبدالملک بن مروان تمام مسلمانوں کے بالاتفاق امیر المومنین منتخب ہو گئے تو محمد بن حنفیہ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح ملک میں امن و سلامتی کی ایک اور راہ کھل گئی ـــــ اور پھر بنو اُمیۃ کا تقریباً پورا دور اندرونی خلفشار سے پاک ہو گیا اور مسلمانوں کی شاندار فتوحات کی رفتار میں تیز رفتار اضافہ ہو گیا۔

سعید بن مسیبؒ

سعید ابن المسیّب

کپڑے کے تاجر تھے
مگر چالیس سال میں ایک وقت کی بھی
نماز باجماعت ان کی نہ چھوٹی

سعید بن المسیّب

علم و فضل، فقہ و تدبّر، حق گوئی و بے باکی
حلم و عفو، صبر و ثبات، معاملہ فہمی اور کفایت شعاری اور زندگی
کی بے پناہ خوبیوں کے مالک، دورِ ثانی کے انمول ہیروں میں
ایک ہیرہ حق پرستوں میں سے ایک حق پرست، جن کی سیرت و
کردار کو اپنا کر آج بھی عظمت و جلال اور عزت و اقبال کی بلندیوں
پہ ہم پہنچ سکتے ہیں۔

ایک جابر حکمران کے جبر و ستم کا کوڑا ہے اور ننگی پیٹھ ہے ——

سڑاپ ایک، سڑاپ دو، سڑاپ تین، سڑاپ چار اور اسی طرح ساٹھ کوڑے پڑ گئے، مگر وقار اور متانت میں کوئی فرق نہ آیا —— جو بات کہی تھی اُس سے ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوئے، اور جس چیز کا انکار کیا اس پر بدستور قائم رہے۔ یہ دیکھ کر جبین اقتدار پر کئی بیک وقت شکنیں پڑ گئیں۔ —— حکم ہوا ان کے کپڑے اُتار کر ٹاٹ کی جانگھیا پہنا دو اور مدینہ کی اس پہاڑی پر لے جاؤ جو قتل گاہِ عام ہے —— یہ محض دھمکی نہ تھی بلکہ اقتدار کی ضرورت تھی۔

"اقراری مجرم" کو بھی یقین ہو گیا کہ اس کا آخری وقت آگیا ہے اس نے کمبل کے کپڑے یا ٹاٹ کی بوری بے چون و چرا پہن لی ——
اور "منزل حیات" کی طرف قافلے کی صورت میں رواں دواں ہو گیا ——
لیجیے مدینے کا وہ پہاڑی درہ آگیا —— اب یہاں اس مجرم کو تلوار

سے قتل کیا جائے گا۔ یا سولی چڑھائی جائے گی۔

ذہن تیار، دل آمادہ، زبان تر و تازہ ——— آنکھیں پر سکون

——— ایسے میں آواز گونجی بولو بیعت کرتے ہو یا نہیں ———

اقراری مجرم ——— میں اپنی بات پر پہلے کی طرح قائم ہوں۔

حاکم کی آواز ——— جاؤ ان کو مدینہ کی گلیوں میں پھراؤ اور قید کر دو۔

ظلم کے یہ تازیانے، ذلت کی تشہیر اور قید خانہ کی یہ سزا مشہور تابعی سعید بن المسیب کے لیے ہے ——— ان کا جرم یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جب اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کو اپنا ولی عہد بنایا اور ان دونوں کی بیعت کے لیے تمام شہروں کے عاملوں کو لکھا تو مدینہ کے عامل ہشام بن اسماعیل المخزومی نے دوسرے لوگوں کی طرح سعید بن المسیب سے بھی ولی عہدوں کے لیے بیعت کا مطالبہ کیا ——— یہ الجھنوں سے بھرا مسئلہ تھا، اور جو جتنا بڑا تھا اس کے لیے اتنا ہی پیچیدہ مسئلہ تھا۔ اور ذہنی اذیتوں سے بھرا مسئلہ تھا ——— عبدالملک بن مروان کی بیعت کا ہار ابھی گلے کا ہار بنا ہوا ہے کہ ایک نہیں یکے بعد دیگرے دو بیٹوں کی ولی عہدی کا مسئلہ سامنے کھڑا ہو گیا ——— خلافت اولاد در اولاد میں منتقل ہونے کا غیر اسلامی طریقہ روز بروز جڑ پکڑتا جا رہا تھا ——— تازیانوں کی سزائیں، تلوار کی نوکوں اور جیل کی صعوبتوں کا سہارا لے لے کر یہ خار دار جھاڑیاں بڑھ رہی ہیں اور وقت کے زخمتہ داماں ہستیوں

سے اُلجھ رہی ہیں ــــ قربان جایئے ان اولوالعزم شخصیتوں کے حوصلے اور
پر کہ وہ سزائیں بھگت رہے ہیں پھر بھی بدعتوں کی راہ میں مزاحمت ترک
نہیں کرتے ــــ

جیل میں ایک سزا اُن کو یہ بھی دی گئی ہے کہ ایک بکری ذبح کر
اس کی کھال اُتار کر ان کی پشت پر لپیٹ دی گئی ہے ــــ

ہشام بن اسماعیل نے جب اپنے اس خوشامدانہ کارنامۂ خیالت کی اطلا
عبد الملک بن مروان کو اس توقع کے ساتھ دی کہ وہ اس کی ان بداعمالی
سے خوش ہو جائے گا ــــ تو خلافِ اُمید اس کو جواب ملا ــــ
"تم نے بُرا کیا ــــ اپنے لیے بدبختی مول لی، ــــ تمھارا کیا بگ
جاتا اگر تم ان کو چھوڑ دیتے ــــ اور جو کچھ انھوں نے کہا تھا ا
تم دبا دیتے۔ وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جو فتنوں کو ہوا دیتے ہیں۔ او
بلاؤں کو آواز دے کر بلایا کرتے ہیں ــــ مجھے معلوم ہے ان ک
ارادہ کبھی نفاق اور شقاق نہیں ہوا ــــ چنانچہ انھوں نے عبداللہ
زبیرؓ کی بیعت سے بھی انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک تمام لوگ متف
نہ ہو جائیں میں بیعت نہیں کروں گا۔

عبدالعزیز سید الاہل کا تبصرہ

سیرت ابن عبدالعزیز الخلیفۃ الزاہد میں اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے
عبدالعزیز سید الاہل لکھتے ہیں کہ ابو محمد سعید بن مسیب بن حزن مخزومی مد

اس واقعہ کے وقت دنیا کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتا تھا، وہ تابعین کے
سردار تھے اور علمائے ہفتگان میں سمجھے جاتے تھے۔ آپ حدیث، تفسیر،
فقہ، زہد و تقویٰ اور عبادت میں جامع عمل تھے۔ آپ نے چالیس سال حج
کیے ـــــ لیکن یہ سارا زہد و تقویٰ اور علم و عمل کوئی ایسی چیز نہ تھے جو
عبدالملک کے غصہ اور ہشام کی ناراضگی سے ان کو محفوظ رکھنے کے مطابق
ہوتی۔ ـــــ

سعید نے ولی عہدوں کی بیعت سے انکار کر کے اقتدار کے شیش محل پر
گویا سنگ باری کر دی تھی ـــــ وہ اس عظیم جرم کی سزا سے کیسے بچ
سکتے تھے ـــــ اس زمانے میں خصوصاً عبدالملک بن مروان کے
عہد میں بُرا بھلا کہنا، طعن و تشنیع کرنا، کوڑوں کی سزائیں دینا،
تشہیر کرانا اور قتل کرا دینا، علماء اور حق گو لوگوں کی مقرر سزائیں تھیں۔
خواہ وہ حق گو، علم و شہرت ـــــ اور زہد و عبادت کے کتنے ہی
بلند مقام پر پہنچا ہوا ہو ـــــ خلیفہ ناراض ہو، یا امیر ناخوش ہو۔
پھر یہ ساری چیزیں کس کام کی؟ ـــــ یہ خوبیاں قصور معاف کرانے
کے لیے کسی طرح کام نہ آسکتی تھیں ـــــ سعید بن جبیر کا سارا علم و تقویٰ
عبادت و ریاضت کچھ کام نہ آئی۔ جب حجاج ان سے ناراض ہوا ـــــ
اور سرِ دربار ان کو قتل کر دیا ـــــ

حق پرستی کا جوہر

کوڑوں کی سزائیں، اور جیل کی صعوبتیں حق پرستوں کے ساتھ اس طرح
رہتی ہیں جس طرح زمین کے ساتھ کشش ـــــــ پہلوں کی تاریخ ہو
کا زمانہ ماضی کی واردات حیات ہوں یا حال کے واقعات اس بارے میں
ہیں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے ـــــــ مشہور تابعی سعید
اس سے پہلے بھی محض اس لیے تازیانے کھا چکے تھے کہ انھوں نے
بن الزبیرؓ کی بیعت سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ جب سب لوگ ان
کرلیں گے تو وہ بھی بیعت کرلیں گے" ـــــــ اور انھوں نے یہ انکا
شخص کے منہ پر کیا تھا جو مدینہ میں عبداللہ بن الزبیرؓ کا عامل تھا او
کا نام جابر الاسود بن عوف الزہری تھا ـــــــ اس عامل کو پہلے
ان پر غصہ تھا کیونکہ اُس نے چوتھی بیوی کی عدت گزرنے سے پہلے
سے نکاح کرلیا تھا جس پر حضرت سعید بن المسیب نے اس
تنبیہ کی تھی اور برملا ٹوکا تھا ـــــــ بیعت سے انکار پر اس کو
مل گیا اور اس نے ساٹھ تازیانے لگانے کا حکم دے دیا ـــــــ
کوڑے آزمائے جانے لگے ـــــــ ہر کوڑے پر وہ یہی کہتے کہ
کتاب اللہ پر کوئی توجہ نہیں کی گئی ـــــــ اللہ تعالیٰ تو فرماتا
فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ
وَ رُبٰعَ ۔ ترجمہ: جو عورتیں تمھیں پسند آئیں دو دو، تین تین

ر چار تک سے تم نکاح کر دو۔

۔۔۔۔ اور تو نے چوتھی کی عدت گزرنے سے پہلے پانچویں سے لیا ہے ۔۔۔۔ اور وہ بھی چند شب کی ہے۔ جو تجھے معلوم کرے پھر تو تجھے عنقریب وہ بات پیش آئے گی جسے تو ے گا۔۔۔۔

نل میں بے مثال

یانے کی سزائیں بھگتنے والے یہ سعید وہ سعید ہیں جو اپنے علم، اپنے اپنی تفسیر، اپنی روایات و احادیث، اپنے تقوے اور سنت ی، اور خدا ترسی میں بے حد مشہور ہیں ۔۔۔۔ ان کے علم اور بیرت کا یہ حال تھا کہ وہ بعض بڑے صحابہ کرام کی موجودگی میں فتویٰ دیا نے۔ اور وہ فتوے ان کی نگاہوں میں غلط نہیں ٹھہرتے تھے ۔۔۔۔ تبیر جیسے جلیل القدر عالم حضرت سعید المسیب سے فتویٰ پوچھنے آتے ۔۔۔۔ خود حضرت سعید کا قول ہے کہ:

ر وہ فیصلہ جو حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ہر وہ بصلہ جو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ۔۔۔۔ اور ہر وہ فیصلہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور حضرت عثمان ذوالنورین ضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اس کا مجھ سے زیادہ جاننے والا اب اس نیا میں کوئی نہیں رہا ۔۔۔۔ وہ ایک ایک حدیث کی تلاش،

اور اس کی تحقیق اور جستجو میں اپنی عمر کھپا دینے کو بھی کم سمجھتے تھے ـــــ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے عمر بھر رات دن ایک حدیث کی طلب میں چلنا پڑے تو میں اس کے لیے ساری زندگی چلتا رہوں گا۔

حضرت سعید بن المسیبؒ نے ایک موقعہ پر یہ بھی کہا کہ :
میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایسا کلمہ سنا ہے جس کا سننے والا اب اس دنیا میں میرے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہے اور وہ کلمہ یہ ہے :

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ

اے اللہ تو ہی تمام عیوب سے پاک ہے ، تو ہی باقی اور تجھ ہی سے بقا رہتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کعبہ کو دیکھا کرتے تھے تو یہ کلمہ ادا کیا کرتے تھے ـــــ ان کو لوگ راوی عمرؓ بھی کہا کرتے تھے کیونکہ یہ حضرت عمر کے احکام اور فیصلوں کے سب سے زیادہ حافظ تھے ـــــ یہی نہیں بلکہ ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے جن لوگوں سے علمی فیض حاصل تھا، ان میں حضرت زید بن ثابتؓ ، سعید بن ابی وقاصؓ ، ابن عباسؓ ، ابن عمرؓ ، ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت عثمان رضؓ بن عفان، حضرت علی رضؓ، حضرت صہیبؓ اور محمد بن مسلمہ رضؓ جیسی مقتدر اور برگزیدہ ہستیاں تھیں ———— حضرت سعید بن المسیبؓ، حضرت ابوہریرہ رضؓ کے داماد تھے اس لیے اکثر حدیثیں انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہیں ———— وہ اپنے وقت کے بڑے فقیہ بھی تھے، کہا جاتا ہے کہ مدینہ میں جو لوگ مسائل بتایا کرتے تھے اور فتوے دیا کرتے تھے، ان میں سب پر فوقیت **سعیدؓ** ہی کو حاصل تھی۔ ان کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا۔

حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے علی بن حسینؓ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ:

سعید بن المسیب گزشتہ آثار و احادیث کے سب سے زیادہ عالم اپنی رائے کے سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔

مدینہ میں جب کوئی طالب علم اور طالب دین آتا اور جس کسی سے بھی کسی عالم یا فقیہ کا پتہ دریافت کرتا وہ سب سعید بن المسیب رضؓ ہی کا پتہ بتا دیتے۔ اس بارے میں شہاب بن عباد العصری اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ:

"میں ایام حج میں مکہ معظمہ گیا اور وہاں حج کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ رہا ———— اور یہاں پہنچ کر جس کسی سے بھی پوچھا کہ یہاں سب سے بڑا عالم کون ہے تو ہر ایک نے

سعید بن مسیب کا نام بتایا۔

ان کے علم اور فضیلت اور تقویٰ کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ دربار خلافت سے اپنا کوئی فیصلہ اس وقت تک صادر نہیں فرماتے جب تک سعید بن المسیبؓ اس فیصلہ کے صحیح ہونے کی تصدیق نہ کر دیتے تھے ـــــــ خود حضرت عمر بن عبد العزیز ان کا کس قدر احترام کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے ایک شخص حضرت سعیدؓ کے پاس بھیجا ـــــــ اس شخص نے مسئلہ دریافت کرنے کی بجائے انھیں یہ کہہ دیا کہ دربار خلافت میں آپ کو بلایا جا رہا ہے آپ جب حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس تشریف لائے اور غلطی کی وجہ پوچھی تو عمر بن عبد العزیز سخت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ قاصد سے غلطی ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ سے آپ کی مجلس ہی میں مسئلہ پوچھ لے، لیکن غلطی سے اُس نے آپ ہی کو زحمت دے دی ـــــــ اور خود حضرت عمر بن عبد العزیز کتنے بڑے عالم تھے اس کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ مدینہ کا ہر عالم، طلب علم میں آپ کے پاس ضرور آتا تھا ـــــــ سوائے سعید بن المسیب کے ـــــــ آپ کے پاس البتہ وہ خود چل کر آتے تھے ـــــــ

کہا جاتا ہے کہ:

سعید بن المسیبؓ کا حافظہ بھی بے حد قوی تھا۔ جو بات بھی آپ کا

کان ایک مرتبہ سُن لیتا تھا۔ قلب ہمیشہ کے لیے اس کو محفوظ کر لیتا اور دماغ میں وہ بات برابر حاضر رہتی تھی۔

کردار کی عظمت

سعید بن المسیب کیسے عظیم انسان تھے ان کی عظمت و کردار کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

ہشام بن اسماعیل نے اپنی اقبال مندی کے دور میں ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، کوڑے لگوائے، شہر میں تشہیر کرائی، موٹے کپڑے کا جانگیہ پہنایا، قید خانہ میں بند کیا اور وہاں صعوبتیں دیں، اور جب اسی ہشام کے سر سے اقبال مندی کا سایہ ہٹا ــــــ اور شخصی حکومتوں میں اقبال و زوال کے سائے ہمیشہ گھٹتے بڑھتے رہتے ہی ہیں ــــــ کسی خلیفہ کے دورِ حکومت میں اگر آج ایک شخص اقبال مندی کی چوٹیوں پر نظر آرہا ہے تو کل جب بخت و اتفاق سے کوئی دوسرا اقتدار پر قابض ہوا تو یہ پستی کے غار میں پایا گیا اور کوئی دوسرا ہی اس چوٹی پر نظر آنے لگا ــــــ چنانچہ عبد الملک بن مروان کے بعد جب ولید خلیفۃ المؤمنین ہوئے ــــــ اور چونکہ ہشام کے متعلق ولید کی رائے پہلے ہی سے بہت خراب تھی اس لیے انھوں نے اس کو نہ صرف یہ کہ معزول کر دیا بلکہ عمر بن عبد العزیز کو بھی لکھا کہ ہشام کی

لوگوں میں تشہیر کی جائے یعنی برسرِ عام رُسوا کیا جائے ______
سعید بن المسیب کو جب ولید کے اس حکم کی اطلاع ملی اور
ہشام کی بدقسمتی کا حال معلوم ہُوا تو اُنھوں نے اپنے بیٹے اور
اپنے زیرِ اثر دوسرے تمام لوگوں کو بُلا کر باضابطہ یہ ہدایت دی
کہ دیکھو ہشام کو گرچہ تم لوگ ناپسند کرتے ہو اور اس کے خلاف
تمھارے جذبات شدید ہیں، تاہم میں تم سے کہتا ہوں کہ
ایسے موقعہ پر جب کہ اس کی تشہیر کی جا رہی ہے، خبردار تم میں سے
کوئی شخص نہ ایسے موقعہ پر جب کہ اس کی تشہیر کی جا رہی ہے خبردار
تم میں سے کوئی شخص نہ اسے چھیڑے اور نہ کوئی ایسی بات کہے
جس سے اس کے قلب کو اذیت پہنچے ______ یاد رکھو میں نے
اپنے اور اُس کے معاملہ کو خدا کے حوالہ کر دیا ہے۔ اور قرابتداری
کی بنیاد پر چھوڑ دیا ہے ______ گرچہ میری رائے اس کے متعلق
اچھی نہیں ہے، پھر بھی میں اس کے حق میں وہ کلمات اپنی زبان
سے ہرگز ادا نہ کروں گا جو اُس نے میرے لیے استعمال کیے
تھے ______

خرچ میں کفایت

دولت کی حرص بُری چیز ہے لیکن خرچ میں کفایت نہ کرنا یہ اس
سے بھی زیادہ بُری ہے ______ مال و دولت دنیا میں عافیت و آرام

عزت و آبرو کا ذریعہ ہے، اس سے آدمی نیکیاں بھی کما سکتا، اور اس کے
سہارے اپنے آپ کو بہت سی برائیوں سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے ــــــــ
ابن مسیب اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اسی لیے حق پرستی کے مقابلے
میں اگر ایک طرف وہ دنیا کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے تو دوسری طرف اپنے کو
مال و دولت سے اتنا فارغ بھی نہ رکھنا چاہتے تھے کہ حاجت مندی ان کی
کمزوری بن جائے اور ضرورتیں دوسروں کے آگے ان کو جھکنے پر مجبور کر دیں،
اور وہ حق کو حق نہ کہہ سکیں اور باطل کے مقابلے میں ڈٹ نہ سکیں۔ ابن المسیب
کی اس خاص صفت کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ
جب ہشام بن اسماعیل نے ان کو اس جرم میں کہ انھوں نے ولید بن عبدالملک
اور سلیمان بن عبدالملک کی ولی عہدی کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا،
جیل میں ڈلوا دیا تھا تو ان کی بیٹی نے مختلف انواع و اقسام کے بہت سے
کھانے پکوا کر ان کو قید خانے میں بھجوائے ــــــــ اور یہ سلسلہ جب کئی
دنوں تک جاری رہا تو انھوں نے ایک دن اسلم ابو امیہ مولائے بنی مخزوم
کو بلوا کر کہا کہ میرے گھر جا کر میری بیٹی سے یہ کہنا کہ وہ آئندہ اس طرح
کھانا نہ بھیجا کرے ــــــــ ہشام بن اسماعیل کا تو مقصد ہی یہی ہے
کہ میرا تمام مال صرف ہو جائے اور میں اس کا محتاج اور حاجت مند
ہو جاؤں پھر وہ میری حاجت مندی سے فائدہ اٹھا کر اپنا مقصد پورا
کر لے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کب تک قید خانہ کی صعوبتوں میں مبتلا رہوں
گا، لہٰذا آئندہ سے مجھے وہی کھانا بھیجا جائے۔ جو عموماً میں اپنے گھر میں

کھایا کرتا ہوں ____ چنانچہ اس کے بعد وہ اس طرح کے کھانے کھی
لگیں۔ ان کو گرچہ اس کھانے کی بھی زیادہ ضرورت نہیں رہتی تھی کیونکہ وہ ہمی
روزہ ہی رکھتے تھے ____ ابن المسیب پر اللہ نے بڑا فضل کیا ک
وہ چند دن ہی جیل میں رہ پائے۔ عبدالملک کو جب اس کی اطلاع ملی ت
اس نے ہشام کو سخت ملامت کی اور فوراً رہا کرنے کا نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ
ان سے معافی مانگنے کی بھی ہدایت کی ____ ابن المسیب خود کہتے ہیں کہ ہشا
کے حکم سے جب مجھے تازیانے لگوائے گئے اور کمبل کی لنگوٹی پہنائی گئی تو میں
نے یہ لنگوٹی صرف اس لیے خود سے نہیں لی تھی کہ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ لوگ
مجھے قتل کر دیں گے اور لنگوٹی میں موت کے وقت ستر کے نہ کھلنے کا زیادہ ام
ہوتا ہے ورنہ اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ لوگ قتل نہ کریں گے تو میں خود سے تو
لنگوٹی ہرگز نہیں پہنتا۔

حق گوئی و بیباکی

حق گوئی و بے باکی تو مردان حق کا شیوہ رہا ہے، سعید بن مسیب کے اند
یہ خوبیاں بھی بہت نمایاں تھیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے
ان سے کہا کہ اے ابو محمد میں جب اچھا کام کرتا ہوں تو کوئی خوشی نہیں ہوت
اور جب برا کام کرتا ہوں تو کوئی رنج بھی نہیں ہوتا ____ سعید نے
بلاخوف فوراً کہا کہ اب تمہارا دل بالکل مردہ ہو گیا ہے اس کے احساس
کی قوت جاتی رہی ہے ____

ر اُس وقت کسی اہل مدینہ سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں ۔ اُنھوں نے مجھے
ا کہ مسجد میں جا کر دیکھو اور جو اہل مدینہ ملے اس کو بلا کر لے آؤ، میں باتیں
وں گا ——— آپ امیر المومنین کا حکم مانیے ۔

سعید ——— کیا امیر المومنین نے تمھیں خاص کر میرے پاس بھیجا
ہے ——— ؟

دربان ——— نہیں خاص کر آپ کے پاس تو نہیں بھیجا ہے، لیکن
سجد میں چونکہ آپ سے زیادہ خوش شکل اور خوش وضع نہیں ہے اس لیے
پ سمجھئے کہ آپ ہی کو بلایا جا رہا ہے ۔

سعید ——— جاؤ اور کہہ دو کہ میں ان سے بات کرنے والوں
ں نہیں ہوں ۔

دربان یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ یہ بڈھا کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے ۔

——— پھر دربان نے عبد الملک بن مروان سے جا کر یہ بات
ں تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ وہ ضرور سعید بن مسیب ہوں گے ۔ اس لیے
ا کہ چھوڑ دو وہ سعید بن مسیب ہیں ۔

یک اور واقعہ

خلیفہ عبد الملک کا بیٹا ولید جب خلیفہ ہوا تو اس نے ۹۱ھ میں
ں اپنی قیادت میں حج کرایا ——— حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان مدینے آیا ـــــ اور ایک دوپہر کو نیند سے بیدار ہوا تو دربان کو بلا کر کہا کہ مسجد جاؤ اور مسجد میں اہل مدینہ کا اگر کوئی شخص موجود ہو تو اس کو بلا کر لے آؤ کیونکہ میری طبیعت اس وقت کسی سے بات کرنے کو چاہتی ہے ـــــ اتفاق کی بات کہ جس وقت دربان مسجد میں داخل ہوا اُس وقت مسجد میں سعید بن مسیب اپنی کمر اور پاؤں کو ایک چادر سے باندھے یادِ الٰہی میں مشغول تھے ـــــ دربان اس طرف جا کر کھڑا ہو گیا جدھر آپ کا رُخ تھا اور دُور ہی سے اپنی آنکھوں اور اُنگلی سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور پلٹ پڑا ـــــ اس کو توقع تھی کہ وہ اس کے اشارے کو دیکھ چکے ہیں اس لیے اس کے پیچھے ضرور آئیں گے، لیکن اس کو یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ وہ جس طرح بیٹھے ہوئے تھے بیٹھے رہے کسی قسم کی حرکت نہیں کی ـــــ وہ پھر واپس ہوا اور اُن کے قریب آ کر کہا کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ میں آپ کو اشارے سے بُلا رہا ہوں؟

سعید بن مسیب ـــ تم کو مجھ سے کیا کام ہے اور مجھے کیوں بلا رہے ہو ـــ ؟

دربان ـــ مجھے آپ سے کام نہیں ہے بلکہ امیر المومنین آپ کو طلب کر رہے ہیں۔

سعید ـــ امیر المومنین مجھے کیوں طلب کرنے لگے؟

دربان ـــ بات یہ ہے کہ امیر المومنین ابھی نیند سے بیدار ہوئے ہیں

کے لیے روانہ ہوا۔ مقام ذی خشب میں اس کا استقبال کیا گیا ـــــــ یہاں اس کے استقبال کی زبردست تیاریاں کی گئی تھیں ـــــــ ممتاز علماء اور فقہا، محدثین اس کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے، مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز اس کے ساتھ ساتھ تھے ـــــــ

مدینہ کے اہل علم سے ملنے کے بعد ولید شام کے وقت مدینہ آیا اور دوسرے دن مسجد نبوی دیکھنے گیا ـــــــ مسجد میں اس وقت جتنے لوگ موجود تھے سب کو وہاں سے ہٹا دیا گیا ـــــــ سب لوگ تو مسجد سے چلے گئے لیکن سعید بن مسیب جو اس وقت مسجد ہی میں تھے وہ بیٹھے رہتے قوم میں ان کو جو مرتبہ حاصل تھا اس بناء پر کسی سپاہی کی بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ ان کو زبردستی نکال باہر کرے۔ تمام علماء حیران اور پریشان کہ وہ کرے تو کیا کرے۔ آخر ایک شخص نے جرأت کر کے ان سے یہ درخواست کی کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے مسجد سے باہر چلے جائیں کیونکہ خلیفہ وقت مسجد میں آیا ہوا ہے۔

سعید نے یہ سن کر کہا کہ میرے اُٹھنے کا جو وقت ہے اُسی وقت اُٹھوں گا اس سے پہلے تو ہرگز نہیں اُٹھوں گا۔

یہ سُن کر لوگوں نے یہ گزارش کی کہ آپ اُٹھ کر ان کے پاس جا کر سلام تو کر ہی لیں۔

سعید! میں خود تو ان کے پاس اُٹھ کر سلام کرنے نہیں جاؤں گا ـــــــ

________ ادھر حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ حال ہے کہ وہ ولید کو مسجد
اِدھر اُدھر پھرا رہے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ اس کی نظر سعید بن مسیب پر نہ
پڑنے پائے ، لیکن تابکے آج کل کی طرح اس وقت مسجد نبوی اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ
اس کی نظر نہ پڑتی ________ اچانک ولید کی نظر قبلہ کی طرف اُٹھی اور اُس نے
سعید کو وہاں بیٹھے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ۔ سعید بن مسیب
تو نہیں ہیں ؟ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا ۔ جی ہاں ۔ سعید بن مسیب ہی ہیں
ان کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ اس وقت مسجد میں آپ تشریف فرما ہیں تو وہ خود ضرور اُٹھ کر
آپ کے سلام کے لیے آتے ۔ چونکہ ان کی نظر کمزور بھی ہے اس لیے وہ آپ کو
پہچان بھی نہیں سکے ۔ ولید ________ اچھا ہوا جو ان کا حال مجھے معلوم ہو گیا
چلو ہم خود ان کے پاس چلتے ہیں اور سلام کر آتے ہیں ________ پھر ولید
پوری مسجد کا چکر لگانے کے بعد ان کے پاس آیا اور ان کی مزاج پرسی کی
________ لیکن سعید بن مسیب اس کے بعد بھی نہ تو اپنی جگہ سے حرکت
کی اور نہ ہی کھڑے ہوئے ________ البتہ مزاج پرسی کے جواب میں
اُنھوں نے بھی اس کی مزاج پرسی کی اور کہا کہ امیر المومنین کا مزاج کیسا
ہے ؟ اور کیا حال ہے ؟ ________ ولید نے جواب میں کہا کہ الحمد للہ
میں بھی خیریت سے ہوں ________ اس قدر گفتگو کے بعد ولید وہاں سے
پلٹ آیا اور عمر بن عبد العزیز سے کہنے لگا ________ اب یہی سلف صالحین
کا ایک نمونہ باقی رہ گئے ہیں ________

خدا کی حفاظت کا یقین

سعید بن مسیب کے مزاج میں یہ بات داخل تھی کہ حق بات منہ پر کہہ دی جائے خواہ کوئی ہو اور اس کا نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ حق کے مقابلہ میں وہ خاموش نہیں رہتے تھے اس لیے وہ اس سلسلے میں سختیاں بھی جھیلتے تھے ـــــ بنو امیّہ کے مقابلے میں تو ان کی تیغ زبان ہمیشہ بے نیام رہتی تھی۔ وہ کسی موقعہ پر بھی ان کی عیب چینی سے باز نہ رہتے تھے ـــــ مطلب بن سائب اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دن آپ سعید بن مسیبؓ کے ساتھ بازار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بنی مروان کا ایک ہرکارہ ادھر سے گزرا۔ سعید نے اُس سے پوچھا تم بنی مروان کے ہرکارے ہو۔ اُس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ اُنھوں نے تمھیں کس حال میں چھوڑا۔ اُس نے کہا اچھے حال میں۔ ابن مسیبؓ نے یہ سن کر کہا، وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں ـــــ یہ سن کر ہرکارہ غصہ سے پھر گیا۔ میں نے سمجھا بجھا کر کسی طرح اسے واپس کیا اور سعید سے کہا خدا تمھاری مغفرت کرے تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو ـــــ اُنھوں نے کہا احمق چپ رہ۔ خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا رہوں گا اس وقت تک وہ مجھے ان کے قبضہ میں نہ دے گا۔

حکومت کی نازک مزاجی

سعید بن مسیب رضؓ کی جرأت اور حق گوئی کو اگر اُس وقت کے حالات کے پس منظر میں دیکھا جائے اور خلافت کے معاملے میں حکومت کی نازک مزاجی کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کی جسارتیں کوئی آسان کام نہ تھیں۔ بلکہ یہ باتیں تو اُس زمانے میں موت وحیات کے درمیان فیصلہ کن ہوا کرتی تھیں۔

نیا دورِ حکومت تھا۔ اس دور میں حکمرانوں کے سوچنے کا وہ انداز ہی نہ تھا جو انداز خلفائے راشدین کا تھا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت قائم ہو چکی تھی، لیکن مسلمانوں کے مزاج سے چونکہ یہ بیگانہ باتیں تھیں اس لیے اس کی جڑیں گہری ہونے نہیں پا رہی تھیں۔ ملوکیت فکرمند تھی اور مسلم معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے درپے ——— یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ایک پتہ بھی کھڑکتا تو ملوکیت کا دل دھڑک اُٹھتا اور مخالفت میں اگر کوئی زبان ہلتی تو تراش لی جاتی تھی۔ ——— یہ کیسا زمانہ تھا اس کو سمجھنے کے لیے ایک دو واقعات کا ذکر کر دینا ضروری ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی معزولی

عمر بن عبدالعزیزؒ مکہ اور مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیئے گئے تو ان کی جگہ پر ولید نے حجاج کے مشورے سے خالد بن عبداللہ القسری کو مکہ کا اور عثمان بن حیان کو مدینہ کا گورنر بنا دیا ———

اور اس معزولی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ولید کے پاس یہ شکایت بھیجی کہ یہ شخص بلا وجہ اور بلا قصور اپنے ماتحت عہدہ داروں پر طرح طرح کا ظلم اور زیادتیاں کرتا ہے ـــــ حجاج کو اس کی اطلاع مل گئی کہ عمر بن عبد العزیز نے اس کی شکایت ولید کو لکھ بھیجی ہے ـــــ حجاج نے فوراً ہی جوابی کارروائی کے طور پر ولید کو ایک خط لکھا، جس میں بتایا کہ اہل عراق میں سے جو لوگ ہمارے مخالف تھے اور آپس میں پھوٹ اور نفاق ڈلوانا چاہتے تھے وہ سب کے سب عراق سے جلاوطن کر دیئے گئے ہیں اور اب ان تمام لوگوں نے مکّہ اور مدینہ میں جا کر پناہ لی ہے ـــــ جس کے نتائج خلافت کے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

ملوکیت کا مزاج داں حجاج خوب جانتا تھا کہ یہ دکھتی رگ ہے اس پر ہلکی ضرب بھی خلیفہ کو تڑپا دے گی ـــــ چنانچہ اس کی توقع کے عین مطابق خلیفہ ولید بن عبد الملک نے عمر بن عبد العزیز کی شکایات پر تو کوئی توجہ نہ دی۔ البتہ حجاج کے خط کو سیاسی اہمیت کا حامل قرار دیا اور اس کو لکھا کہ "عمرؓ کی جگہ کسی دو آدمیوں کا نام بھیج جن کو عمرؓ کی جگہ پر مکّہ اور مدینہ کی صوبیداری دے دی جائے" حجاج نے عثمان بن حیان اور خالد بن عبد اللہ کے نام بھیج دیئے۔ اور ان دونوں کو مکّہ اور مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

—— عثمان نے مدینہ کی صوبیداری کا چارج لینے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ یہاں موجود تمام عراقیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور قید خانے میں ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں —— پھر ان سب کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوا کر حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے اس بارے میں کسی قسم کی نہ تخصیص کی اور نہ کوئی فرق و امتیاز برتا بلکہ مدینہ کے ارد گرد جہاں کہیں بھی کوئی بھولا بھٹکا عراقی ملا اس کو گرفتار کیا۔ پھر قید خانے میں خوب خوب سزائیں دینے کا کے بعد حجاج کے پاس بھجوا دیا —— دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ عام دہشت زدگی پیدا کرا دی، اور سلطنت کا رعب قائم کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر مظالم ڈھانے اور عوام و خواص پر خوب خوب سختیاں کیں۔

ایک دفعہ اس نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس میں اس نے پہلے مدینہ کے رہنے والوں کو برا بھلا کہا اور عمومی الزام لگایا کہ وہ ہمیشہ ہی سے امیر المومنین کی مخالفت پر آمادہ رہے ہیں اور اب اس پر مستزاد یہ کہ انھوں نے عراق کو جن کی منافقت اور بے وفائی مشہور ہے اپنی صفوں میں شامل کر لیا ہے۔ یہ لوگ پہلے فساد کی جڑ تو تھے ہی اب فتنہ گر اور ستم گر ہو جائیں گے۔ یاد رکھئے کہ میں اس قسم کے فسادیوں کے ساتھ اور فسادی ذہن رکھنے والوں کے ساتھ جو معاملہ بھی کروں

گا مجھے اس سے تقرب الٰہی حاصل ہو گی ——— آخر میں اُس نے کہا :

اے لوگو! اطاعت سے زیادہ کسی شے میں عزت نہیں، اور بغاوت سے بڑھ کر کوئی شے ذلیل نہیں ———

اے مدینہ والو! مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہاں مخالفت کی آگ سلگ رہی ہے لیکن تم لوگ آمادہ پیکار ہونے کی جرأت نہیں رکھتے ہو. اس لیے اپنے گھروں میں بیٹھے دانت پیستے رہو گے ———

میرے مخبروں نے خبر دی ہے کہ تم لوگ لغو اور فضول قسم کی گپیں اُڑاتے رہتے ہو، اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اس قسم کی گفتگو چھوڑ دو، اور کسی حاکم کی عیب گوئی اور عیب جوئی نہ کرو کیونکہ ان طریقوں سے حکومت کا اقتدار رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہے، جو ایک عام بغاوت پر منتج ہوتا ہے۔ اور پھر بغاوت سبھوں کے لیے ایک مصیبت عظیم ثابت ہوتی ہے۔

ادھر مکّہ کے گورنر خالد بن عبد اللہ القسری کا مزاج بھی مدینہ کے گورنر کے مزاج سے مختلف نہ تھا اور اس کا بھی طریق کار اس جیسا تھا۔ ذرا اس کے کارناموں پر ایک نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے کس طرح کے کارنامے انجام دیئے جا رہے ہیں اور اُن کارناموں کی موجودگی میں سعید بن المسیب کی یہ جرأتیں کس قدر بیباکانہ اور رضائے الٰہی کے حصول کی متلاشی نظر آتی ہیں۔ اس طرح کی باتوں اور رویوں ہی سے

صاحبِ اقتدار بغاوت کی بو سونگھنے لگتے اور فساد کی جڑوں کو دیکھنے لگتے ہیں۔
خالد نے مکہّ کی گورنری کا عہدہ سنبھالنے کے بعد تمام اہلِ مکہّ کو اپنے یہاں طلب کیا اور اُن کے سامنے ایک تقریر کی جس میں اُنھوں نے اہلِ مکہّ کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ جو شخص بھی اپنے حاکمِ اعلیٰ پر نکتہ چینی کرے گا اور میرے سامنے اس جرم میں پیش کیا جائے گا تو میں اسے اسی وقت پھانسی پر لٹکا دوں گا۔
اُس نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو مناسب سمجھا۔ آپ کا خلیفہ بنا دیا۔ اس لیے آپ کو ان کے احکام اور معاملات میں کسی قسم کے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں، جو وہ حکم دیں اس پر سرِ تسلیم خم کر دینا پڑے گا ــــــ پھر اُس نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مخالفین حکومت آپ کے یہاں آتے اور ٹھہرتے ہیں ــــــ آپ کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ آئندہ سے ایسا کوئی بھی شخص جس پر خلافتِ حاضرہ کی مخالفت کا ذرہ بھر بھی شبہ ہو تو وہ آپ کے یہاں ٹھہرنے نہ پائے۔ یاد رکھیے جس کے مکان میں کوئی مشتبہ شخص مقیم پایا جائے گا وہ مکان زمین دوز کر دیا جائے گا۔ اس لیے جو لوگ آپ کے یہاں ٹھہریں اُن کی اچھی طرح دیکھ بھال کر لیا کیجیے ــــــ اور یہ صرف زبانی دھمکی نہیں تھی بلکہ اس پر عملی مظاہرے ہوئے تھے۔ ابو جلیبہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں عمرہ کرنے مکہّ گیا اور بنی اسد جو خاندانِ عبداللہ ابن زبیر کے طرفداروں میں تھے ان کے مکان میں جا کر ٹھہرا ــــــ میں حالات سے بے خبر تھا اور

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ خالد کا آدمی مجھے بلانے کے لیے آ گیا ــــــ میں اُٹھ کر اس کے پاس پہنچا ــــــ خالد نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ میں کہاں کا رہنے والا ہوں، جب میں نے بتایا کہ مدینہ کا رہنے والا ہوں تو اُس نے کہا کہ پھر تم ایسے لوگوں کے یہاں کیوں ٹھہرے جو ہمارے مخالف ہیں ــــــ میں نے یہ سُن کر حالات کی سنگینی کا اندازہ لگا لیا ــــــ اور کہا کہ میں تو یہاں صرف ایک دن، یا دو دن ٹھہر کر وطن واپس چلا جاؤں گا ــــــ اور یہ کہ میں خلیفۂ وقت کا نہ مخالف ہوں اور نہ کبھی مخالفت کی ہے بلکہ میں تو ان لوگوں میں ہوں جو حکومت کی تعظیم کرتے ہیں، میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ جو خلافت کا منکر ہو وہ ہلاک ہو جائے گا ــــــ یہ سُن کر ذرا نرم ہو گیا۔ پھر بھی اس نے وہاں قیام سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ــــــ

ــــــ واضح رہے کہ عبد اللہ بن زبیر اس واقعہ سے چند سال پہلے عبد الملک کے زمانہ ہی میں شہید کئے جا چکے تھے ــــــ

ــــــ خلافت کے معاملہ میں خالد کی خیر خواہی اور نازک مزاجی اس بات سے بھی معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ حرم میں بسیرا کی ہوئی کبوتر یوں اور دوسرے جانوروں کے بارے میں بھی کہا کرتا تھا کہ اگر یہ بول سکتے اور ہماری اطاعت کا اقرار نہ کرتے تو میں انھیں بھی یہاں سے نکال دیتا کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ بیت اللہ میں صرف وہی لوگ رہیں اور وہی اس کی حرمت سے متمتع ہوں جو ہمارے مطیع ہوں اور خاندان خلافت اور اُس کے عہدیداروں کے مخالف نہ ہوں ــــــ

—— خالد القسری ہی وہ شخص ہے، جس نے سعید بن جبیر کو جو مکہ میں ایک عرصہ سے چھپے ہوئے تھے گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا تھا ——

اور جب سعید بن جبیر حجاج کے سامنے لائے گئے تو حجاج نے کہا کہ خدا نصرانی عورت کے بیٹے پر لعنت کرے اس نے ان کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیا۔ ورنہ کیا مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں مقیم ہیں —— بخدا مجھے معلوم تھا کہ وہ مکہ میں مقیم ہیں بلکہ جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ بھی معلوم تھا مگر میں جان بوجھ کر طرح دے رہا تھا ——

سعید بن مسیب کے بیباکانہ مزاج سے عبد الملک بھی واقف تھا اور ولید بھی یہی وجہ ہے کہ اپنے گورنروں اور عہدیداروں کے مقابلے میں وہ خود اُن کے معاملات میں درگزر کا رویہ رکھتے تھے۔

ملنے سے انکار کر دیا

—— ایک مرتبہ خلیفہ عبد الملک فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ آیا۔ اور اس یقین کے ساتھ کہ سعید بن المسیب اُس وقت مسجد ہی میں ہوں گے۔ ان کی ملاقات کے لیے مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور ایک شخص کو مسجد کے اندر بھیجا کہ جا کر سعید بن مسیب کو بلا کر لے آؤ —— البتہ زبردستی ان کے ساتھ نہ کرنا اور خواہ مخواہ ان کو پکڑ کر نہ لانا —— چنانچہ وہ شخص آپ کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ امیر المومنین مسجد کے دروازے پر کھڑے ہیں وہ آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں —— آپ نے فرمایا امیر المومنین

کو نہ میری کوئی حاجت ہے اور نہ ہی ان سے میری کوئی غرض وابستہ ہے۔ ان کو میری جو ضرورت ہے وہ مجھ سے پوری ہونے والی نہیں ہے۔

قاصد نے یہ جواب جا کر سُنا دیا۔ عبدالملک نے قاصد کو دوبارہ بھیجا کہ جا کر کہو کہ میں صرف آپ سے بات ہی کرنا چاہتا ہوں ـــــ لیکن آپ کو زبردستی بلانا ـــــ قاصد نے پیغام سُنایا، اس کا جواب بھی آپ نے وہی دیا جو پہلے دے چکے تھے ـــــ قاصد نے کہا کہ اگر امیرالمومنین نے مجھے منع نہ کیا ہوتا تو اس وقت میں آپ کا سر لیے بغیر نہ جاتا۔ امیرالمومنین آپ کے پاس یہ کہہ بھیجتے ہیں کہ آپ سے صرف باتیں کرنی ہیں اور آپ اس کا جواب یہ دیتے ہیں ـــــ سعید بن مسیب نے کہا کہ اگر وہ میرے لیے بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو تم اُس سے فائدہ اُٹھاؤ مجھے کوئی حاجت نہیں ہے اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور کرنا چاہتے ہیں تو کر ڈالیں میں تو اپنی گرہ نہ کھولوں گا ـــــ

(قاعدہ تھا کہ کمر اور زانو کے درمیان بڑا رومال لپیٹ کر باندھ لیا کرتے تھے۔ تاکہ بیٹھنے میں سہارا ملے اس کو گرہ لگانا اور کھولنا کہتے ہیں) ـــــ قاصد واپس آیا اور جو کچھ اُنھوں نے کہا تھا امیرالمومنین کو کہہ سنایا۔ خلیفہ نے کہا ابو محمد پر اللہ کی رحمت ہو اُنھوں نے محض سختی کی وجہ سے انکار کر دیا۔

اس سے زیادہ سنگین مسئلہ ایک بار یہ پیدا ہُوا کہ عبدالملک کا بیٹا ولید اپنے دورِ خلافت میں ایک بار مدینہ آیا اور مسجد میں حاضر ہُوا تو دیکھا کہ ایک شیخ مسجد میں بیٹھے ہیں اور لوگ ان کے گرد جمع ہیں۔ ولید نے اپنے لوگوں سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں، لوگوں نے بتایا کہ یہ سعید ہیں ـــــ یہ سن کر وہ

مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا، اور تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص کو بھیجا کہ ان بزرگ کو میرے پاس بُلا کر لے آؤ۔ قاصد نے پیغام سُنایا۔ سعید نے کہا کہ اُنھوں نے کسی دوسرے کو بُلایا ہوگا، مجھے کیوں طلب کریں گے، شاید تم سے نام سننے میں غلطی ہوئی ہوگی ——— اُس نے کہا نہیں آپ کو ہی بلایا ہے آپ میری بات مانیے، اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل کیجیے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ تم سے غلطی ہوئی ہے ———

قاصد نے یہ بات ولید کو جا کر بتائی تو اُسے بہت غصّہ آیا۔ اور سخت حکم جاری کیا ——— عمر بن عبدالعزیز جو وہاں موجود تھے سخت پریشان ہوئے اور اُنھوں نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین وہ اہلِ مدینہ کے فقیہہ، قریش کے شیخ اور آپ کے والد کے دوست ہیں ——— آپ سے پہلے کسی نے یہ خواہش نہیں کی کہ وہ اس کے پاس آئیں ——— اور لوگ اسی طرح اس کو برابر سمجھاتے رہے جس پر اس کا غصہ فرو ہوا اور وہ آپ کے قتل سے باز آیا۔

بیباکی کے ساتھ بے نیازی

سعید بن مسیب جرأت مند اور بیباک ہی نہ تھے، مال و دولت کے بارے میں بھی بڑی بے نیاز طبیعت رکھتے تھے ——— خلفائے راشدین کے بعد اسلامی ریاست گرچہ بہت سی خرابیوں میں مبتلا ہو گئی تھی، اور بڑی تیز رفتاری سے اپنی اصلی خصوصیات کھوتی جا رہی تھی ——— اسلامی ریاست

شخصی حکومت میں تبدیل ہو چکی تھی تاہم خلفائے راشدین کی قائم کردہ بہت سی روایات، اسلام کے عطا کردہ بہت سے اصول، اور عدل و انصاف پر قائم کی گئی معاشرے کی بہت سی خصوصیات حکومت اور عوام الناس میں موجود تھیں اور اُن کا رواج تھا۔ ان ہی میں سے بیت المال اور سرکاری خزانہ سے عام مسلمانوں کو وظیفہ دینے کا رواج بھی تھا ـــــ سعید بن مسیب کو بھی یہ وظیفہ ملتا تھا لیکن اس کے لینے میں وہ عام طور پر بے نیازی ہی کا اظہار کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ان کے انتالیس ہزار روپے بیت المال میں جمع ہو گئے ـــــ مگر اُنھوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بار بار ان کو یہ رقم لینے کے لیے بلایا جاتا مگر وہ یہ کہہ کر یہ رقم لینے سے انکار کر دیتے کہ ان کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے ـــــ اور کبھی یہ بھی کہتے کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور بنی مروان کے درمیان فیصلہ نہ کر دے میں یہ رقم نہیں لوں گا۔

تارکِ دُنیا نہ تھے

دولت کے بارے میں ان کی تمام تر بے نیازیوں، زہد و تقویٰ اور عبادت گذاری، نیز دنیا سے کنارہ کشی کی تمام بہتر صفات کے باوجود کسی صورت سے ان کو تارک دنیا نہیں کہا جا سکتا ہے، وہ دنیا سے محبت تو نہیں کرتے تھے، اور نہ اپنی عبادت و طاعت کی راہ میں کسی طرح اس کو حائل ہونے دیتے تھے، تاہم وہ دنیا سے اتنے غافل بھی نہ رہتے تھے کہ دنیا ان کو ہڑپ کر جائے ـــــ اور مفلس و

قلاش ہونے کی وجہ سے اپنی عزت بھی قائم نہ رہ سکے ـــــ بلکہ وہ عزت
زندگی گزارنے، اپنے لوگوں کی کفالت کرنے اور دوسروں کے س
حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنے کے لیے دُنیا سے گہرا واسطہ بھی ر
تھے ـــــ اُنھوں نے کسبِ معاش کے لیے تجارت کا پیشہ اخ
کر رکھا تھا اور روغن زیتون اور دیگر اشیاء کی تجارت کیا کرتے تھے۔

بے ضرر عملی آدمی

سعید بن مسیّب کی زندگی کے حالات سے یہ بات تو ظاہر ہوتی
کہ وہ بنی مروان کے رویوں کو ناپسند کرتے تھے اور بنی اُمیّہ نے سلطنت
حصول اور اس کے استحکام کے لیے جو طریقے اختیار کیے تھے اس سے
ان کو نفرت تھی۔ لیکن اُنھوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار مخالف لوگوں
جماعتوں کا ساتھ دے کر نہیں کیا اور نہ کسی خفیہ سازش ہی میں کبھی شر
ہوئے ـــــ اُنھوں نے عبدالملک کی موجودگی میں ولید
ولیعہدی کی بیعت سے انکار کیا اور کوڑے کھائے قید کی سزائیں بھ
اور رسوائیاں مول لیں۔ لیکن عبدالملک کی موجودگی میں اس کے بیٹوں ک
ولی عہدی پر بیعت نہیں کی۔ پھر جب ولید خلیفہ منتخب ہو گیا تو
کی بیعت کر لی۔

چنانچہ بنی اُمیّہ سے ان کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھ
عبداللہ بن زبیر بھی ان کے بارے میں اپنے عہدے داروں کو یہ کہتے

تھے کہ ان سے نہ اُلجھو، یہ بے ضرر آدمی ہیں ——— بیعت نہ کریں جب بھی
مخالفت اور لڑائی نہیں کریں گے۔ اور عبدالملک کی بھی یہی رائے تھی کہ اگر وہ
بیعت نہیں کرتے ہیں تو نہ کریں۔ نہ امارت کے دعویدار ہو کر کھڑے ہوں گے
اور نہ کسی دعویدار کے ساتھ مل کر جنگ و قتال کریں گے ——— وہ بے ضرر
اور متقی و فقہی آدمی ہیں ——— اور بات بھی یہی ہے، کیونکہ جب کبھی
ان سے بنی اُمیّہ کے بارے میں کہا جاتا کہ آپ اپنی رائے بتائیے تو یہ کہتے تھے
میں ان کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو میرے رب نے مجھ سے کہلوایا ہے
اور وہ یہ ہے ربنا اغفر لنا ولاخواننا۔ اے ہمارے پروردگار ہماری
اور ہمارے بھائیوں کی مغفرت فرما ———

ہنگاموں سے بے تعلقی

سعید بن مسیّب کی زندگی کے مطالعہ سے ایک عام طالبعلم
بھی اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ اس وقت کا مسلم
معاشرہ اخلاقی، آئینی اور مذہبی بندھنوں میں پوری طرح
بندھا ہوا ہے۔ لوگ خدا ترس، علم دوست اور اسلام سے گہرا
جذباتی اور عملی لگاؤ رکھتے تھے، خلفاء بھی خدا ترس، انصاف
پسند اور متحمل مزاج تھے ——— ان کے اندر اگر کوئی بڑا عیب
پیدا ہو گیا تھا تو وہ صرف یہ تھا کہ وہ اقتدار کو اپنے اور صرف اپنی
اولاد کے لیے مخصوص کر دینے کی عجمی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے

جو اُن کے ارادے اور خواہش میں بقوت مزاحم نہ ہوتا تھا اس کے ساتھ ان کا رویہ بہت اچھا ہوتا تھا۔ البتہ جو مزاحمت کرتا تھا اس کے لیے وہ سخت ظالم اور بے رحم تھے اور وہ سیاسی طور پر بڑے ہوشیار تھے۔ ظلم کا کام خود سے نہیں بلکہ خوشامدی اور ناعاقبت اندیش عمال کے ذریعہ کراتے تھے۔ یہ اُن کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان کو ایسے لوگ میسر تھے جو اُن کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت بگاڑ لیتے تھے ــــــــ

سعید بن مسیب ابن اُمیہ کے اس طرزِ حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے اُنھوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کے لیے کیا تھا۔ اس پر بنی اُمیہ اور بنی مروان سے وہ سخت بیزار بھی تھے ــــــــ تاہم "نامزد خلفا" کی ملوکیت پسندی پر ملک میں جو ہنگامے کھڑے ہو رہے تھے اس سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ یزید کے انتخاب کو وہ صحیح نہیں سمجھتے لیکن جب یزید کی بیعت اور شہادتِ حسین کے بعد مدینہ میں ہنگامہ کھڑا ہوا ــــ اور لوگوں نے یزید کی بیعت کو توڑ کر عبد اللہ بن حنظلہ (غسیل ملائکہ) سے بیعت کر کے مدینہ میں موجود تمام بنو اُمیہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا ــــ جب وہ اس کارروائی میں ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے ــــــ
پھر جب یزید نے مسلم کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف فوج روانہ کی اور

اس فوج اور اہل مدینہ کے درمیان مقام حرہ پر شدید جنگ لڑی گئی جب بھی وہ اس میں شریک نہ ہوئے، پھر مسلم نے جب مدینہ کو فتح کر لیا اور تین دن اور تین راتیں اس میں لوٹ مچائی، اور قتل و غارت گری کی جب بھی وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے چمٹے رہے ــــــــ نہ ہی اُنھوں نے یزید کی بیعت کی اور نہ ہی وہاں سے ہٹے۔ طلحہ بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت سعید اُن لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز بھی پڑھتے تھے اور نماز عید کے لیے مسجد جاتے تھے، ہنگامے ہوتے رہے، لوٹ مچتی رہی، فتنے اُٹھتے رہے مگر وہ سب سے الگ تھلگ رہے کسی کا ساتھ نہ دیا۔ جب خود مکہ اور مدینہ بے امن ہو رہا تھا اس وقت بھی وہ مسجد میں گوشہ نشین تھے۔ الگ تھلگ مسجد میں رہتے تھے اور سوائے رات کے اور کسی وقت بھی مسجد سے نہیں نکلتے تھے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے اور مسجد ہی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔

سعید بن مسیب کے اس بے غرض اور بے ضرر مزاج سے حکمران طبقہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے کبھی ان سے بیعت لینے پر ضد نہ کی۔ ولید کے ولی عہد کے معاملے میں ہاشم نے جو سلوک کیا تھا عبدالملک اس پر ناراض ہوا تھا اور اس کو لکھا کہ وہ بے ضرر آدمی ہیں ان سے تعارض نہ کیا جائے ــــــــ تاہم بعض قرائن اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن زبیر کی نسبت بنو مرواں کو ترجیح دیتے تھے ــــــــ بنی اُمیہ سے بھی بیزار تھے لیکن کھل کر ان کے لیے دُعا نہیں کرتے

تھے ـــــــــ ایک مرتبہ کسی شخص نے کہا کہ آپ بنو اُمیہ کے حق میں بددعا کیجئے ـــــــــ اس پر اُنھوں نے یہ دُعا کی

"اے اللہ اپنے دین کو عزت دے، اپنے اولیاء کو غالب کر اور اُمتِ محمدیہؐ کی عافیت کے ساتھ اپنے دشمنوں کو رسوا کر۔"

حجاج بھی جو حکومت بنی اُمیہ کا اہم ترین ستون اور قابلِ اعتماد دست و بازو تھا وہ بھی ان سے تعارض نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ حجاج آپ کے ساتھ نہ تو کوئی بدمعاملگی اور بدتمیزی کرتا ہے ۔ نہ چھیڑتا ہے اور نہ ہی اذیت دیتا ہے ـــــــــ اُنھوں نے کہا اس کی کوئی اور وجہ تو نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک روز اپنے والد کے ساتھ مسجد آیا اور نماز پڑھی ۔ مگر اُس نے یہ نماز ایسی پڑھی جس میں وہ نہ تو پوری طرح رکوع کر رہا تھا اور نہ اچھی طرح سجدے اور قیام کر رہا تھا ـــــــــ یہ دیکھ کر میں نے مٹھی بھر سنگریزے لیے اور اسے مارا ـــــــــ ممکن ہے یہی بات اس کے اصلاحِ نماز کا سبب بن گئی ہو ـــــــــ کیونکہ حجاج نے بھی کئی موقعہ پر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ ہمیشہ اچھی نماز پڑھنے لگا۔ وہ اس کو فتنے کا دور سمجھتے تھے اس لیے بکثرت یہ کہا کرتے تھے :

اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ

اے اللہ محفوظ رکھ محفوظ رکھ

عبادت گزاری

سعید بن مسیب بڑے عبادت گزار زاہد تھے ــــــ نماز سے ان کو بڑا ہی گہرا شغف تھا ــــــ زیادہ تر وقت مسجد میں ہی گزارتے تھے ــــــ

ایک مرتبہ کسی موقعہ پر آپ نے یہ فرمایا:

"تیس سال سے اپنے گھر میں اپنے متعلقین میں رہ کر بھی میں نے اذان نہیں سُنی" ــ

یعنی اذان سے پہلے ہی وہ اپنے گھر سے اُٹھ کر مسجد میں چلے آتے تھے، اور آپ کے مسجد میں پہنچنے کے بعد ہی مسجد سے اذان ہوتی تھی۔

- ــــــ چالیس سال سے نماز باجماعت آپ کی کبھی فوت نہیں ہوئی۔
- ــــــ نماز کے بعد بھی آپ مسجد میں اتنی دیر تک رُکے رہتے تھے کہ تمام لوگ مسجد سے اُٹھ کر چلے جاتے تھے۔ اس طرح چالیس سال سے نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کے اندر ان سے کسی کی ملاقات نہیں ہوئی۔ یعنی اُس وقت تک مسجد کوئی ہوتا ہی نہیں تھا جب آپ ہوتے تھے۔
- ــــــ چالیس سال سے صفِ اوّل سے کبھی دوسری صف میں نہ ہوئے ــــــ نماز کے اس اہتمام کے باوجود آپ بازار میں زیادہ تر چلتے پھرتے تھے کیونکہ آپ کپڑے کے بیوپاری تھے۔

● ——— بادشاہ ہو یا کوئی عام آدمی اس کی جب آپ سے کوئی حاجت ہوتی تھی تو وہ مسجد ہی کا رُخ کرتا تھا اور وہیں آپ سے اُس کی ملاقات ہوتی تھی۔

● ——— آپ کی مسجد سے اس قدر دل چسپی تھی اور نماز سے آپ کو اس قدر عشق تھا کہ لوگوں نے ایک مرتبہ آپ کے عشق عبادت میں دیکھا اور کہا کہ اگر آپ جنگل میں ہوتے تو اس سے بھی بہتر ہوتا ——— کیونکہ صحرا میں تنہائی ہوتی ہے، جنگلی زندگی بے نیاز، بے غم، ہنگاموں سے خالی اور تمدنی ضروریات سے بے فکری کی ہوتی ہے، وہاں سورج بھی نہیں پہنچ پاتا ہے، تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔

سعید نے کہا کہ نہیں یہاں بھی تنہائی اور تاریکی میں گزر جائے گی۔

● ——— مسجد آتے جاتے آپ کبھی کبھی اپنی بیٹی کے گھر چلے جایا کرتے تھے ورنہ آپ مسجد سے آتے جاتے وقت کبھی کسی کے گھر نہیں جاتے تھے۔

● ——— ایک مرتبہ آپ کے غلام سے کسی نے پوچھا کہ سعید بن مسیب گھر میں کس طرح اور کتنی نماز پڑھتے ——— اس نے کہا کہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ اتنا ہے کہ واللہ آپ بہت نماز پڑھتے تھے۔ مسجد میں آپ کے نماز کے بارے میں تو ہم سب جانتے ہیں کہ نمازیں بہت پڑھتے تھے۔ گھر میں

بھی نمازیں زیادہ پڑھتے تھے اور نماز سے اگر فارغ ہوتے تو قرآن کی سورہ ص والقرآن ذی الذکر پڑھتے تھے۔

● ـــــــ عطار بیان کرتے ہیں کہ سعید بن مسیب جمعہ کے روز جب مسجد میں داخل ہوتے تھے، تو اس کے بعد اس وقت تک جب وہ خود نماز سے فارغ نہ ہولیں اور امام مسجد سے چلا نہ جائے، وہ کسی سے باتیں نہیں کرتے تھے ـــــــ نماز جمعہ کے بعد وہ چند رکعتیں مزید نماز پڑھا کرتے تھے ـــــــ اس کے بعد بیٹھنے والوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اس وقت جس شخص کو جو مسئلے مسائل پوچھنا ہوتا تھا ان سے پوچھتا تھا۔

● ـــــــ نماز سے آپ کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ حالت سفر میں اونٹ کے کجاوے پر ہی نمازِ نفل پڑھتے تھے ـــــــ نہیں تو قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے کہ لوگ رات کے وقت حالت سفر میں اونٹ پر قرآن پڑھنے سے سمجھ جاتے تھے کہ سعید بن مسیب کس طرف ہیں ـــــــ

● ـــــــ ایک مرتبہ بشر بن عاصم نے ان سے کہا کہ میرے چچا آپ مسجد سے نکل کر اور لوگوں سے مل جل کر لطف معاشرت تو اٹھائیے، دیکھئے کیسے کھانے پکتے ہیں۔

یہ سن کر انھوں نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میری پچیس یا پانچ نمازیں بھی کسی وجہ سے چھوٹ جائیں۔

● ــــــــــ سعید بن مسیب خود بیان کرتے ہیں کہ "لیالی حرہ" یعنی یزید کی مدینہ پر لشکر کشی کے زمانے میں میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا ہے کہ مسجد میں مخلوقِ خدا میں سے میرے سوا بعض مرتبہ کوئی نہ ہوتا تھا ــــــــــ اہل شام گروہ در گروہ مسجد کی زیارت کو آتے اور مجھے مسجد میں تنہا دیکھ کر کہتے کہ ذرا اس پاگل بڈھے کو تو دیکھو ــــــــــ

● ــــــــــ سعید بن مسیب اس موقعہ کی ایک عجیب بات یہ سناتے ہیں کہ اسی ایام حرہ کے زمانہ میں جب کسی نماز کا وقت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک سے اذان کی آواز آتی ــــــــــ اذان سننے کے بعد میں آگے بڑھتا اور اقامت کہہ کر نماز پڑھ لیتا۔ حالانکہ مسجد میں میرے سوا کوئی نہ ہوتا۔

● ــــــــــ حضرت سعید بن مسیب کو نماز کی طرح روزے سے بھی گہری دلچسپی تھی ــــــــــ وہ بعض موقعوں پر مسلسل روزے رکھتے تھے ــــــــــ جب آپ روزے سے ہوتے تو غروب آفتاب کے وقت آپ کے گھر سے پانی آتا جس کو پی کر آپ روزہ افطار کر لیتے تھے۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر اپنے معمولات کو پورا کر کے گھر جاتے تھے۔

● ——— کثرت نماز کے باوجود حضرت سعید اس بات کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے کہ صرف نماز اور روزے ہی کو عبادت سمجھا جائے اور دوسرے عمل و فکر کو عبادت نہ سمجھا جائے۔ ایک مرتبہ آپ کے غلام برد نے آپ سے کہا کہ یہ لوگ جو کرتے ہیں کیا اس سے بہتر بھی کوئی طریقۂ عبادت ہے؟ وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ سعید نے اپنے غلام برد سے پوچھا۔ برد نے کہا کہ ان میں سے ایک آدمی ظہر کی نماز پڑھتا ہے پھر عصر تک برابر اپنے دونوں پاؤں سیدھے کیے نماز پڑھتا رہتا ہے۔

سعید نے کہا اے برد افسوس ہے کہ تم اتنی سی بات بھی نہیں جانتے تھے کہ عبادت صرف یہ ہی نہیں ہے کہ آدمی بس نماز ہی پڑھتا چلا جائے اور اللہ تعالیٰ اور اُس کی قدرت اُس کے احکام کے بارے میں کچھ غور نہ کرے بلکہ عبادت یہ بھی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کے اوامر و نواہی پر غور کرے اور جن باتوں کو اُس نے حرام قرار دیا ہے اُس سے اجتناب کرے۔

● ——— آپ اپنی مجالس میں زیادہ تر جس بات پر زور دیتے تھے وہ اللہ کی یاد اور خوف تھا۔ آپ اپنے پاس آنے والے آپ کے لیے آپ ہی کے گھر سے شربت لایا جاتا تھا جس کو پی کر آپ روزہ افطار کرتے تھے اور اگر کبھی شربت نہ آتا تو پانی ہی سے افطار کر لیتے پھر گھر جا کر کھانا وغیرہ کھاتے۔

● رمضان شریف میں بھی آپ مسجد ہی میں روزہ افطار کرتے تھے ـــــــ جب آپ مسجد نبوی میں ہوتے تو اُس وقت تمام لوگوں کو اس بات کی لازماً تلقین کیا کرتے تھے۔

● ـــــــ آپ کی عام بہتر عادتوں میں چند عادتیں یہ بھی تھیں کہ آپ اشعار سننا تو پسند کرتے تھے لیکن شعر کہنا اور پڑھنا انھیں پسند نہ تھا ـــــــ اپنے ناخن بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ وہ اپنی مونچھیں مونڈواتے تو نہ تھے لیکن اس قدر باریک کترواتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ مونڈوائی گئی ہے۔

● ـــــــ ملنے والوں کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے ـــــــ
بہت زیادہ ہنسنا اور بلا وجہ ہنسنا پسند نہ کرتے تھے ـــــــ
جب پیشاب کرتے تو وضو کرتے اور جب وضو کرتے تو انگلیوں کا خلال کرتے۔ کبھی کبھی نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے پڑھا کرتے تھے ـــــــ اُونٹ پر سواری کی حالت میں نفل نماز اور تلاوت قرآن کیا کرتے تھے۔ ازار کے اندر جانگھیہ قسم کی چیز غرقی پہنا کرتے تھے۔ گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے ـــــــ عورتوں سے ڈرا کرتے تھے۔ آپ کا اپنا قول ہے:

"میں اسّی سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں۔ پھر بھی میرے نزدیک عورت سے زیادہ کوئی چیز خوفناک نہیں ہے۔"

سعید بن مسیب کے علم و فضل میں خواب اور اُس کی تعبیروں کا علم بھی شامل ہے ـــــــ خوابوں کی جو آپ تعبیر بتایا کرتے تھے واقعات کی

کی دنیا میں وہی ظاہر ہوا کرتا تھا۔ ان کو اس کا بھی علم تھا کہ کون آدمی کس طرح کا خواب دیکھ سکتا ہے۔

خواب اور تعبیریں

تعبیرات خواب کے سلسلے میں عمر بن حبیب بن قلیع اپنے ساتھ گزرا ہوا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

"ایک روز میں سعید بن مسیب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اے ابو محمد میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔

سعید: تم نے کیا خواب دیکھا ہے؟

نووارد: میں نے دیکھا کہ میں نے عبد الملک بن مروان کو پکڑ لیا ہے پھر اس کو زمین پر گرا کر منہ کے بل لٹا دیا ہے، اس کے بعد اس کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں۔

سعید: یہ خواب تم نے نہیں دیکھا ہے۔

نووارد: نہیں میں نے ہی دیکھا ہے۔

سعید: میں تم کو اس خواب کی تعبیر اُس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک تم یہ نہ بتادو گے کہ یہ خواب کس نے دیکھا ہے؟

نووارد: یہ خواب عبد اللہ بن زبیر نے دیکھا ہے" اور اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے انھوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔

سعید: ہاں اب تم نے ٹھیک بتایا ــــــ تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ عبد الملک بن مروان ان کو قتل کر دے گا اور عبد الملک کی پشت سے چار بیٹے ہوں گے اور وہ سب کے سب خلیفہ پیدا ہوں گے ــــــ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یہ تعبیر حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی ــــــ

اور عمر بن حبیب کو اس مجلس میں بیٹھنے اور اس خواب اور اس کی تعبیر سننے کا یہ فائدہ ہوا کہ ان کی غربت دور ہو گی۔ قرض ادا ہو گیا اور بڑا خیر حاصل ہو گیا ــــــ اس کی تفصیلات وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ کی یہ بات ہے میں سخت بدحالی میں مبتلا تھا۔ قرضوں میں جکڑا گیا تھا اور حالات کی الجھنوں میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میں سعید بن مسیب کی اس مجلس سے اُٹھ کر کہاں جاؤں گا۔ اور کیا کروں گا ــــــ چنانچہ یہ خواب اور اُس کی تعبیر سن کر فوراً ہی میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ــــــ

اور میں یہاں سے اُٹھ کر عبد الملک سے ملنے کا پروگرام بنا کر شام دار الخلافہ روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچتے ہی عبد الملک بن مروان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو کامیابی کی مبارک دی۔ پھر خواب اور اس کی تعبیر کا واقعہ اس کو سنایا۔ سعید بن مسیب کے اس علم اور صلاحیت کا وہ پہلے ہی معترف

تھا اس نے جو یہ تعبیر سنی تو بہت ہی خوش ہوا۔ پھر سعید کی خیریت دریافت کرنے لگا۔ میں نے تمام حالات بیان کیے اور اُن کے بخیر و عافیت ہونے کی اطلاع دی ۔۔۔ ۔۔۔ عبدالملک بن مروان نے اس کے بعد مجھے بھی بہت کچھ عنایت کیا ۔۔۔ میرا قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور اُس سے مجھے بڑا خیر و فلاح حاصل ہوا ۔۔۔

اسی طرح ایک شخص نے سعید بن مسیب کے سامنے اپنا یہ خواب بتایا کہ :

میں نے عبدالملک بن مروان کو مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قبلے میں چار مرتبہ پیشاب کرتے ہوئے خواب میں دیکھا ہے۔

سعید بن مسیب نے اُس شخص سے کہا کہ :

تم نے جو کچھ میرے سامنے بیان کیا ہے بالکل ٹھیک اور سچ ہے یعنی غلط بیانی نہیں کی ہے بلکہ یہی خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ :

عبدالملک کے چار بیٹے ہوں گے اور چاروں خلیفہ ہوں گے اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلے میں کھڑے ہوں گے۔

شریک بن ابی نمر نے اپنا ایک خواب سعید سے بیان کیا اور اس کی تعبیر مانگی۔ خواب یہ تھا کہ :

"میرے سارے دانت ٹوٹ کر ہاتھ میں آ گئے ہیں۔ جن کو انھوں نے زمین میں دفن کر دیا ہے۔"

سعید نے اس خواب کو سننے کے بعد یہ کہا کہ:

"اگر تم نے خواب صحیح بیان کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم اپنے خاندان کے ہم سن لوگوں کو دفن کرو گے۔ یعنی تمھاری عمر اتنی دراز ہو گی کہ تمھارے سامنے تمھارے خاندان والے مر جائیں گے۔"

ایک شخص نے سعید بن مسیب کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ:

"وہ اپنے ہاتھ پر پیشاب کر رہا ہے۔"

سعید بن مسیب نے یہ سن کر کہا:

"خدا سے ڈرو کیونکہ تمھارے نکاح میں کوئی محرم ہے۔"

سخت پریشان ہوا اور اس کی تلاش و جستجو کی تو معلوم ہوا کہ اس کے اس کی بیوی کے درمیان رضاعت کا تعلق ہے۔ یعنی جس عورت نے اس کو دودھ پلایا تھا اسی نے اس کی بیوی کو بھی دودھ پلایا تھا ـــــــ

اسی صورت سے ایک شخص نے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ:

"میں زیتون کی درخت کی جڑ میں پیشاب کر رہا ہوں۔"

سعید بن مسیب نے کہا:

"غور کرو کہ تمھارے نکاح میں کون ہے۔ معلوم ہوتا

ہے کہ تمہارے نکاح میں کوئی محرم ہے۔"

اُس نے تحقیقات کی تو معلوم ہُوا کہ اُس کی بیوی وہ ہے جس سے اُس کا نکاح حلال نہ تھا ———

ایک شخص نے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ:

"میں نے دیکھا کہ ایک کبوتری مسجد کے مینار سے گر پڑی۔"

اس کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ:

"حجاج بن یوسف عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی لڑکی سے شادی کرے گا۔"

ایک شخص عبداللہ بن سیب کے پاس آیا اور اپنا یہ خواب بیان کیا کہ:

"میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بجرا تبیہ سے دوڑتا ہُوا آیا اور اُس نے کہا کہ مجھے ذبح کرو، ذبح کرو۔"

اُس نے کہا کہ بجرے کے کہنے پر میں نے اس کو ذبح کر دیا۔

سعید نے اس کی یہ تعبیر بتائی کہ:

"ابن ام صلاء مر گیا ———"

ابھی خواب دیکھنے والا ان کے پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ اطلاع ملی کہ ابن ام صلاء مر گیا ہے۔ ابن ام صلاء اہلِ مدینہ کے موالی میں سے تھا اور اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ چغل خور ہے۔ لوگوں کی چغلیاں کھایا کرتا تھا۔

قبیلہ فہم کا ایک شخص ایک دن آپ کے پاس آیا اور اپنا یہ خواب بیان کیا کہ:

"وہ آگ میں گھسا ہے۔"

سعید بن مسیب نے یہ خواب سن کر کہا :

اگر تم نے اپنا خواب صحیح بیان کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ "تم کو اُس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک تم بحری سفر نہ کر لو اور تم کو موت قتل کے ذریعہ آئے گی ـــــ یعنی تم قتل کیے جاؤ گے۔"

یہ تعبیر بھی صحیح ثابت ہوئی ـــــ موت سے پہلے اُس کو بحری سفر کرنا پڑا۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد جنگ قدید میں تلوار سے قتل کیا گیا۔

حصین بن نوفل بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ :

"میرے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اس لیے مجھے اولاد کی طلب تھی۔ میں بے اولادی کی حالت ہی میں تھا کہ ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ میری گود میں انڈا ڈال دیا گیا ہے۔ اور یہ جس مرغی کا انڈا ہے وہ مرغی غیر عربی یعنی عجمی ہے ـــــ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ اپنا خواب جب سعید بن مسیب سے بیان کیا تو آپ نے تعبیر یہ بتائی کہ :

"تمہارے ہاں اولاد ہو گی، لیکن یہ اولاد تم کو کسی عجمی عورت سے ہو گی کیونکہ مرغی عجمی ہے لہٰذا تم عجم میں رشتہ تلاش کرو۔"

وہ کہتے ہیں کہ اس تعبیر اور مشورے کے بعد میں نے ایک باندی خریدی جس سے میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ :

"میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں پھر اُٹھ کر دھوپ میں چلا گیا"

ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمہارا خواب سچا ہے تو :

"تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤ گے۔"

یہ سن کر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی کہ :

"مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا۔ لیکن پھر میں موقعہ پاکر نکل آیا"

اس وقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترمیم کر دی کہ :

"تم کفر پر مجبور کیے جاؤ گے"

یہ تعبیر بھی بالکل صحیح نکلی کہ :

"یہ شخص خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہو کر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا۔ لیکن پھر چھوٹ کر مدینہ واپس آیا"

اسی طرح کے بہت سے خواب اور ان کی تعبیرات کے بہت سے واقعات منقول ہیں جن کی تفصیلات میں اس وقت جانا مشکل ہے۔ تاہم خواب اور ان کی تعبیرات کے بارے میں جو چند اصول اُنھوں نے بتائے ہیں ان کا ذکر کر دینا برمحل ہوگا۔

چند خاص باتیں

- ——— سعید بن مسیب کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص خواب دیکھتا تھا اور آپ سے بیان کرتا تھا تو آپ تعبیر بتانے سے پہلے کہتے تھے کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔
- ——— آپ کہا کرتے تھے کہ خواب میں خشک کھجور دیکھنے سے ہر حال میں رزق مراد ہے اور تر کھجور دیکھنے سے اس کے موسم ہی میں رزق مراد ہے۔
- ——— چالیس سال اور اس کے بعد کی عمر میں دیکھا جانے والا خواب اور اس کی تعبیر اکثر درست ہوتی ہے۔
- ——— خواب میں بیری دیکھنا ثبات دین کی علامت ہے۔

——— کہا جاتا ہے کہ سعید بن مسیب سے بڑھ کر خواب کی تعبیر جاننے والا کوئی نہ تھا ——— آپ نے یہ علم اسما بنت ابوبکر سے حاصل کیا تھا اور حضرت اسما نے یہ علم اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے حاصل کیا تھا۔

- ——— آپ کہا کرتے تھے کہ خواب کی تعبیر کبھی تاخیر سے بھی ملتی ہے اور اس کی مدت چالیس سال تک ہے۔

بددُعا سے مُنہ کالا ہوگیا

ایک مرتبہ سعید بن مسیب نے علی بن زید سے کہا کہ ذرا تم اس شخص کا چہرہ تو دیکھو جو تمھارے اُونٹ کی نکیل اُٹھائے تمھاری قیادت کر رہا ہے۔ چنانچہ علی بن زید ان سے یہ سُن کر اس شخص کے پاس گئے اور دیکھا کہ وہ شخص کالا حبشی جیسا ہے لیکن اس کا جسم سفید اور گورا ہے۔ اُنھوں نے حضرت سعید سے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا وہ شخص اپنے چہرے سے تو بالکل سیاہ حبشی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے جسم کے باقی حصّے تو سفید ہیں ——— سعید نے کہا کہ میری بددُعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا کر دیا ہے۔ پھر اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ اس شخص نے میرے منہ پر حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو گالیاں دیں۔ میں نے اس کو منع کیا کہ ان کو گالیاں نہ دیا کرو۔ لیکن وہ نہ مانا تو میں نے اس کے حق میں بددُعا کی کہ اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تیرا منہ کالا کرے ——— خدا کا کرنا ہُوا کہ اس کے چہرے پر ایک پھوڑا نکلا جس سے اس کا چہرہ کالا ہو گیا۔

نمونے کی شادی

دولت سے بے نیازی، اقتدار کی قربت سے اجتناب کی ایسی مثال بہت کم سنی ہوگی، اور ایثار، ہمدردی، سادگی۔ ایسا واقعہ شاید ہی تاریخ میں جگہ پاسکا ہوگا جس کی تخلیق سعید بن مسیب نے کی۔

سعید بن مسیب کی ایک لڑکی نہایت حسین وجمیل اور تعلیم یافتہ تھی۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان اس لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اپنے ولی عہد کے لیے ابن مسیب کے پاس پیغام بھیجا، مگر انھوں نے انکار کر دیا ــــــ عبدالملک نے بہت دباؤ ڈالا، اور مختلف قسم کی ان کے ساتھ زیادتیاں بھی اسی جذبے کے تحت کیں پھر بھی وہ اپنے انکار پر قائم رہے اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی اور غریب آدمی ابو وداعہ کے ساتھ اس لڑکی کی شادی کر دی۔

ابو وداعہ نے اپنی اس شادی خانہ آبادی کا، ــــــ جو خود ان کے لیے باعثِ حیرت وشادمانی تھی" واقعہ بیان کیا کہ،

"میں سعید بن مسیب کے پاس پابندی سے جا کر بیٹھا کرتا تھا۔
ایک مرتبہ چند دنوں کی غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا تو ابنِ مسیب نے پوچھا اتنے دن تک غائب رہے؟ خیریت تو تھی؟

میں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے حاضر نہ ہو سکا۔

فرمایا مجھے کیوں خبر نہ دی، میں بھی تجہیز وتکفین میں شریک ہوتا میں خاموش رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جب میں اُٹھنے لگا تو اُنھوں نے کہا تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کر لیا؟

میں نے جواب دیا۔ میں غریب ونادار دو چار پیسے کی حیثیت کا

آدمی ہوں میرے ساتھ کون شادی کرے گا؟

فرمایا۔ میں کروں گا ــــــ تم تیار ہو۔

میں نے کہا بہت اچھا ــــــ سعید بن مسیب نے اسی وقت دو یا تین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔

میں وہاں سے اُٹھا تو فرطِ مسرت میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں؟ گھر پہنچ کر رخصتی کے لیے قرض کی فکر میں پڑ گیا۔

ادھر شام ہوئی تو سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی اور دو رکعت لڑکی سے پڑھوائی، اس کے بعد اس کو لیے ہوئے میرے گھر پہنچے۔

ابو وداعہ (داماد) کہتے ہیں کہ جس وقت سعید بن مسیب اپنی لڑکی کو لیے ہوئے ان کے گھر پہنچے، مغرب ہو چکی تھی اور میں روزہ افطار کرنے جا رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے۔ جواب ملا سعید۔

میں سوچنے لگا کہ سعید بن مسیب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے جاتے ہی نہیں ہیں یہ سعید کون ہیں؟ بہرحال اُٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ واقعی سعید بن مسیب ہیں۔ انھیں دیکھ کر میں نے کہا آپ نے کیوں زحمت گوارا کی مجھے بلا بھیجا ہوتا ــــــ

فرمایا نہیں مجھے تمھارے پاس آنا چاہیئے تھا۔

میں نے کہا فرمایئے کیا ارشاد ہے

فرمایا تم مجرد آدمی تھے اور تمھاری بیوی موجود تھی۔ میں نے خیال کیا تمھارا رات

کیوں بسر کرو۔ اس لیے تمھاری بیوی کو لے کر آیا ہوں، لو یہ تمھاری بیوی ہے۔
وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اس کو دروازے کے اندر کر کے
باہر سے دروازہ بند کر لیا ــــــ میری بیوی شرم سے گر پڑی میں نے اندر
سے دروازہ بند کر لیا ــــــ اس کے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں
کو پکارا اور ان کے سامنے شادی کا اعلان کیا۔ کہ آج سعید بن مسیب نے
اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا اور رات سے میرے گھر پہنچا گئے ہیں۔ میری
ماں کو خبر ہوئی تو اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر بغیر سنوارے ہوئے تم اس کے
پاس گئے تو تمھارے چہرے پر نظر نہ ڈالوں گی ــــــ چنانچہ تین دن تک
اُنھوں نے دستور کے مطابق بنایا سنوارا۔ بننے سنورنے کے بعد میں نے اس
کو دیکھا تو وہ نہایت حسین، کتاب اللہ کی حافظ، سنت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی عالم اور حقوق شوہر کی واقف کار عورت نکلی۔

نام کا اثر زندگی پر

سعید بن مسیب بن حزن بن ابی وہب بڑے جلیل القدر تابعی تھے،
اور ان نفوس قدسیہ میں تھے جو اپنے علم و عمل کے اعتبار سے ساری
دنیائے اسلام کے امام اور مقتدی مانے جاتے تھے، ان کی ایک بڑی خصوصیت
یہ بھی تھی کہ ان کے والد مسیب اور ان کے دادا حزن دونوں صحابی تھے۔
فتح مکہ کے دن مشرف با اسلام ہوئے تھے ــــــ حضور سید عالم نور مجسم
صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ناموں کو جن کے ناموں میں برائی کا پہلو نکلتا ہو پسند نہ

فرماتے تھے، اس لیے ان کے دادا جن کا نام حزن تھا اور حزن کے معنی غم کے ہیں بدل کر آپ نے سہیل رکھنا چاہا ـــــــ لیکن حزن نے جن میں اس وقت تک قدامت پرستی کا جذبہ باقی تھا نام کی تبدیلی پر یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ نام والدین کا رکھا ہوا ہے اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں اس لیے اس کو نہ بدلیے، ان کے عذر پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی نام رہنے دیا۔

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ کاش میرے والد ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق اپنا نام تبدیل کر لیتے ـــــــ وہ کہتے ہیں کہ اس نام ہی کی تاثیر ہے کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غم اور حزن چھایا رہا۔

ذوقِ سخن

یہ حقیقت ہے کہ سعید بن مسیب اسلام کے چیدہ اور جلیل بزرگوں میں سے ایک تھے ـــــــ وہ قرآن خوب سمجھتے تھے لیکن اس کی تفسیر بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے ـــــــ آیات قرآن کی تفسیر وتاویل میں کبھی لب کشائی نہ کرتے تھے، جب ان سے قرآن کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو یہی جواب دیتے کہ میں قرآن میں کچھ نہ کہوں گا ـــــــ البتہ حدیث رسول کا انھیں خاص ذوق تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے وہ کئی کئی رات اور کئی کئی دن سفر کرتے رہتے تھے اور انھوں نے اجل اور اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے حدیث رسول کی تعلیم حاصل کی ـــــــ اور فقہ تو ان کا خاص فن تھا۔ وہ مدینہ کے مشہور قضاۃ میں سے تھے۔

ان تمام تر ذوق علم و عمل اور خالص مذہبی بزرگ ہونے کے باوجود حضرت سعید بن مسیب کو شعر و سخن کا خاصا ذوق تھا وہ مذاق شعر و شاعری کو خلاف تقویٰ نہیں سمجھتے تھے ۔کسی نے آپ سے کہا کہ عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شعر و شاعری کو بُرا سمجھتے ہیں ——— فرمایا ان لوگوں نے عجمی تنقشف اختیار کر لیا ہے ——— تاہم وہ خود شعر نہیں کہتے تھے لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے ۔

بہترین کلمات

سعید بن مسیب چونکہ بڑے عالم جلیل القدر تابعی اور باعمل انسان تھے اس لیے ان کی باتیں حکمت کے موتی اور اقوالِ حکیمانہ ہوتے تھے ۔ان کا ایک ایک جملہ انمول، پند و موعظت سے بھرا ہوا اور حکمت و دانائی کا دفتر ہوتا تھا۔آپ نے چند اقوال یہ ہیں

فرماتے ہیں :

- ——— جب شیطان کسی معاملہ میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کو پورا کرنے اور انسان کو شکست دینے کے لیے عورتوں کو استعمال کرتا ہے اور ان کے ذریعہ کام کراتا ہے ۔
- ——— خدا کی اطاعت کرنا بندوں کے لیے اپنے نفس کی سب سے بڑی عزت کرتا ہے ——— اور اس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہے ۔
- ——— دنیا ایک فرومایہ شے ہے اور ہر اس فرومایہ کی طرف مائل

ہے جو بغیر حق کے اسے حاصل کرتا ہے، بے جا وسیلوں سے طلب کرتا ہے اور بے محل صرف کرتا ہے۔

- اس دولت دنیا میں کوئی خیر نہیں جس کو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلہ رحمی کرے۔
- ظلم کے اعوان وانصار کو جب بھی دیکھو تو دل سے ان کے مظالم سے نفرت کرو تاکہ تمھارے اچھے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔
- تمام انسان خدا کی پناہ و نگرانی میں اعمال کرتے ہیں جب خدا انھیں رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنی پناہ و نگرانی سے نکال دیتا ہے، اس وقت لوگوں میں اس کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔
- کوئی شریف کوئی عالم اور کوئی باکمال ایسا نہیں جس میں کوئی عیب نہ ہو ـــــ لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے عیوب بیان نہ کرنے چاہئیں، اور یہ وہ ہیں جن کی خوبیاں ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں۔
- عبادت نام ہے امور الٰہی میں غور و فکر کرنے کا اور اس کے محارم سے بچنے کا۔
- عورت مرد کی کمزوری ہے، ہر عمر میں اس سے

ڈرنا چاہیئے۔ میں اپنے نفس کے بارے میں سب سے زیادہ عورتوں سے ڈرتا ہوں۔

سعید بن مسیب نے بتایا کہ:

"جو شخص صبح وشام سلام علی نوح فی العالمین کہتا ہے اسے سانپ، بچھو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتے"

غیبی دعا

حضرت سعید بن مسیب اسی دوران میں جبکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضہ انور کے قریب مقیم تھے اور سیاسی حالات اور فتنہ وفساد کی وجہ سے سخت پریشان تھے، ایک آواز آئی جس میں کوئی شخص ان کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اے سیب تم اس طرح ان کلمات کے ذریعہ دعا کیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَمَا تَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ يَكُوْنُ۔

سعید بن مسیب کا خود بیان ہے کہ واللہ میں نے جس مصیبت اور تکلیف کے وقت ان کلموں کو کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں فراخی اور سہولت عنایت فرمائی۔

عامر بن شراحیل الشعبی

امام عصر

عامر بن شراحیل الشعبی

باکمال عالم اور قاضی

اور

بیخوف مجاہد

"فساد کو مٹانا، عدل قائم کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ ظلم جہاں کہیں بھی ہو رہا ہو اور جن ہاتھوں سے بھی ہو رہا ہے، اس کو گوارا کر لینا مسلمانوں کو نہیں سکھایا گیا ہے۔ حجاج بن یوسف نے ظلم کی تاریخ بنائی تو امام شعبی اور دیگر اکابر تابعین نے عزیمت کی بلند پایہ مثالیں قائم کیں۔ علم و عمل کے لیے بے عمل علم جہل ہے ـــــ امام شعبی امام عصر تھے۔ درس، فتوے، سفارت اور منصب قضا ہر کام میں امام وقت مانے گئے ـــــ لیکن علم کو جب عمل کے ترازو پر تولنے کا موقع آیا تو اس میں بھی اُن کے عمل کا ترازو بھاری ثابت ہُوا۔ اُنھوں نے جابر اور سفاک حکمران کے منہ پر سچ کہہ دیا اور کامیاب ہو گئے۔"

جنگی تقریریں

"اے مسلمانو! دشمنوں سے لڑو، ان سے لڑنے میں آپ کو کسی قسم کا باک نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ تمام روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو ان سے زیادہ ظالم اور جفا جو ہو، آپ لوگوں کو ان پر بڑھ کر حملہ کرنا چاہیئے۔" (شعبی)

"آپ لوگ اپنے دین و دنیا کی حفاظت کے لیے جنگ کیجیے بخدا اگر دشمن نے آپ پر فتح پائی تو نہ صرف آپ کے مذہب میں فساد پھیلائے گا بلکہ آپ کے مال و اسباب اور جائیداد پر قبضہ کرلے گا۔" (ابو البختری)

"آپ لوگ دشمنوں سے لڑیں اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ان کے خلاف لڑنے میں آپ کا شمار کسی طرح گنہگاروں میں نہ ہوگا، بلکہ آپ تو ان کے معاصی، ان کے مظالم، مذہب اسلام میں ان کی بے جا مداخلت اور بدعات کے خلاف لڑیں

گے ــــــ آپ جن کے خلاف اپنی تلواریں اُٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے کمزوروں کو ذلیل اور نماز کو مردہ کر دیا ہے۔ (سعید بن جبیر)

یہ تین اور دوسرے بہت سے علمائے حق جن میں ابوالبختری الطائی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی اور دوسرے ۱۵ اکابرین قریش شامل ہیں۔ حجاج بن یوسف کے ظلم کے خلاف علم بغاوت بُلند کر کے تاریخ اسلام میں یہ نظیر قائم کر دی ہے کہ کسی بھی ظالم اور جفا کار حکومت کے خلاف کھلی بغاوت کی جا سکتی ہے۔ گرچہ حکمران اپنے کو مسلمان اور اسلام کے داعی اور حق کا علمبردار کہتا اور سمجھتا ہو ــــــ لیکن اس کے عمل و دخل سے اگر شرعی نظام پامال، عدل و انصاف، ملیامیت اور سکون و اطمینان غارت ہو کر رہ گیا ہو ــــــ اس نے دین میں بیجا مداخلت، خون مسلم کو ارزاں اور خدا کے باغیانہ روش کو اپنا وطیرہ بنا لیا ہو تو مسلح بغاوت کر کے ایسے حکمرانوں کو اقتدار سے ہٹایا جا سکتا ہے۔

اگرچہ یہ جنگ براہ راست حکومت کے خلاف نہ تھی بلکہ حکومت کے مقرر کردہ ایک ایسے اعلیٰ ترین حاکم کے خلاف تھی جو حکومت کا دست بازو تھا۔ اور پوری مملکتِ اسلامیہ پر اپنی بعض صلاحیتوں کی وجہ سے چھایا ہُوا تھا ــــــ یہ تھا تاریخ اسلام کا نامور ایڈمنسٹریٹر حجاج بن یوسف۔

سیاسی پہلو

امام شعبی کی زندگی کا یہ سیاسی پہلو اس وقت کھل کر سامنے آیا جب حجاج کے ظلم و زیادتی نے لوگوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا ـــــ ملک میں ایک عام بے چینی پائی جاتی تھی ـــــ اور حالات صاف بتا رہے تھے کہ کچھ ہو کر رہے گا ـــــ حالات کی اسی سنگینی کے زمانہ میں حجاج بن یوسف اور عبدالرحمٰن بن اشعث کا اختلاف ہو گیا اور اس اختلاف نے رفتہ رفتہ جنگ کی صورت اختیار کر لی اور یہ جنگ فوجی سطح سے نکل کر عوامی سطح میں پہنچ گئی اور کوفہ، بصرہ اور عراق کے لوگوں نے اس میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور نہ صرف یہ کہ اس جنگ میں عام لوگوں نے حصہ لیا اور فریق مخالف بن کر سامنے آئے بلکہ خواص، ممتاز تابعیں علماء، قراء اور صاحب فہم و دانش بھی اس جنگ میں کود پڑے۔

پہلا معرکہ

عبدالرحمٰن بن اشعث اور حجاج کی فوجوں کے درمیان جب پہلا زبردست معرکہ تستر کے مقام پر ہوا تو اس جنگ میں حجاج کی فوج کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا ـــــ یہاں سے حجاج زادیہ پہنچا اور یہاں جنگ کی تیاریاں ہوئیں اور معمولی سی جھڑپ کے بعد عبدالرحمٰن اپنی فوج کے ساتھ بصرہ میں داخل ہو گئے ـــــ بصرہ کے لوگوں نے ابن اشعث

کا پرتپاک خیر مقدم کیا ——— اور تمام لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ——— حتیٰ کہ قاریوں کی جماعت نے بھی جن میں امام شعبی شامل ہیں اس کا ساتھ دیا اور تمام دوسرے لوگ بھی جو جنگ کے قابل تھے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ——— کیونکہ حجاج کے ظلم سے تنگ آ کر یہ لوگ حجاج سے جنگ کرنے کیلئے پہلے ہی سے پر تول رہے تھے اور اس جلتی پر ایک ایک اور واقعہ نے جو تیل ڈال دیا جس سے وہ بھڑک اُٹھے تھے اور جنگ میں ابن اشعث کا ساتھ دینے کے لیے فوراً تیار ہو گئے تھے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ بصرہ کے عمال نے حجاج کو یہ اطلاع دی تھی کہ خراج کی آمدنی بند ہو گئی ہے بہت سے ذمی مسلمان ہو گئے ہیں اور شہروں میں آباد ہو گئے ہیں ———

اس اطلاع پر حجاج نے اسلام کے مطابق کوئی منصفانہ کارروائی کرنے کے بجائے یہ حکم جاری کر دیا کہ وہ تمام لوگ جن کے پاس گاؤں یا مواضعات، اراضی یا باغات ہوں وہ فوراً گاؤں واپس چلے جائیں اور شہر خالی کر دیں ———

اس کے بعد اس نے سخت گیر قسم کے لوگوں کو خراج کی وصولی پر مامور کر دیا جو سختی سے خراج وصول کرنے لگے ——— اس صورتِ حال سے وہاں کے لوگ سخت پریشان ہو گئے آہ وزاری کرنے لگے اور **یا محمداہ یا محمداہ** پکارنے لگے اور ایسے پریشان ہوئے کہ دامنِ رحمت تلاش کرنے لگے تاکہ اس میں پناہ لے سکیں۔ بصرہ کے اہلِ علم و دانش ان حالات کو دیکھ دیکھ کر روتے تھے ——— انہی حالات میں جب لوگوں کا غصہ بھڑکا ہوا تھا اور وہ کسی کے ساتھ مل کر اپنے جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کرنا چاہتے تھے کہ عبدالرحمٰن بن اشعث

حجاج سے جنگ کرتا ہوا بصرہ میں داخل ہو گیا۔ ان کے لیے یہ بہترین موقعہ تھا۔ چنانچہ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن لوگوں نے جو صورتِ حال سے پریشان تھے۔ فوراً اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ——— اور اب عوام کا غصہ حجاج سے بڑھ کر عبد الملک بن مروان تک جا پہنچا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اصل مجرم وہی ہے جس نے جان بوجھ کر حجاج کو تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ہے ——— بصرہ کے قریب دیر جماجم میں دونوں طرف فوجیں جمع ہو گئیں اس موقعہ پر ابن اشعث کے ساتھ تقریباً دو لاکھ جنگجو تھے۔ ——— دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے گرد خندقیں کھود لیں اور خندقوں سے نکل نکل کر جنگ کرنے لگے ——— اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا معرکہ جنگ و قتال میں سختی آتی جاتی ———

دانش وروں کی کوشش

جب اس کی اطلاع اہلِ شام اور قریش کے سربرآوردہ لوگوں کو ہوئی تو وہ اور دوسرے لوگ عبد الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تجویز پیش کی کہ حجاج کے خلاف چونکہ لوگوں کے جذبات شدید ہیں اگر حجاج کو موقوف کر دیا جائے تو بہت زیادہ امکان ہے کہ یہ جنگ فرو ہو جائے۔ ہمارے خیال میں حجاج کا برطرف کر دینا ان سے لڑنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ اس لیے آپ حجاج کو عراق کی گورنری سے برطرف کر دیجئے، اہل عراق پہلے کی طرح آپ کے مطیع و فرمانبردار بن

بن جائیں گے اور ہماری اور اُن کی جانیں بھی سلامت رہیں گی۔

تجویز سے اتفاق

عبدالملک بن مروان نے اس تجویز سے اتفاق کیا، اور اس مقصد کے لیے اپنے بیٹے عبداللہ کو بلایا اور اپنے بھائی محمد بن مروان کو جو اس وقت موصل میں تھا بُلا بھیجا ——— یہ دونوں جب آ گئے تو اُس نے اُن سے کہا کہ تم ہمارے نمائندہ بن کر اہلِ عراق کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم حجّاج کو برطرف کرتے ہیں اور تمھیں بھی اسی طرح باقاعدہ وظیفے ملا کریں گے جس طرح شامیوں کو ملتے ہیں۔ اور عبداللہ بن اشعث عراق کے جس شہر کو پسند کریں وہاں چلے جائیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اور خلیفہ ہوں، اُس وقت تک وہ اس شہر کے حاکم رہیں۔ اگر اہلِ عراق ان شرائط کو قبول کر لیں تو حجاج کو موقوف کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ محمد بن مروان عراق کے گورنر ہوں، اور اگر عراقی ان مراعات کو نامنظور کر دیں تو پھر حجاج ہی اہلِ شام کی جماعت کا سربراہ رہے گا اور تمام جنگی مہمات کا انتظام کرے گا۔ اور تم دونوں بھی اس کے ماتحت رہو گے اور اس کے احکام کی تعمیل کرو گے۔

دیر جماجم میں مقابلہ

جس وقت یہ دونوں عراق پہنچے اس وقت دیر جماجم میں دونوں فوجیں صف آرا تھیں اور ان کے گرد خندقیں کھودی ہوئی تھیں ——— پہلے

عبدالملک کا بیٹا میدان میں نکل کر اہل عراق کے سامنے آیا اور عراقیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں عبداللہ امیر المومنین کا بیٹا ہوں۔ امیر المومنین نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ آپ کو یہ مراعات دینا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد محمد بن مروان ان کے سامنے آیا اور اُس نے عراقیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں امیر المومنین کا قاصد ہوں۔ امیر المومنین نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے ــــــ اور یہ مراعات آپ کو دی ہیں۔ پھر اُن مراعات کو بیان کر دیا ہے جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔

جذبات کی تیزی کام بگاڑ گئی

امیر المومنین عبدالملک بن مروان کا یہ پیغام سن کر لوگوں نے کہا کہ آج شب ہم اس پر غور کریں گے ــــــ چنانچہ بلا استثناء تمام اہل عراق رات کے وقت ابن الاشعث کے پاس ان شرائط پر غور و خوض کرنے کے لیے جمع ہوئے ــــــ ابن الاشعث کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں آج ایک ایسا موقع ملا ہے جس سے تم کو فوراً فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اگر اس زریں موقعہ کو آج ہاتھ سے جانے دیا گیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کل تم کو کفِ افسوس ملنا پڑے ــــــ دیکھو آج ہمارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان برابری پر فیصلہ ہو رہا ہے ــــــ کل اگر تم نے جنگ زاویہ میں شکست کھائی تھی تو جنگ تستر میں تمہارے دشمنوں کو بھی تمہارے ہاتھوں سے

شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا ـــــــــ اس لیے میری دانست میں بہتر یہی ہے کہ جو شرائط تمھارے سامنے پیش کی گئی ہیں اسے فوراً قبول کر لو ـــــــــ جہاں تک اخلاقی نقطۂ نظر کا تعلق ہے تمھارا پلہ اس لحاظ سے بھاری ہے، اور سیاسی اعتبار سے بھی تم ہی لوگ اُس وقت وزن دار ہو، غالب اور فتح مند تم ہی سمجھے جاتے ہو، تمھارے دشمن تم سے خوف زدہ ہیں کیونکہ تم ان کو بھاری نقصان پہنچا چکے ہو ـــــــــ اس لیے اگر آج ان شرائط پر صلح کر لی جاتی ہے تو پھر ہمیشہ تم ہی ان پر دلیر رہو گے اور تمھاری ہی بات ان کے نزدیک وزن دار ہو گی ـــــــــ

یہ تقریر تمام تر خوبیوں کے باوجود مجمع عام میں لوگوں کو اچھی نہیں لگی اور حجّاج کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت کے شدید خدشات پائے جاتے تھے ـــــــــ اور ان کو اس سے اس قدر شدید عداوت اور بغض تھا کہ اُس نے صلح و خیر کا راستہ دیکھنے سے ان کو معذور کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس تقریر سے اختلاف کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تباہ و برباد کر دیا ہے۔ قحط، تنگی، افلاس، بھوک، قلّت سامان اور خوراک نے ان کو ذلت و رسوائی کے قریب کر دیا ہے ان کے مقابلے میں ہم تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور ہماری مالی حالت بھی اچھی ہے۔ خوراک اور دیگر سامان بھی ہمارے پاس زیادہ ہے ہم کبھی ان شرائط کو قبول نہیں کریں گے، بلکہ اب تو ہم مروانی حکومت کا خاتمہ کیے بغیر دم نہ لیں گے ـــــــــ یہ کہتے ہوئے اُنھوں نے عبد الملک سے

اپنی بغاوت اور مخالفت کا اعلان کر دیا۔

بغاوت کا انجام

ایک بڑی اور مضبوط حکومت کے مقابلے میں ایک یا چند علاقوں کے لوگوں کی بغاوت و سرکشی کا جو انجام ہوتا ہے وہ ہوا نہ شعبی کی تقریر اس شکست کو روک سکی، نہ سعید بن جبیر کی تلواریں لڑائی کا رخ موڑ سکیں اور نہ ہی ابو البختری کا فتویٰ کچھ کام دے سکا اور نہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ کی یہ تقریر:

اے قرأہ (قرآن کے حافظ و عالم) کے گروہ میدان جنگ میں بھاگنا کسی شخص کے لیے اس قدر مذموم نہیں ہے جتنا آپ لوگوں کے لیے ہے۔ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جب ہمارا شامیوں سے مقابلہ ہوا یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص مجرمانہ فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے کسی شخص کو دیکھے، یا کسی بری اور ممنوع باتوں کی طرف لوگوں کو بلاتے ہوئے کسی کو پائے اور وہ اپنے دل میں اس کے فعل اور عمل دو عوت کو برا سمجھے اور اس سے قلبی نفرت کا اظہار کرے تو وہ خدا کے سامنے ذمہ داری سے بچ جائے گا۔ اور اگر کوئی اپنی زبان سے اس فعل پر نفرت کا اظہار کرے اور مخالفت کرے تو اسے اللہ کے یہاں اچھا اجر ملے گا۔ اور وہ

شخص پہلے شخص کے مقابلے میں افضل و اعلیٰ ہوگا ____
اور اس سے بڑھ کر اگر کوئی شخص مظالم اور منہیات کے
مرتکبین کے خلاف تلوار اُٹھائے اور اُس سے اُس
کی غرض و غایت صرف یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان غالب
اور ظالموں کی خواہشیں مغلوب اور ان کے حوصلے پست
اور بدکرداری دُور ہو تو بے شک اس شخص نے ہدایت
کا راستہ پا لیا اور اس کا قلب نورِ ہدایت سے منور ہوا
____ پس تم لوگ بھی آج ان لوگوں سے جہاد کرو
جو منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں، مذہب میں نئی نئی
باتیں پیدا کرتے ہیں اور اپنے ان افعال کو مطلق بُرا
نہیں سمجھتے" حالات کو ان کے حق میں سازگار نہ بنا سکی ____

ابتدا میں تو نہایت شدید جنگ ہوئی اور عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث اور ان کے ساتھی کامیابیوں سے ہم کنار رہے لیکن بعد میں یہ عارضی کامیابی شکست میں تبدیل ہو گئی ____ جو لوگ مرنے سے بچے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور جدھر سینگ سمایا چلے گئے۔ جو گرفتار ہوئے بُری طرح مارے گئے۔

امام شعبیؒ رے چلے گئے

باغیوں کو جب دیر جماجم پر شکست ہوئی تو حجاج نے جہاں بہت

حق و صداقت کے سراسر خلاف ہوگا ــــــــ اس لیے کسی قسم کی معذرت خواہی کے بغیر میں سچ سچ یہ عرض کرتا ہوں کہ بخدا ہم نے آپ کے خلاف بغاوت کی اور آپ کے خلاف کارروائی میں جتنا کچھ بھی ممکن ہوسکا کیا۔ نہ کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، کوئی کوشش بھی ایسی نہ تھی جو کرسکتے تھے اور وہ نہ کی، لوگوں کو جوش بھی دلایا اور خود بھی پورے جوش و جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اور آپ کے خلاف کارروائی میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دی ــــــــ اس لیے ہم صاف اقرار کرتے ہیں کہ ہم بے گناہ نہیں ہیں ــــــــ البتہ یہ خسارہ ضرور ہوا کہ اس جرم و بغاوت کا ارتکاب بھی کیا تو "ہمیں اقتدار" بھی حاصل نہ ہوسکا بلکہ اس کے برعکس شکست کا سامنا کرنا پڑا اور درماندگی حاصل ہوئی، اور آپ کے سامنے ایک گنہگار کی حیثیت سے پیش کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فتح دی ہے اس لیے اب اگر آپ ہمارے ساتھ سختی کا برتاؤ کریں گے، تو خود ہمارے افعال و حرکات اس سختی کے ذمّہ دار ہوں گے اور اگر آپ ہمیں معاف کردیں گے تو یہ آپ کے حلم و جذبہ خیر و فلاح اور مروت کی بنا پر ہوگا ــــــــ اور ہم سمجھتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ ارتکاب بغاوت کے ثبوت کے بعد آپ کو ہم پر پورا پورا اختیار حاصل ہے۔

اس تقریر کو سن کر حجاج نے کہا ــــــــ بخدا اقرار جرم کی وجہ

تم ہمارے نزدیک محترم اور قابلِ قدر ہو ـــــــ ورنہ ہمارے سامنے جو لوگ بھی مجرم کی حیثیت سے پیش ہوئے انھوں نے آخر وقت تک یہی کہا کہ ہم نے آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور ہم کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے ـــــــ بخدا تمھاری اس صاف گوئی کی بناء پر ہم تم کو امان دیتے ہیں ـــــــ اب تم جا سکتے ہو ـــــــ میں واپس پلٹا ـــــــ اور ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ حجّاج نے پھر بُلایا ـــــــ اب مجھے خوف ہُوا کہ شاید وہ کوئی اُلٹی کارروائی کرے ـــــــ پھر معاً یہ خیال آیا کہ وہ امان دے چکا ہے اس خیال کے آتے ہی میرا خوف جاتا رہا۔

اور جب دوسری مرتبہ میں حجّاج کے سامنے کھڑا ہُوا تو اُس نے کہا ہاں اے شعبی بھلا یہ تو بتا کہ ہمارے بعد لوگوں کو تو نے کیسا پایا ـــــــ تو میں نے جواب دیا کہ اللہ امیر کا بھلا کرے، آپ کے بعد نیند حرام ہو گئی، جاگنا آنکھوں کا سرمہ ہو گیا، لوگوں کے دلوں میں خوف و دہشت جاگزیں ہو گئی، اچھے دوست مفقود ہو گئے اور ہم نے آپ سے بہتر امیر نہیں پایا ـــــــ اس کے بعد حجّاج نے جانے کا حکم دیا اور میں واپس آ گیا۔

کہنے کو تحریر میں آنے والی یہ چند سطریں ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ اسلام کا یہ آئینہ ہیں ـــــــ ہماری تاریخ کو گھناؤنی بنا کر پیش کرنے والے اپنی قومی تاریخ سے کسی ایسے ایک آدمی کا بھی نام پیش کریں جو جابر حکمران کے سامنے اتنا بےباک اور جراُت مند نظر آتے ہوں اور جابر حکمران بھی ایسا جو سچ کا اتنا قدر دان ہو۔

سے لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کرایا وہاں یہ بھی اعلان کرادیا تھا کہ جو شخص "رے" میں قتیبہ بن مسلم کے پاس چلا جائے گا تو اُسے امان دے دی جائے گی۔ اس لیے بہت سے آدمی رے میں قتیبہ کے پاس چلے گئے۔ ان لوگوں میں ایک یہی "عامر الشعبی" بھی تھے۔

امام شعبی پہچان لیے گئے

امام شعبی ایک عرصہ تک رے میں قتیبہ بن مسلم کے مہمان رہے وہ ان کا بہترین دوست اور قدر دان تھا۔ ان کو بہت عزت و احترام سے رکھتا تھا۔ اور سرکاری امور میں ان سے مدد لیتا تھا اور اکثر سرکاری خطوط کے جوابات انہی سے ڈرافٹ کراتا تھا ـــــ ایک موقع پر حجاج کو بھیجا جانے والا خط اُنھوں نے مرتب کیا جو بھیج دیا گیا۔ الشعبی ایک خاص طرزِ تحریر کے مالک تھے۔ خط پڑھ کر حجاج کی تحریر یاد آگئی۔ اور ان کا خیال معًا اس کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور اُس نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ آج کل شعبی کہاں ہیں ـــــ اور بغاوت میں ان کا کیا رول رہا ہے۔

یزید بن ابی مسلم نے جواب دیا جناب والا مجھے اطلاع ملی ہے کہ شعبی رے میں قتیبہ کے پاس چلے آئے ہیں۔

شعبی اور حجاج

حجاج نے یہ سُن کر کہا، اچھا تو وہ وہاں ہیں، خوب، اب میں کسی

کو بھیج کر ان کو یہاں بلواتا ہوں ـــــ پھر ایک خط قتیبہ کو لکھا کہ اس خط کو پڑھتے ہی تم شعبی کو میرے پاس بھیج دو۔ اور یہ خط دے کر اپنا قاصد قتیبہ کے پاس روانہ کر دیا۔

شعبی خود اس واقعہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ قتیبہ بن ابی مسلم میرے مخلص دوست تھے ـــــ ان سے میں نے پوچھا کہ میں حجّاج کے پاس تو جاتا ہوں لیکن آپ مشورہ دیجیے کہ میں کیا کروں ـــــ

شعبی حجّاج کے حضور میں

ابن ابی مسلم نے کہا کہ اس بارے میں میرا مشورہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جہاں تک تم سے ہو سکے حجّاج کے سامنے عذر و معذرت ہی کرنا ـــــ

یہی مشورہ میرے عزیزوں اور بعض دوسرے مخلص دوستوں نے بھی دیا۔

چنانچہ اس مشورے کے ساتھ میں حجّاج کے سامنے آیا ـــــ اور تمام لوگوں کے مشورے کے برعکس میں نے صحیح اور سچی سچی باتیں کہہ دیں اور کسی قسم کی عذر خواہی نہیں کی۔

جب میں حجّاج کے سامنے آیا تو اول میں نے اس کو امیر کے لفظ سے خطاب کر کے سلام کیا۔ پھر کہا

اے امیر لوگوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی برأت کا اظہار کروں ـــــ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں آکر اپنی برأت کے بارے میں کچھ کہوں تو میرا یہ کہنا

شعبی اور سعید بن جبیر

اس موقعہ پر یہ واضح کر دینا غیر ضروری نہیں ہو گا کہ عامر بن شراحیل شعبی اور سعید بن جبیر ایک ہی معرکہ، دیر جماجم میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ یعنی حجاج کے خلاف جب ابن اشعث نے علم بغاوت بلند کیا تو سعید بن جبیر، شعبی اور دوسرے بہت سے صاحب علم و فضل و کمال لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے ــــــ اور یہ جنگ مہینوں جاری رہی ــــــ ابتدا میں تو ابن اشعث کی فوج اور اس کے ساتھیوں کو بڑی اہمیت حاصل رہی کیونکہ اس کی قوت نہایت مضبوط تھی، اور اُس نے عراق کا بڑا حصّہ بھی فتح کر لیا تھا۔ ــــــ لیکن حجاج کی مخالفت سے بڑھ کر اُس نے چونکہ حکومت کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اس لیے جب حجاج کی مدد میں مرکزی حکومت کی امداد اور سرکاری کمک پہنچ گئی تو پھر اس کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا اور آخر کار دیر جماجم کے معرکہ میں اس کو نہایت فاش شکست ہوئی اور اس کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی۔

● ــــــ شکست کے بعد سعید بن جبیر مکّہ چلے آئے اور شعبی قتیبہ کے پاس چلے گئے ــــــ ابن جبیر کو مکّہ کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے گرفتار کر کے حجّاج کے پاس بھجوا دیا ــــــ جہاں اُنھوں نے اپنے طرز فکر و عمل کا برملا اظہار کیا ــــــ اور شہید کر دیئے گئے۔ امام شعبی نے "سچّی سچی بات" معذرت

خواہانہ انداز" میں کی اور معاف کر دیئے گئے ــــــ

● ــــــ ظلم و ناانصافی کے خلاف تلوار اُٹھانا مسلمانوں کی تاریخ ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس بارے میں حق گوئی اور بے باکی کا مظاہرہ جتنا مسلمانوں نے کیا ہے دنیا کی تمام قوموں نے مل کر بھی نہ کیا ہو گا ــــــ

● ــــــ اسلام میں حق گوئی اور بیباکی کی اس قدر مثالیں ملنے کی وجہ جہاں اسلام کی تعلیمات ہیں وہاں مسلمان اُمراء اور خلفاء کا وہ حق پرستانہ رویہ بھی ہے جس کا انھوں نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر اظہار کیا ہے اور ان کی اسی حق پرستی اور خدا ترسی کی وجہ سے لوگوں کے اندر بھی حق گوئی کی جرأتیں پیدا ہوئیں ــــــ ــــــ جہاں زبانی جرأتوں کا موقعہ ہوا وہاں زبانی جرأتیں کیں اور جہاں ہاتھ کی قوت اور تلوار کے ذریعہ جسارت کرنے کی ضرورت محسوس کی وہاں تلواریں اٹھا لیں۔

● ــــــ بے حسی کی کیفیت ، ناسازگار حالات سے سمجھوتہ کر لینے کی عادت ، ظلم کی چکیوں میں پستے رہنے اور اُف تک نہ کرنے والا مزاج مسلمانوں کا کبھی نہیں رہا ہے ــــــ عام آدمی نہ سہی خاص لوگ تو ہر دور میں ایسے ضرور موجود رہے ہیں جنھوں نے بڑھ کر آہنی پنجوں کو توڑنے کی کوششیں کیں اور بڑی سے بڑی جابر طاقتوں کے سامنے آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کھڑے ہو گئے

اس کے لیے وہ دار و رسن پر بھی چڑھے، جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بھی بند ہوئے ــــــ کوڑے بھی کھائے، رسوائیاں بھی سہیں اور اذیتیں بھی برداشت کیں ــــــ لیکن کلمۂ حق کہنے سے باز نہ آئے۔

دورِ اوّل میں چونکہ عام لوگ بھی حساس تھے، حق و باطل کی تمیز رکھتے تھے، اس لیے معمولی سے معمولی واقعہ پر اظہارِ حق کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ یا اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کر دیتے تھے اس لیے کبھی یہی اظہارِ حق اُن کی جانوں کا لاگو ہو جاتا تھا اور کبھی اس کی وجہ سے جنگ کی صورتیں پیدا ہو جاتی تھیں اور تیغ آزمائی کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو جاتا تھا۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ عام لوگوں کی ناپسندیدگی کا کوئی واقعہ ہوا ہو اور اسلامی معاشرہ سانپ سونگھنے کی طرح گم سم ہو گیا ہو ــــــ ہاں یہ تو ضرور ہوا ہے کہ اس پر کچھ لوگ تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے ہیں اور کچھ لوگ خاموش نظر آئے ہیں ــــــ لیکن اس خاموشی کی وجہ ان کی بزدلی تھی اس کا ثبوت نہیں ملتا تھا، بلکہ اس خاموشی اور بے تعلقی میں ان کے طرزِ فکر کی مخلصانہ تاویلات نمایاں نظر آتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس طرح اُٹھ کھڑے ہونے کو یا تو فساد فی الارض سمجھتے تھے، یا نقصِ امن کا ذریعہ، یا چند جرأت مند لوگوں کی لاحاصل کوششیں، اور یہ کہ ہلاکت کے گھڑے میں کود جانے اور جانتے بوجھتے تباہی مول لے لینے کو وہ جرأت وجسارت نہیں سمجھتے تھے۔

اس بارے میں بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن دو مثالیں ہی کافی ہوں گی اور خود امام شعبی کے بیان کردہ ایک واقعہ کا ذکر ہی غالباً مفید اور کافی ہو گا۔

مشہور تابعی مسروق بن اجدع کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ امام شعبی نے کہا کہ:

حضرت مسروق رح نے کسی جنگ میں بھی حضرت علی رض کا ساتھ نہ دیا اور نہ ہی کبھی کسی کی طرف سے ان کے مقابلے میں آئے ـــــ حالانکہ یہ بہت بڑے مجاہد، انتہائی دلیر، اور ماہر جنگ تھے۔ ان کا شمار یمن کے مشہور شہسواروں میں ہوتا تھا، قادسیہ کے مشہور معرکے میں شریک ہوئے اور لڑتے لڑتے ان کا ہاتھ شل ہو گیا اور سر میں گہرا زخم آیا تھا۔ اس جنگ قادسیہ میں ان کے تینوں بھائی عبد اللہ، ابو بکر اور منتشر شہید ہوئے تھے ـــــ اتنے بڑے ماہر جنگ اور شجاع سے جب پوچھا جاتا کہ آپ نے حضرت علی رض کا ساتھ کیوں نہیں دیا ـــــ تو کہتے کہ تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں ـــــ کہ فرض کرو کہ جب ہم لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوں اور فریقین اسلحہ نکال کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں تو اس وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے آسمان میں کوئی دروازہ کھل جائے اور اس سے فرشتے اتر کر دونوں

صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہیں

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت کے طریقے سے حاصل ہو، اور اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحیم ہے۔

تو اب یہ بتاؤ کہ ان فرشتوں کا یہ کہنا فریقین کے لیے مانع جنگ ہوگا یا نہیں ——— (یعنی تم یہ آیت سن کر جنگ سے رک جاؤ گے یا نہیں) کہنے لگے کہ ہاں ضرور رک جائیں گے ——— یہ جواب سن کر مسروق رح نے کہا،

"خدا کی قسم تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ آسمان کا دروازہ کھول چکا ہے اور اس دروازے سے نکل کر ایک فرشتہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتر چکا ہے اور اس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تمہیں یہ حکم سنا چکا ہے'

جو قرآن عظیم میں موجود ہے ——— اور اس حکم کو کسی چیز نے منسوخ بھی نہیں کیا ہے ——— تو اب بتاؤ کہ خدا کا ایک فرشتہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آچکا ہے اور آپ کے ذریعے خدا کا یہ پیغام تم کو دے چکا ہے ——— تو پھر تم آپس کی جنگ سے کیوں باز نہیں آجاتے ——— حالانکہ ایمان بالغیب عینی مشاہدے کے ایمان سے بہت زیادہ بہتر ہے۔"

ان ہی مسروق بن اجدع کے بارے میں عاصمؒ اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ:

جنگ صفین ہو رہی تھی۔ مسروق ابن اجدع اس جنگ سے مسلمانوں کو روکنے کے لیے میدان میں گئے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں باہمی جنگ وجدال سے روکتا ہے۔ آخر تم جنگ سے کیوں باز نہیں آجاتے۔ اور پھر مندرجہ بالا آیت پڑھ کر سنائی۔

مسروق بن اجدع کی ساری شجاعت وشہامت اسلام کی خدمت کے لیے اور غیروں کے مقابلے میں تھی۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی میں وہ کہیں بھی شریک نہیں ملتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیشہ ان کی تلوار نیام میں رہی۔ عثمانی عہد کے ہنگامے ہوں یا جنگ جمل ہو یا جنگ

صفین ان میں سے کسی میں اُنھوں نے حصّہ نہیں لیا۔ اور ایک خانہ جنگی میں
میں ملّوث ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوا تو کوفہ چھوڑ کر قزوین چلے گئے۔

۲۔ حسن بصری

اس کی دوسری نمایاں مثال حضرت حسن بصریؒ کی ذات میں ملتی ہے۔ وہ ظالم
حکومتوں اور جابر امراء کے مقابلے میں سکوت افضل سمجھتے تھے۔ ایک وہ شورو فتن
اور انقلاب اور انقلابی جدّ وجہد سے علیحدہ رہنا پسند کرتے تھے۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ اُموی دورِ خلافت میں ان کے عہد میں جتنے انقلابات آئے، جو جو فتنے
اُٹھے، اور جو جو انقلابی کوششیں ہوئیں، اور جیسا جیسا بھی ظلم آیا اور لوگوں
کے سر سے گزر گیا، وہ اپنی جگہ پر رہے کبھی کسی کارروائی میں شریک نہیں ہوئے
بلکہ دوسروں کو بھی اس میں پڑنے سے روکتے رہے ــــــــ

- ــــــــ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں جب ابن اشعث نے یزید بن عبد الملک کے زمانہ میں ابن مہیب نے علم بغاوت بُلند کیا تو کچھ آدمیوں نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ ان فتنوں میں شرکت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دو۔
- ــــــــ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ اُمراء ظالم ہو چکے ہیں اور حق کے خلاف کام کرنے لگے ہیں آپ اُمراء کے پاس جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں فرماتے۔

اُس کا جو جواب اُنھوں نے دیا وہ یہ تھا کہ "مومن کو اپنا نفس ذلیل نہیں کرنا چاہیئے" اس زمانہ کے اُمراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں جب ہم ان سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں" ان کا اصول تھا کہ جب حق گوئی مشکل ہو جائے، اور کوششیں لاحاصل معلوم ہونے لگیں تو آدمی کے لیے حق کی تلقین کرنے سے توبہ و استغفار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

● ـــــــ ابو مالک کہتے ہیں کہ حسن بصری سے جب یہ کہا جاتا کہ آپ ایک باا‌ثر شخصیت ہیں۔ آپ میدان میں نکل کر حالات کو بدلنے کی کوششیں کیوں نہیں کرتے تو ارشاد فرماتے:

"اللہ تعالیٰ تلوار سے نہیں بلکہ توبہ سے بدلتا ہے"

آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

"جب لوگ اپنے حکمران کی جانب سے آزمائش میں مبتلا کیے جائیں اور اس پر صبر کریں تو خدا ان کو جلد اس مصیبت سے نکال دے گا لیکن وہ تلوار نکال لیتے ہیں اور اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں، خدا کی قسم اس کا کبھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا۔"

● ـــــــ ابن اشعث کی شورش کے زمانہ میں حسن بصری

خود بڑی آزمائش میں پھنس گئے تھے لیکن جان پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح اپنے کو اس سے نکالا ـــــ ہوا یہ کہ لوگوں نے ابن اشعث سے کہا کہ اگر تم اس جنگ میں کامیابی چاہتے ہو تو کسی نہ کسی صورت سے حسن بصریؒ کو اپنے ساتھ ملا لو اور ان کو اپنے ساتھ میدان میں نکال لاؤ۔ اس مشورہ پر ابن اشعث زبردستی آپ کو کھینچ لے گیا، آپ جبراً و قہراً چلے گئے، لیکن لوگ جیسے ہی ان کی طرف سے غافل ہوئے آپ جان پر کھیل کر ایک دریا میں پھاند پڑے اور کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل آئے۔

● ـــــ حجاج کے مظالم سے لوگ تنگ آچکے تھے، کچھ تو اُس کے اتنا خلاف تھے کہ اُس کے خلاف لوگوں کو اُبھارا کرتے تھے۔ انہی میں ایک شخص سعید بن حسن بھی تھے، اُنھوں نے ایک دن حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ ہم نے نہ ہی امیر المومنین کی اطاعت سے منہ موڑا ہے اور نہ ہی ان کو تخت سے اُتارنا چاہتے ہیں لیکن ہم امیر المومنین سے صرف اس لیے رنجیدہ ہیں کہ اُنھوں نے حجاج جیسے جابر شخص کو حاکم بنایا ہے۔ ایسی صورت میں آپ کی کیا رائے ہے اور اہلِ شام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے

حضرت حسن بصریؒ نے اس سوال کے جواب میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا:
"لوگو! خدا نے حجاج کو محض عقوبت کے لیے مسلّط کیا ہے، اس لیے

تلوار سے عقوبت خداوندی کا مقابلہ نہ کرو بلکہ صبر و سکون اور خاموشی سے کام لو اور بارگاہِ خداوندی میں صبر و ثبات اور تضرع و زاری پیش کرو۔ تم نے شامیوں کے بارے میں میری رائے پوچھی ہے، تو ان کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ حجاج انھیں دنیا کا لقمہ تر دے کر ان سے ہر کام کرا سکتا ہے۔

زندگی کے دونوں پہلو

● ——— زندگی کے دونوں پہلو سامنے آگئے ہیں۔ وقت اور حالات اور بخت و اتفاقات، کرشمۂ حیات دکھاتے رہتے ہیں وقت آنے پر یہ مثالیں ہمارے کام آسکتی ہیں ——— اور ہم اپنی زندگی میں پیش آنے والے مسائل ان کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں جو کشت و خون نظر آتا ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں مسلمان بے غیرت اور دین کے معاملے میں کبھی بے حس نہیں رہے ہیں۔ جب کبھی اور جہاں سے جو خرابی اُبھری کسی طرف سے ایک حق پرست اُٹھا اور اُس سچے آدمی کا ساتھ دینے والے ہزاروں اور لاکھوں آدمی ہر طرف سے نکل آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ویسا ہی اسلام آج بھی ہمارے یہاں موجود ہے جیسا اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ نکھرا نکھرا۔ اور صاف، صاف۔

پیدائش

عامر بن شراحیل الشعبی جلیل القدر تابعی ہیں ــــــ ان کے ہوش سنبھالنے کے وقت صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت موجود تھی اور ان کی بود و باش بھی ایسے مرکزی مقام پر تھی جہاں بہت سے صحابہ اقامت پذیر تھے اور ان کی آمد و رفت رہتی تھی ــــــ اس لیے انھیں پانچ سو صحابہ کرام کو دیکھنے کا شرف حاصل تھا ــــــ ۴۸ صحابہ کرام سے تو باضابطہ اُنھوں نے فیض اُٹھایا تھا۔ خیر الاُمت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آٹھ، دس ماہ تک مستقل قیام کر کے ان کے کمالات سے فیض یاب ہوئے تھے۔

عامر شعبیؒ کی پیدائش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جنگِ جلولاء کے سال پیدا ہوئے تھے ــــــ اور یہ جنگ جلولاء کے مقام پر مسلمانوں اور ساسانی بادشاہ کے درمیان ۱۶ھ میں ہوئی تھی جس میں مسلمانوں نے ساسانیوں کو شکست فاش دی تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۹ھ میں ہوئی تھی۔ کیونکہ ان کی ماں جلولاء کے قیدیوں میں تھیں جو ان کے والد شراحیل کے حصہ میں پڑی تھیں، اس لحاظ سے ان کی پیدائش کا سال ۱۹ھ ہی قرار پا سکتا ہے۔

فضل و کمال

یہ واقعہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام کی محنت اور فیض نے ان کو

امام عصر بنا دیا تھا ـــــــ تمام لوگ ان کو اپنے عہد کا امام بھی سمجھتے تھے حافظ ذہبی ان کو امام، حافظ اور فقیہہ کہتے تھے ـــــــ ابن عماد حنبلی ان کو امام البحر العلامہ لکھتے تھے ـــــــ ابو اسحاق الحیال کا بیان ہے کہ شعبی جملہ علوم میں یگانۂ عصر تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ، مغازی، ریاضی اور ادب و شاعری سب میں انھیں یکساں دست گاہ حاصل تھی ـــــــ قرآن کے نہایت ممتاز قاری تھے، اس کمال کی وجہ سے وہ زعیم القراء کہلاتے تھے ـــــــ گرچہ قرآن پاک کی تفسیر میں بھی ان کو پورا درک تھا تاہم اپنی محتاط مزاجی کی وجہ سے تفسیر بیان نہیں کرتے تھے۔ اس لیے مفسر قرآن کی حیثیت سے ان کو شہرت حاصل نہ ہو سکی ـــــــ البتہ حدیث کے جلیل القدر حافظ بلکہ علم حدیث میں امام العصر تسلیم کیے گئے ہیں۔ انھوں نے صحابہ کرامؓ اور تابعین کی بڑی جماعت سے حدیثیں سُنی تھیں، جن میں حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، ابو مسعود انصاری، ابوہریرہ، مغیرہ بن شعبہ، نعمان بن بشیر، حسین بن علی، زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں۔ صحابہ کرام کے علاوہ تابعین کی بہت بڑی تعداد سے بھی انھوں نے استفادہ کیا ہے۔

حدیث کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص ذوق بخشا تھا اس لیے اس کے حصول کے لیے دن رات محنت کرتے تھے اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے تھے ـــــــ ان کی جانکاہ مشقتوں کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ

آپ نے اتنا علم کہاں سے اور کس طرح حاصل کیا تو اُنھوں نے جواب دیا ـــــ
ـــــ غم واندوہ کو بھلا کر ملکوں کی سیاحت کر کے گدھوں جیسی طاقت برداشت اپنے اندر پیدا کر کے اور کوّوں کی طرح سحرخیزی کی عادتیں ڈال کر حاصل کیا۔

علمِ احادیث

احادیث شریفہ کے لینے میں وہ بہت محتاط تھے اور اس کے لیے بہت زیادہ مشقتیں برداشت کرتے تھے ـــــ وہ صرف ان لوگوں سے حدیثیں لیتے تھے جو علم کے ساتھ عقل کے بھی مالک تھے اور تقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ ہوتے تھے۔ اس بارے میں ان کا اپنا اصول یہ تھا کہ علم صرف اُس شخص سے حاصل کرنا چاہیئے جس میں زہد وعبادت اور عقل و دانش دونوں جمع ہوں۔ تنہا عقل یا تنہا تقویٰ رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔

احادیث کے سماع میں اس قدر محتاط ہونے کے باوجود اس بارے میں ان کا علم انتہائی وسیع اور ہمہ گیر تھا۔ احادیث کے ذخیرے ان کے پاس تھے اور آپ سب کے حافظ تھے۔ احادیث کے بارے میں ان کا ذخیرۂ علم اور وسعت و ہمہ گیری کا حال یہ تھا کہ بیس سال تک ان کو کوئی نئی حدیث معلوم نہ ہو سکی۔ ان کا خود بیان ہے کہ بیس سال کا عرصہ ہوا میں نے کسی سے کوئی ایسی حدیث نہیں سُنی جسے بیان کرنے والے سے زیادہ واقف میں خود نہ رہا ہوں ـــــ حجاز، بصرہ اور کوفہ یہ تینوں علاقے علمی مراکز تھے، ان تینوں مرکزوں کے محدثین کی حدیثوں کا

ان کا بڑا دوسرا کوئی شخص حافظ نہیں تھا۔

اللہ تعالےٰ نے ان کو زبردست قوت حافظہ بخشا تھا اس قدر احادیث اُنھوں نے سنیں مگر کبھی کسی ایک حدیث کے لیے بھی قلم دوات اور کاغذ کے وہ مرہونِ منت نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ جو حدیث سُن لی وہ ہمیشہ کے لیے اُس کے سینے میں محفوظ ہو گئی ——— حافظہ قوی اور علم وسیع کے باوجود وہ روایتِ حدیث میں احتیاط برتا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ گزشتہ صلحائے اُمت زیادہ حدیثیں بیان کرنا بُرا سمجھتے تھے اگر مجھے یہ معلوم ہوتا ——— جو بعد میں معلوم ہوا ——— تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثیں بیان کرتا ہے تاہم اس احتیاط کے باوجود وہ احادیث بالمعنی بیان کرتے تھے، اور روایت بالمعنی کو خلاف احتیاط نہیں سمجھتے تھے ——— روایت بالمعنی ——— اس طریق اظہار و بیان کا نام ہے، جس میں حدیث روایت کرنے والا راوی الفاظ کی پابندی نہیں کرتا ہے، بلکہ کم یا بیش اپنے الفاظ میں حدیث کا مفہوم بیان کرتا ہے ——— ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی حدیثیں بالمعنی روایت کرتے تھے۔

علمِ فقہ

یہ قرآن اور حدیث کے بعد تیسرا ذریعہ علم دین اور ماخذ شریعت و قانون ہے ——— امام شعبی کو اس میں بھی بہت درک حاصل تھا اور اس بارے میں ان کے ذوق کی بلندی اور شوق کی وا لہانگی اس حد تک پہنچ گئی

تھی کہ وہ اس کے ہو کر رہ گئے تھے ـــــ فقہ ان کا خاص اور امتیازی فن بن گیا تھا ـــــ فقہ میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ سمجھے جاتے تھے ـــــ ابوالحسین کہا کرتے تھے کہ میں نے شعبی سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا۔ اکابرین علماء میں سے اکثر اس عہد کے تمام بڑے بڑے ائمہ پر ان کو ترجیح دیتے تھے۔ ابو کہتے تھے کہ میں سعید بن مسیب، طاؤس، عطاء، حسن بصری اور ابن سیرین کسی کو بھی شعبی سے زیادہ بلند مرتبہ فقیہ نہیں پایا۔

ابراہیم نخعی جو خود بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کے تفقہ کے اتنے قائل تھے کہ جو مسئلہ ان کو نہ معلوم ہوتا اس کے سائل کو شعبی کے پاس بھیج دیتے تھے ـــــ وہ اس درجہ کمال فقیہ سمجھے جاتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی موجودگی میں، جو علوم نبوی کے حقیقی وارث تھے، مسند افتاء پر بیٹھ گئے تھے ـــــ ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ ابن سیرین نے مجھے ہدایت کی تھی کہ شعبی کے دامن سے وابستہ رہو۔

لاادری

پہلے لوگوں کا یہ علمی کمال ہے جو لاادری کے پردے میں چھپا ہوا ملتا ہے۔ قرآن کا علم ہو یا حدیث کا، فقہ کا سوال ہو یا قیاس و اجتہاد کا لوگ لاادری کہہ کر جان بچانے کی کوششیں کرتے تھے اپنی علمی قابلیت کی دھاک بٹھانے کا ان کے پاس کوئی تصور ہی نہ تھا۔ وہ سنتے تھے، چپ ہو جاتے تھے، اور

اگر بالکل صاف جواب ہو تو جواب دیتے تھے ورنہ لاادری کہہ دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم نخعی سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے لاعلمی ظاہر کی ـــــــ اسی دوران امام شعبی گزرتے ہوئے دکھائی دیئے ابراہیم نخعی نے سوال کرنے والے سے کہا کہ دیکھو یہ شیخ جارہے ہیں ان سے جاکر یہ مسئلہ پوچھ لو اور وہ جو جواب دیں اسے مجھے جواب دو، چنانچہ سائل ان کے قریب پہنچ کر مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی حضرت ابراہیم نخعی کو یہ جواب معلوم ہوا تو انھوں نے کہا واللّٰہ یہ ان کا تَفَقُّہ تفسیر اور حدیث کی طرح وہ فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے، اور انتہائی احتیاط کی بناء پر عموماً مسائل کے جواب میں بھی بڑے محتاط تھے اور انتہائی احتیاط کی بناپر عموماً مسائل کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کردیتے تھے۔ صلب بن بہرام کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایک ایسے شخص کو جو علم میں شعبی کا ہم پایہ ہو ان سے زیادہ لاادری (مجھے نہیں معلوم) کہنے والا نہیں دیکھا ـــــــ یہی وجہ ہے کہ بڑے مفسر ہونے کے باوجود مفسر کی حیثیت سے انھوں نے کوئی شہرت حاصل نہیں کی ـــــــ

ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی کے پاس جب کوئی سائل آتا تھا تو وہ حتی الامکان جواب سے بچتے اور ابراہیم برابر جواب دیتے چلے جاتے تھے شعبی فطرتاً خندہ جبیں اور ابراہیم نخعی خشک مزاج تھے لیکن دونوں کے سامنے کوئی فتویٰ پیش ہوتا تھا تو دونوں کے مزاج بدل جاتے تھے۔ شعبی میں انقباض پیدا ہوجاتا تھا اور ابراہیم نخعی میں انبساط

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ مجتنب اور ہر سوال کا

لاادری ہی جواب دیتے تھے۔ بلکہ ایک مفتی کی حیثیت سے ان کو فتوے دینے ہی پڑتے تھے اور ایک قاضی کی حیثیت سے ان مسائل کا حل ان کو پیش کرنا ہی پڑتا تھا ——— وہ کوفہ کے مفتی اور قاضی تھے۔ ان کی ذات مرجع خلائق تھی۔ اس لیے مسائل کے جوابات تو دینے ہی پڑتے تھے۔ تاہم احتیاط کے ساتھ۔ جواب میں اپنی رائے یا قیاس کو دخل نہ دیتے تھے بلکہ ان کے جوابات کی بنیاد تمام تر احادیث اور سنن پر ہوا کرتی تھی۔

قیاس

اپنی رائے اور قیاس سے کس طرح بچتے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ امام شعبی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ لیکن اس مسئلہ کے جواب میں ان کے پاس کوئی سند نہ تھی۔ کسی نے کہا کہ اگر سند نہیں ملتی ہے تو اپنی رائے ہی بتا دیجیے۔ انھوں نے کہا۔ میری رائے کیا کرو گے۔ اس پر پیشاب کر دو۔

امام شعبی مذہبی اُمور میں قیاس اور رائے کو صرف اصولاً ہی نہیں بلکہ مذہبًا اور عقیدتًا بھی بُرا سمجھتے تھے، اور عقلی طور پر اس کو غلط سمجھتے تھے ——— امور دینی میں رائے اور قیاس کو استعمال نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ ظاہری حالات اور کیفیات دیکھ کر ایک شخص کسی مسئلہ میں اپنی رائے رکھ سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت کے فیصلے کے مطابق اس رائے کی کوئی گنجائش نہیں ملتی ہے ——— مثال کے طور پر اپنی اس بات کو وہ اس طرح سمجھاتے تھے

کہ احنف بن قیس (بڑے ممتاز تابعی، فاضل، فقیہ، دین دار متقی وغیرہ تھے) کو اگر قتل کر دیا جائے ——— اور ایک چھوٹا نادان بچہ بھی قتل کر دیا جائے ——— تو عقل کا یہی مطالبہ، اپنی رائے کا یہی رجحان، اور قیاس کا علم یہی کہے گا کہ احنف بن قیس کی دیت، اس بچے کے مقابلے میں زیادہ ہونی چاہیئے کیونکہ وہ بڑے قابل اور فاضل اور تابعی تھے، اور بچہ محض بچہ ہے ——— حالانکہ شریعت کے حکم کے مطابق دونوں کی ایک ہی یعنی برابر ہو گی ———

علومِ مروّجہ

امام شعبی اپنے زمانہ کے مروجہ تمام علوم کے ماہر مانے گئے ہیں، قرآن، حدیث، فقہ کے علاوہ مغازی، ریاضی، فرائض، خطوط نویسی، سفارتی آداب اور قضاءت سب میں وہ یکتائے روزگار قرار دیئے گئے تھے۔ ہم ان سب علوم میں ان کی صلاحیتوں کے بارے میں لوگوں کی آراء پیش کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔

علمِ مغازی

مغازی یعنی غزوات کے نہایت ممتاز عالم تھے۔ سن اور تاریخ کے علاوہ اس کے اسباب وعلل، نتائج اور حالات اور صورت وکیفیات پر وسیع نگاہ رکھتے تھے ——— خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جو ان

غزوات میں بنفسِ نفیس شریک رہے ہیں۔ بھی مغازی کے سلسلے میں ان کی علمی واقفیت کے معترف تھے ____ عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی مغازی بیان کر رہے تھے کہ ابن عمر ادھر سے گزرے انھوں نے ان کی تقریر سن کر کہا کہ گرچہ میں بذاتِ خود غزوات میں شریک ہوا ہوں لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے یہ مجھ سے زیادہ مغازی سے واقف ہیں۔

علمِ ریاضی

ریاضی جیسی خشک چیز جس سے عام طور پر علماء ذہنی لگاؤ کم رکھتے ہیں۔ امام شعبی اس میں بھی ماہر ریاضی دان شمار ہوتے تھے ____ اور چونکہ ریاضی میں ان کو مہارت حاصل تھی۔

علمِ فرائض

آپ علم فرائض کے ماہر تھے (علم فرائض ترکے اور وراثت کی تقسیم کا علم ہے)

شاعری

آپ فن شاعری میں بھی شستہ مزاج رکھتے تھے۔ قدماء کے ہزاروں اشعار حفظ تھے ____ اشعار کے متعلق خود ان کا اپنا بیان ہے کہ میں اشعار اگرچہ بہت کم استعمال کرتا ہوں لیکن اشعار مجھے اس قدر یاد ہیں کہ اگر

بہت کم استعمال کرتا ہوں لیکن اشعار مجھے اس قدر یاد ہیں کہ اگر چاہوں تو مسلسل ایک مہینہ تک اشعار سناتا رہوں اور کوئی شعر مکرر نہ ہونے پاتے ـــــــ ـــــــ خود بھی شعر کہتے تھے۔

خطوط نویسی یا انداز تحریر

یہ اپنی تحریر اور انداز بیان اپنا رکھتے تھے۔ ہزاروں میں ان کے خطوط پہچانے جاتے اور ان کا طرزِ تحریر معلوم کر لیا جاتا۔ یہ ان کا اندازِ تحریر ہی تھا جس کو دیکھ کر حجاج نے قتیبہ کو لکھا تھا کہ امام شعبی تمھارے پاس ہیں ان کو ہمارے پاس بھیج دو۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ قتیبہ بن مسلم نے خراسان پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور لوگوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دینے کے لیے اعلان کرا دیا کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہو جائے گا اس کی گزشتہ خطائیں معاف کر دی جائیں گی ـــــــ اس اعلان کو سُن کر شعبی جو بھاگ کر آ گئے تھے فوج میں شامل ہو کر فرغانہ پہنچے ـــــــ قتیبہ انھیں پہچانتا نہ، ایک دن جہاں جب وہ مجلس عام میں بیٹھا ہوا تھا تو شعبی نے اس کے سامنے اپنی علمی خدمات پیش کیں اور کہا کہ علم و فن کے کام میں کر سکتا ہوں۔ قتیبہ نے پوچھا تم کون ہو ـــــــ قتیبہ گرچہ ان کو پہچانتا نہ تھا تاہم ان سے واقف ضرور تھا، اس لیے شعبی نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے آپ کام سے کام رکھیے اور میرے لائق کام سپرد کیجیے ـــــــ اتفاق کی بات قتیبہ نے بھی اس پر کچھ اصرار نہیں کیا ـــــــ

قتیبہ کو فتوحات کی اطلاع حجاج کو کرنی تھی اس کے لیے اس نے شعبی سے کہا کہ وہ خط کا مسودہ تیار کر دیں شعبی نے کہا مسودہ تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں ابھی زبانی بولتا ہوں کاتب لکھ لے گا ـــــ چنانچہ انھوں نے خط لکھوایا جس کو دیکھ کر قتیبہ بہت خوش ہو گیا۔ فوراً ہی ایک خچر اور خلعت سے نوازا اس کے بعد وہ قتیبہ کے یہاں بڑے عزت واحترام سے رہنے لگے ـــــ اور قتیبہ کے ساتھ ہی دسترخوان پر کھانا کھانے لگے ـــــ

ـــــ ادھر جب حجاج کے پاس قتیبہ کا یہ خط پہنچا تو اس نے انداز تحریر دیکھ کر پہچان لیا کہ لازماً یہ تحریر شعبی کی ہے اور اس نے ان کو بلوا بھیجا جس کی تفصیلات پہلے آچکی ہیں۔

محکمہ قضاء

قوتِ فیصلہ اسلامی عدالت کے لیے ایک قاضی کے انداز میں جو خصوصیات ہونی چاہیئے وہ سب ان کے اندر موجود تھی۔ قرآن کا علم، حدیث کا علم فقہ اور دانائی کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کی سمجھ ـــــ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک عرصہ تک قاضی کے عہدہ پر فائز رہے، اور حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے خلیفہ راشد نے اپنے دورِ حکومت میں ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔

ظرافت پسندی

خوش مزاجی اور ظرافت طبعی امام شعبی کی زندگی میں داخل تھی، وہ اتنا بلند علمی مرتبہ رکھنے کے باوجود بڑے ظریف طبع واقع ہوئے تھے بات بات میں لطائف پیدا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو "مزّاح" بھی کہا کرتے تھے۔ ان کے بہت سارے لطائف کتابوں میں محفوظ ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کچھ غیر محل نہیں ہوگا۔

مذہبی خوش مزاج ہوتے ہیں؟

مسلمانوں میں خدا جانے یہ خیال کس طرح جگہ پاگیا ہے کہ مذہبی لوگوں کو خوش مزاج اور خوش پوشاک نہیں ہونا چاہیئے ـــــ وہ بذلہ سنجی کو علمی مرتبہ کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ـــــ انھوں نے جس طرح اسلام کو ایک جامد مذہب سمجھ رکھا ہے اس طرح مذہبی آدمی کے بارے میں بھی ان کا یہ تصوّر ہے کہ اس کو خشک مزاج، انتہائی سنجیدہ اور لگا بندھا ہونا چاہیئے ـــــ اگر وہ کسی آدمی کو جس کے بارے میں ان کا یہ تصوّر ہوگا کہ وہ مذہبی آدمی ہے، یا عالم فاضل، دیوبندی، بریلوی، ٹونکی اور ڈابھیلی، شمسی ایزوی ہے اور پھر اس کی رگ ظرافت کو پھڑکتا ہوا دیکھ لیں تو اس کے بارے میں ان کی رائے خراب ہو جائے گی اور ایسے عالم کو وہ عالم سمجھنے کے لیے نیاز نہیں ہوں گے ـــــ حالانکہ اوّل تو اسلام ایک مسلمان

کو مذہبی یا غیر مذہبی گروہوں میں تقسیم ہی نہیں کرتا ہے ــــــ ایک مسلمان
کو اس کے نزدیک مسلمان ہی ہونا چاہیئے اور یہ کہ مسلمان کو اتنا عالم تو
ہونا ہی چاہیئے کہ جہل کی مہر اس پر نہ لگائی جاسکے۔ عقیدے کی موٹی
موٹی باتیں، اعمال کے فرائض اور فرائض کے ضروری مسائل، اور
اخلاق کی بنیادی تعلیمات کا سب کو علم ہونا چاہیئے۔ چونکہ مسلمانوں کا مرکزی
نظام صحیح نہیں ہے اس لیے ان کا دین علم اور جہل کے درمیان تقسیم ہے،
کچھ لوگ ہندوؤں کے پنڈتوں اور پروہتوں کی طرح عالم امام، نکاح خواں
اور جنازے کی نماز پڑھانے والے ہیں اور کچھ لوگ اپنی ان بنیادی حاجتوں
اور ضرورتوں کے لیے ان کے محتاج بن گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی طرح اسلام کے متبع بھی اپنے
دینی پیشوا کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ اس کو انتہائی سنجیدہ،
کرخت چہرے والا، کم گو، اور نہایت آہستگی سے باریک آواز میں
بولنے والا، مجلسوں سے دور محفلوں سے مجتنب اور میل جول سے راہِ
فرار رکھنے والا گوشہ نشین ہونا چاہیئے۔ حالانکہ اسلام کی اپنی تاریخ اس
قسم کے خیالات کی پابند نہیں ملتی ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو غم کی صورت میں آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے خوشی کی حالت میں باچھیں
کھلتی ہوئی، اور اپنے اصحاب کے ساتھ مذاح کرتے ہوئے بھی دیکھا
گیا ہے۔ آپ نے اچھے لباس بھی پہنے اور مردانہ زینت بھی اختیار
کی ــــــ زلف مبارک کو کنگھی سے آراستہ کیا اور داڑھی

کو باقاعدہ رکھا، عطر سے شوق فرمایا اور آنکھوں میں سرمہ لگانے کی پابندی کی ——— اسی صورت سے صحابہ کرام اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی زندگیوں کو بے قرینہ ہونے نہیں دیا ——— جنگ و جہاد کی مصروفیتوں، دور دراز کے سفر کے باوجود اپنی ہستی اور وجود کو نظر انداز نہیں کیا۔ آئینہ، کنگھی، تیل، سرمہ اور ضرورت کی دوسری تمام چیزیں ان کے ساتھ ہوتی تھیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کو جہاں نصیحتیں کرتے تھے وہاں مذاح بھی کیا کرتے تھے، شعر و شاعری کی محفلیں بھی جماتے تھے، دعوتیں بھی کیا کرتے تھے اور حسبِ توفیق زندگی کی جائز لذتوں میں ایک دوسرے کو شریک کیا کرتے تھے، وہ زندگی کو بوجھ نہیں بلکہ ایک کارآمد شے سمجھ کر اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے تھے۔

ظرافت کی چند باتیں

ایک مرتبہ ایک شخص نے امام شعبی سے پوچھا کہ ابلیس کی بیوی کا کیا نام ہے ——— وہ اس سوال پر نہ بگڑے اور نہ ہی اُسے مردود کہہ کر ڈانٹا، بلکہ نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ میں اس کی شادی میں چونکہ شریک نہ تھا اس لیے اس کی بیوی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

● ——— ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک حرامی لڑکے کے بارے میں یہ سوال کیا کہ حرامی لڑکے کا باپ 'شر' ہے یا ماں 'شر' کہلائے گی، یا پیدا ہونے والا لڑکا سب سے زیادہ 'شر' سمجھا جائے گا ———

انھوں نے اس عجیب سوال پر بھی کسی قسم کے رنج وغضب کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی پوچھنے والے کو ذلیل کر کے اپنی محفل سے نکال دیا بلکہ مسکراتے ہوئے جواب دیا ——— اگر سب میں زیادہ شر اور غلط وہ لڑکا ہی ہوتا تو اس کے پیٹ ہی میں ہونے کی حالت میں اس کی ماں سنگسار کر دی جاتی۔

● ——— الشعبی چونکہ جڑواں پیدا ہوئے تھے اس لیے نحیف الجثہ اور پیدائشی طور پر کمزور اور پست قامت تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھر ان سے ملنے گیا۔ گھر میں میاں بیوی دونوں تھے، اس لیے آنے والے نے ازراہِ مذاح پوچھا، آپ دونوں میں شعبی کون ہے ——— شعبی نے بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ شعبی ہیں۔

● ——— ایک دن شعبی ایک راستہ سے گزر رہے تھے راستے میں ایک درزی کی دکان آئی اس کو دیکھ کر ان کی رگِ ظرافت پھڑکی۔ کھڑے ہو گئے اور درزی سے کہنے لگے کہ میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا ادانہ ہے کیا تم اس کو سی سکتے ہو، درزی ان کو پہچانتا تھا اور بڑا حاضر جواب بھی تھا ——— فوراً ہی جواب دیا۔ ہاں سی تو سکتا ہوں مگر افسوس میرے پاس 'ہوا' کا دھاگا نہیں ہے اگر آپ کے پاس ہو تو دے دیجیے میں سی دوں گا۔

● ——— ایک مرتبہ ایک نصرانی کو اسلامی سلام ۔ السلام علیکم

ورحمۃ اللہ کہا۔ ایک شخص نے جو ان کے ساتھ تھا اعتراض کیا کہ آپ نے ایک نصرانی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا ——— انھوں نے جواب دیا کہ بھائی اگر اس پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ ہلاک ہو گیا ہوتا اس لیے میں نے رحمۃ اللہ کہنے میں غلطی کی۔

● ——— یہی نہ بلکہ اپنے معاصر دوستوں کو اپنی بذلہ سنجی سے اس قدر دق کیا کرتے تھے کہ وہ پریشان ہو جاتے تھے اور ان کے یہاں جانے سے کتراتے تھے۔

فہم و تدبیر

الشعبی بڑے ہی معاملہ فہم اور صاحب عقل و تدبر تھے ——— اموی خلفا ان کے فہم و تدبر کے ہمیشہ قائل رہے، خود عبد الملک بن مروان بڑی اہم ملکی خدمات ان کے حوالہ کیا کرتا تھا اور بڑی بڑی سفارتوں میں ان کو بھیجتا تھا جن کو وہ بڑی خوبی سے انجام دیتے تھے، ان میں سے اپنے ایک سفارتی کام کا وہ خود اس طرح ذکر کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عبد الملک بن مروان نے مجھ کو ایک سفارت میں قیصر روم کے پاس بھیجا، وہاں پہنچنے کے بعد قیصر نے مجھ سے جس قدر سوالات کیے میں نے سب کے نہایت ہی تسلی بخش جوابات دیئے ——— عموماً وہاں سفراء کے زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا دستور نہ تھا۔ لیکن اس نے مجھے بہت دنوں تک روکے رکھا، یہاں تک کہ میں گھبرا کر لوٹنے کے لیے آمادہ ہو گیا،

روانہ ہوتے کے وقت اُس نے مجھ سے پوچھا کیا تم شاہی گھرانے سے ہو، میں نے کہا نہیں بلکہ عام عربوں میں سے ہوں۔ یہ سن کر اس نے زیر لب کچھ کہا، اور ایک رقعہ مجھے دیا کہ اپنے بادشاہ کو میرے پیغامات پہنچانے کے بعد یہ رقعہ دے دینا، میں نے واپس ہو کر پیغامات تو پہنچا دیئے مگر وہ رقعہ دینا بھول گیا ــــــــ دارالخلافہ سے نکلتے وقت وہ رقعہ مجھے یاد آگیا اس وقت میں نے واپس ہو کر اس رقعہ کو عبدالملک کے حوالہ کیا۔ اس نے رقعہ پڑھ کر مجھ سے پوچھا، قیصر نے رقعہ دینے سے پہلے تم سے کچھ کہا بھی تھا۔

میں نے کہا ہاں اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہی خاندان سے ہو؟ میں نے جواب دیا نہیں میں عام عربوں میں سے ہوں۔ یہ کہہ کر میں واپس ہو گیا۔ دروازہ تک پہنچا ہی تھا کہ عبدالملک نے پھر بلایا اور پوچھا۔

تم کو رقعہ کا مضمون معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ میں نے کہا

اس نے رقعہ میری طرف بڑھا دیا اور کہا کہ لو پڑھ لو۔ میں نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ "مجھے اس قوم پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس نے ایک دوسرے شخص کو بادشاہ کیسے بنایا۔

یہ تحریر پڑھ کر میں بڑا سٹپٹایا پھر فوراً ہی کہا خلیفۃ المسلمین خدا کی قسم اگر مجھے پہلے خط کے اس مضمون کا علم ہوتا تو میں کبھی اسے نہ لاتا ــــــــ لیکن اس نے یہ بات صرف اس وجہ سے لکھی کہ اس نے اپنی آنکھوں سے آپ کو نہیں دیکھا۔ عبدالملک نے میری طرف دیکھا اور پھر پوچھا کہ اچھا

بتاؤ۔ اس رقعہ کو میرے پاس بھیجنے سے اس کا مقصد کیا ہے۔
میں نے جواب دیا مجھے تو معلوم نہیں۔
عبدالملک نے کہا کہ مجھے تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہارے قتل پر آمادہ کرنا چاہا ہے ــــ
بعد میں قیصر نے بھی خود اس کی تصدیق کر دی کہ ہاں اس کا یہی مقصد تھا۔

وفات

امام شعبی نے بڑی عمر پائی تھی۔ ۷۷ سال سے بھی زیادہ عمر پائی، اور بہت سے اُموی خلفاء کا زمانہ پایا ــــ

حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ وہ بزرگ تابعی ہیں جن کی کوششوں سے مسلمانوں نے اپنے اندر اور باہر کے دشمنوں کو پہچانا اور ان کا استیصال کیا ــــــ وہ وقت کے تمام فتنوں سے علیحدہ رہے۔ وہ حکمرانوں سے بھی الگ رہے اور حکمرانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے والوں سے بھی جُدا رہے۔ ان کا قول ہے ظالم حکمران دراصل اللہ کا عذاب ہے، اللہ کے اس عذاب کا مقابلہ تلوار نہیں بلکہ توبہ اور دعاؤں سے کرنا چاہیئے۔ تلوار کی دھاریں فتنے کو اُبھارتی ہیں اور فتنے بدامنی پیدا کرتے ہیں۔

مومن اللہ کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا ہے۔ وہ رزق پر قانع آزمائش میں صابر، راحت و آرام میں شاکر اور غافلوں میں ذاکر ہوتا ہے ــــــ لوگو نمازیں درست کر لو سب کچھ پالو گے ــــــ

ایک وعظ، ایک کسوٹی

افسوس صد ہزار افسوس! انسان آرزوؤں کے چکر میں مارا گیا۔ تمناؤں اور خیالی منصوبوں نے اس کو غارت کر ڈالا۔ وہ عمل سے بے بہرہ صرف قول کا بندہ بن کر رہ گیا۔ وہ جانتا سب کچھ ہے، مگر علم کے مطابق کرنا کچھ بھی نہیں ہے۔ صبر کی دولت سے وہ محروم ہے، ایمان تو اس کے پاس ہے مگر یقین سے خالی۔ وہ جس چیز کو حرام جانتا ہے اس کو اُس نے اپنے اُوپر حلال کر لیا ہے ــــــ

مسلمانو! تم نے اپنے دین کو زبان کا محض چٹخارہ بنا کر رکھ دیا ہے تم سے جب کوئی کہتا ہے قیامت پر یقین رکھتے ہو؟ تم جھٹ بول پڑتے ہو ہاں ہاں خدا کی قسم میں روز جزا پر یقین رکھتا ہوں

میں سچ کہتا ہوں تم جھوٹ بولتے ہو اور جھوٹی قسمیں کھا کر اور مالک یوم الجزا کو گواہ ٹھہرا کر جھوٹ بولتے ہو ـ حالانکہ

مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ اپنے دین میں قوی، اپنے ایمان میں مضبوط اور یقین میں کامل ہوتا ہے۔ اس کے علم میں حلم بسا ہوا اور اس کے حلم میں علم رچا ہوا ہوتا ہے اور وہ صاحبِ عقل و فکر ہو۔ اس کا مزاج نرم اور صبر و ضبط والا ہو۔ وہ خوش پوش ہو لیکن ایسا خوش پوش جس سے اس کے فقر و افلاس کی پردہ پوشی ہوتی ہو ــــــ وہ دولت مند ہو تو اس کے عادات میں میانہ روی ہو ــــــ خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حال لوگوں کے حق میں رحیم و فیاض ہو ــــــ ادائیگی حق میں کشادہ اور فراخ دل ہو۔ حق و انصاف کا ایسا ساتھی ہو کہ نفرت کی صورت میں بھی حد اعتدال سے تجاوز کرنے والا اور محبت کے کیف و سرور میں شریعت کی حدود سے آگے بڑھنے والا نہ ہو ــــــ اس کے اندر عیب چینی کی عادت نہ ہو اور طعنہ زنی کی خصلت ــــــ لایعنی باتوں سے پرہیز کرنے والا، لہو و لعب سے بچنے والا اور چغل خوری کی عادتِ بد سے محفوظ ہو ــــــ جو اس کا حق نہیں اس کے لینے کے درپے نہ ہو اور جو اس کا حق ہے اس کے لینے سے انکار نہ کرتا ہو ــــــ نہ دوسروں کی مصیبت سے مسرت محسوس کرتا ہو اور نہ کسی کی مصیبت دیکھ کر اس سے خوش ہوتا ہو۔

مومن کی نماز خشوع والی ہوتی ہے اور اس کا ذوق ہی

نمازی ہوتا ہے ـــــــ اس کا کام شفا کا پیام، اس کا صبر تقویٰ، اس کا سکوت سراسر غور و فکر، اس کی نظر سراپا درس عبرت ہوتی ہے ـــــــ مومن جہل سے گریزاں اور علم کا حریص ہوتا ہے ـــــــ وہ نیکی کر کے خوش ہوتا ہے اور اگر بدی ہو جائے تو فوراً مغفرت کا طلب گار بن جاتا ہے۔
ـــــــ اس کا دامن عفو و کرم وسیع ہوتا ہے، کوئی اس کو دکھ پہنچاتا ہے تو وہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اگر کوئی اس کے مقابلے میں جاہلانہ رویہ اختیار کرتا تو وہ اس سے دامن بچا کر نکل جاتا ہے۔ کوئی ظلم کرتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے۔

مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا محفل و مجلس میں باوقار، تنہائی میں شکر گزار، رزق پر قانع، آزمائش و رنج میں صابر، اور عیش و آرام میں شاکر ـــــــ اور غافلوں میں ذاکر ہوتا ہے۔

یہ ہے بے شمار تقاریر اور مواعظِ حسنہ میں سے ایک کھلی نصیحت، اس جلیل القدر تابعی، عظیم المرتبت عالم، صاحبِ کمال، صاحبِ دل اور صاحبِ حال حسن بصریؒ کی حق کی مجاہدانہ سرگرمیوں، عالمانہ بصیرت اور ذہنی ذہانت نے مسلمانوں کو ایک بار پھر ذوق خود آگاہی بخش دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد حکومت کا دھارا جب دوبارہ اسی رُخ پر بہنے لگا جس رُخ پر خلافتِ راشدہ کے بعد بہہ رہا تھا اور

مسلمانوں میں وہی برائیاں پیدا ہونے لگیں جو ایک عیش پرست اور آخرت فراموش قوم میں ہوتی ہیں۔ تو اس وقت مسلمانوں کی اصلاح کے لیے جو لوگ اٹھے تھے ان میں سر فہرست حضرت بصری کا نام آتا ہے۔

تاریخ اسلام کا پہلا آدمی

حضرت حسن بصریؒ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام صلاحیتیں جمع فرمادی تھیں جو اس دور کے مخصوص حالات میں دین کا وقار بڑھانے اور دعوت دین کو موثر بنانے کے لیے درکار تھیں ـــــــ ان کی شخصیت میں بڑی جامعیت دل آویز کشش تھی ـــــــ وہ محدث بھی تھے، مفسر قرآن بھی تھے۔ اعلیٰ درجہ کے فقیہ، بہترین واعظ اور زمانہ شناس تے وہ اس حقیقت کو جاننے والے غالبًا پہلے آدمی تھے کہ مسلم معاشرے میں منافقین نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ ایک مؤثر قوت رکھتے ہیں اور یہ کہ امور سلطنت تک میں دخیل ہیں۔ عیش ونشاط کی دنیا انھی سے قائم ہے، نفس پرستی اور عیش کوشی کی ساری بہاریں انھی کے دم سے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والی بداخلاقیوں کا سبب بھی یہی ہیں ـــــــ اور آخرت فراموشی جو مصیبت بن کر مسلم معاشرے پر چھاتی جارہی ہے۔ اس کے لانے والے بھی یہی ہیں۔

نفاق، منافقین اور منافقت کیا گل کھلا رہی ہے جس کی طرف

سے مسلمان تقریباً بے فکر اور بے خبر ہو چکے تھے، پہلی مرتبہ اس مجدد زمانہ کی سمجھ میں آئی، اور وہ اسے بے نقاب کرنے کے لیے مستعد ہو گئے ـــــــ وہ اُٹھے اور اُنھوں نے اپنے قول و عمل، درس و تدریس اور تحریر و تقریر سے پورے معاشرے کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ـــــــ ایک بجلی تھی جو کوندی ـــــــ ایک آواز تھی جو چاروں طرف گونجی ـــــــ نشتر کا ایک چاکو تھا جس نے معاشرے کے بدگوشت کو جسم سے نکال کر پھینک دیا۔ یہ دردمند دل تھا اور پُرسوز زبان تھی جس نے دلوں کو پگھلا دیا اور آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے ـــــــ

حسن بصریؒ کو گوشۂ عافیت میسر تھی ـــــــ اس میں بیٹھ کر وہ اللہ اللہ کرنے کی بجائے ـــــــ کارزارِ حیات میں کمربستہ نکلے اور برملا کہنا شروع کیا کہ حکومت میں ایک بڑا عنصر ایسے لوگوں کا ہے جو اسلام کا وفادار اور مسلمانوں کا مخلص نہیں ہے اور جس کو صرف اپنے اغراض اور مفادات عزیز ہیں اور وہ جو کچھ کرتا ہے صرف اپنے منافع کے لیے کرتا ہے ـــــــ یعنی اُنھوں نے مسلم معاشرے میں پیدا ہونے والی بیماری کا سرا پکڑ لیا اور سوسائٹی کی اصل بیماری کو سمجھ لیا۔ حسن بصریؒ کی دعوت و اصلاح کی طاقت و تاثیر دوسرے ہم عصر لوگوں کے مقابلے میں اسی لیے بہت شدید تھی ـــــــ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے معاشرہ نے کسی کے وجود اور کسی کی دعوت کو اس طرح محسوس نہیں کیا جس طرح حسن بصریؒ کے وجود اور ان کی دعوت کو محسوس کیا۔ اس لیے ان کی تقریروں

اور اُن کے درسوں سے اس بگڑے ہوئے معاشرہ پر زد پڑتی تھی ______ وہ "نفاق" کی حقیقت بیان کرتے تھے اور نفاق ایک مرض تھا جو اس سوسائٹی میں پھیل رہا تھا۔ وہ منافقین کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے تھے، اور یہ اوصاف و اخلاق بہت سے لوگوں میں پائے جاتے تھے، جو حکومت میں آگے آگے، فوج میں بڑھے ہوئے اور تجارت میں پیش پیش تھے ______ وہ آخرت فراموشی اور دنیا طلبی کے بحران کی مذمت کرتے تھے اور بکثرت لوگ اس کا شکار تھے۔ وہ موت اور آخرت کی تصویر کھینچتے تھے اور ان حقیقتوں کو مستحضر کراتے تھے اور مسلمانوں کے کھاتے پیتے لوگوں اور غافل شعار طبیعت والوں کا ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا، جس کی زندگی کی ساری رنگینیاں ان چیزوں کے بھلائے رکھنے میں تھیں، غرض ان کی دعوت، ان کے مواعظ اور ان کے اصلاحی درس اس زمانہ کی خواہشات و اغراض سے اس طرح متصادم تھے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کے لیے ان سے غیر متعلق رہنا مشکل ہو گیا تھا ______ اس کا نتیجہ تھا کہ بکثرت لوگ ان کی تقریروں اور مجلسوں سے چوٹ کھا کر پچھلی زندگی سے تائب ہوتے تھے اور نئی زندگی اختیار کرتے تھے۔ وہ اپنی تقریروں اور مجلسوں سے دین و ایمان کی دعوت بھی دیتے تھے اور اپنی صحبت و عمل سے نفوس کی تربیت اور تزکیہ بھی کرتے تھے۔ ساٹھ سال کی طویل مدت اُنھوں نے اس دعوت و اصلاح میں گزاری۔ اور اللہ جانتے کتنے انسانوں کی زندگیاں بدل گئیں اور کتنے کو صحیح حلاوت ایمان ان کے ذریعہ سے مل گئی ______ عوام بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ حسنؒ نے ساٹھ برس تک اپنی قوم میں وہ کام کیا

جو انبیائے کرام ، ختم نبوت سے پہلے ــــــــ اپنی اُمتوں میں کرتے رہے تھے۔

قول و عمل کی یکسانیت

حضرت حسن بصریؒ زندگی کے جن حقائق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے وہ حقیقتیں ان کی زندگی کے ہر پہلو سے نمایاں ہوتی تھیں۔ وہ جن باتوں سے مسلمانوں کو ڈراتے تھے ان سے خود ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ وہ جن عادتوں کو ترک کرنے کی لوگوں کو تلقین کرتے تھے وہ ایسی عادتوں سے خود بہت دُور ہوتے تھے ــــــــ زندگی کا دورخا پن جو اس وقت کے بہت سے لوگوں کا مزاج بن گیا تھا اس سے ان کا مزاج یکسر خالی تھا ــــــــ دُنیا جو نادان انسانوں کی زندگی کا حاصل بن جاتی ہے وہ ان سے ہمیشہ رُسوا رہا کرتی تھی ــــــــ حسن بصریؒ کہتے تھے سوز و گداز قلب سے کہتے تھے ، جو کرتے تھے خشیت میں ڈوب کر کرتے تھے ــــــــ ان کا کام فی الواقع شفاء کا پیام ہوتا تھا ــــــــ ان کا سکوت درحقیقت سراسر غور و فکر ہوتا تھا اور ان کی نگاہ سراپا درسِ عبرت تھی اور حسن بصری کا دل ایسا شکستہ ساز تھا جس سے درد کے سوا کوئی نغمہ نہ نکلتا تھا ــــــــ ان کے لب ہنسی سے ناآشنا اور اُن کا قلب حزن و غمگینی کا مسکن بنا رہتا تھا ــــــــ خشیت الٰہی کا اس قدر ان پر غلبہ رہتا تھا کہ ہر وقت ہراساں رہتے تھے۔ وہ چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ غم کی گہرائیوں میں ڈوبے

ہوئے ہیں اور ابھی ابھی اپنے کسی عزیز قریب کو دفن کر کے چلے آرہے ہیں۔۔ بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن اُڑا دینے کا حکم صادر ہو چکا ہے ـــــــ اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تھے تو ایسی کیفیت ان کی ہو جاتی تھی جیسے کہ دوزخ صرف انہی کے لیے بنائی گئی ہے

نِفاق

علم و ذکاوت اور فہم و بصیرت رکھنے والے ہی کوئی شخص اس زمانہ کے بگاڑ کی اصل کو سمجھ سکتا تھا اور تقویٰ کی اس بلندی، خشیت الٰہی کے اس مرتبہ، اور اوصاف کی اس بلندی تک پہنچا ہوا ہی کوئی آدمی بناؤ کا یہ کام کر سکتا تھا ـــــــ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت نے حسن بصری کے اندر جو صفات یکجا کر دی تھیں ان سے صحیح صحیح کام لے کر انھوں نے اُمت مسلمہ کو صدیوں تک کے لیے ایک ممتاز قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندہ رہنے کے قابل بنا دیا۔ اُنھوں نے ایسے قوت تمیز والے لوگ پیدا کر دیئے جو حق و باطل اور اخلاص و نفاق کے ایک عرصہ تک تمیز پیدا کراتے رہے اور مسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز بناتے رہے اور مسلم نما منافقوں سے سچے مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھتے رہے۔

عام فتوحات نے دولت کی فراوانی کر دی تھی، مسلمان غالب قوت کی حیثیت سے بساط عالم پر بکھر چکے تھے، اسلام کا جھنڈا دور دور علاقے تک لہرا چکا تھا، معمولی انسان بھی مسلمانوں کی صف میں شامل ہوتے ہے

باعزت ہو جاتا تھا۔ اسلام کی طرف نسبت جتا کر مسلم معاشرے اور مسلم سلطنت سے ہر طرح کی مراعات اور سہولتیں اور فوائد حاصل کر لینا آسان تھا۔ اس لیے مسلمان بن جانے میں لوگوں کے لیے پوری کشش تھی اس لیے مخلصین کے ساتھ ایسے لوگ بھی دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے تھے جو بظاہر تو مسلمان تھے لیکن حقیقت میں وہ اسلام کو اپنے اندر ہضم نہیں کر پاتے تھے اور ان کے پاس اتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ وہ اعلانیہ اس کا انکار کرتے اس لیے وہ مسلمانوں کے اندر خرابیوں کا بیج بوتے رہے ـــــــــ

حقیقت میں منافقوں کا یہ ایک گروہ تھا جو اسلام کے سایۂ عاطفت میں سچے مسلمانوں کی سادگی اور غفلت کی وجہ سے آسودگی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کو نہ کسی کشمکش کا سامنا تھا اور نہ کوئی منظم طاقت اس کی راہ میں مزاحم ہو رہی تھی۔ ہو سکتا ہے ان میں بہت سے لوگ ایسے ہوں جو اپنے ایمان کے لحاظ سے منافق نہ ہوں، کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جن کو خود اپنے نفاق کا حال معلوم نہ ہو، کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو یہ نہ جانتے ہوں اور نہ نفاق نام کی چیز ہی سے واقف ہوں۔ اس لیے اپنے ان اعمال کو دیکھ کر جو حقیقت میں کافرانہ ہوتے تھے اپنے کو مخلص مسلمان سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہوں ـــــــ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو اپنے اعمال کی خرابیوں کو محسوس بھی کرتے ہوں مگر اس کو محض انسانی کمزوری سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہوں اور حاصل ہونے والے عیش فراواں سے نفع اندوز ہو رہے ہوں۔

حسن بصریؒ نے انسان کی ان کمزوریوں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ نفاق

کے ہر رنگ کو انھوں نے سمجھ لیا تھا اور منافقوں کی تمام قسموں کا ان کو علم تھا۔ چنانچہ ان تمام بیماریوں کے مستقل علاج کے لیے آمادہ تھے اور اس روگ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے انھوں نے اپنی جدّ و جہد کا آغاز کیا۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اس میں وہ بہت کامیاب رہے۔

ان کی دعوت و تبلیغ مواعظ حسنہ، اخلاصِ عمل، سیرت و کردار کی پختگی اور للّٰہیت، اور سوزِ دروں نے بے شمار لوگوں کے دلوں سے نفاق کے بیج کو نکال دیا۔ بہت سے لوگ جو عذرات بلنگ، تاویلات اور توجیہ کے پردے میں اپنی بد اعمالیوں کو چھپائے ہوئے تھے وہ حقیقت آشنا ہو گئے۔ کچھ ایسے لوگ جو فریب نفس کا شکار تھے، نہ اپنے کو اسلام کا مجرم سمجھتے تھے، اور نہ اپنی زندگی اسلاف کے خلاف سمجھتے تھے، بلکہ مال و دولت کی حرص، نفع طلبی کے ذوق اور سامانِ عیش و نشاط کی بہتات نے ان کے تصوّرِ آخرت کو بالکل دھندلا دیا تھا اور اعمالِ بد کے ارتکابِ پیہم کی وجہ سے گنہگار مومن کی صف سے بھی نکل گئے تھے، وہ قصور کی تلافی کے لیے بیتاب ہو گئے اور احساسِ ندامت کے بھرپور جذبات کے ساتھ دوبارہ اسلام کی صف میں داخل ہو گئے۔

ایسے لوگ بھی تھے جو دعوائے ایمان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام سے کھلی سرتابی کر رہے تھے، نفع کی باتوں کو لیتے تھے اور مفاد پر زد ڈالنے والی چیزوں کو چھوڑ بیٹھتے تھے۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب حضرت بصری نے حقیقت کا علم اسلامی

اخلاق کے اُصول، حلال و حرام کے حدود اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے اللہ تعالیٰ نے جو قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں پدری دلسوزی اور اخلاص نیت کے ساتھ پیش کیا تو اُن کے دل نرم پڑ گئے اور خوف الٰہی سے لرز اُٹھے اور ایسے لوگ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں تھے ـــــــــــ

اور یہ واقعہ ہے کہ جو شخص شریعت کی مفید باتوں کو خوشی سے لپک کر لے مگر جو کچھ خدا کی شریعت میں اس کی اغراض و خواہشات کے خلاف ہو اسے رد کر دے، اور اس کے مقابلے میں دُنیا کے دوسرے ضابطوں اور طریقوں کو ترجیح دے وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔ اس کا دعوائے ایمان جھوٹا ہے کیونکہ وہ ایمان خدا اور رسول پر نہیں اپنی اغراض اور خواہشات پر رکھتا ہے ـــــــــــ اس کے علاوہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے وہ شخص بھی منافق ہی کہلائے گا۔ جو ایمان کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر فی الواقع خدا اور اُس کے دین اور جماعت مومنین کے ساتھ کوئی خلوص نہیں رکھتا۔ مسلم مفاد کے خلاف کارروائیوں کا مرتکب ہو: اور جب راز فاش ہو جائے تو اقرار گناہ اور توبہ کی توفیق طلبی کی بجائے عذرات لنگ تاویلات اور توجیہات پیش کرنے لگے اور اپنے قصور کو مان لینے کے لیے تیار نہ ہو۔ اسلام کی نگاہ میں وہ شخص بھی منافق ہے جو عدم اخلاص کا عادی مجرم ہے، اور اس کے کارنامہ ہائے زندگی میں مخلصانہ خدمات، ایثار و قربانی، نیکی کی طرف میلان اور خالص مسلم مفاد کے لیے کام کرنے کا کوئی ریکارڈ نہ ہو ـــــــــــ ایسے تمام لوگوں کو ایک صالح مسلم معاشرے میں منافق سمجھا جائے گا۔ ان

سے مسلم مفاد کے کام کو چھپایا جائے گا۔ ان کی حیثیت بالکل اچھوت کی ہو گی ان سے مسلم مفاد کے لیئے نہ جسمانی خدمات لی جائیں گی نہ مالی امداد کو قبول کیا جائے گا۔ نہ وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیے جائیں گے، نہ مسلمان ان کے لیے دعائے مغفرت کریں گے چاہے وہ کسی مسلمان کا باپ بیٹا یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

یہ سزا کیوں؟

بظاہر یہ بڑی سزا معلوم ہوتی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس جرم عام کی سزا ہر زمانہ میں یہی ہونی چاہیئے۔ ہر زمانہ میں مسلم معاشرے سے ان کو علیحدہ چھانٹ کر رکھا جائے کہ ایک مومن مخلص ایسے لوگوں کو دیکھتے ہی پہچان لے کہ یہ ہے وہ گروہ انسانی جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کی جڑیں کاٹتا رہا ہے ____ اسی قماش اور فطرت کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بن کر جنگ احد میں مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ بنی قینقاع بنی نضیر، بنو قریظہ کو ابھار کر میدان جنگ میں لانے والے بنے، جنگ خندق میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا باعث ہوئے۔ مسجد ضرار انھوں نے بنائی اور مسلمانوں کے خلاف مسلماں بن کر سازشیں انھوں نے کیں ____ لیکن آنحضرت کی موجودگی کے باعث ان کی ہر تدبیر ناکام اور اور ہر چال ناکام ہوئی اور خائب و خاسر ہو کر رہے۔ پھر دیکھیئے یہ منافقوں

ہی کا گروہ تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور اس کے بعد ملک میں ایک عرصہ تک ہنگامہ بپا رکھا ——— یہ عبداللہ ابن سبا اور اس کے گروہ کے لوگ ہی تھے جنھوں نے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرا کر تلواریں نیام میں سے باہر کرائیں ——— پھر حسن ابن صباح کا گروہ اُٹھا اور اُس نے پورے عالمِ اسلام کو فتنہ و فساد کی لپیٹ میں لے لیا۔ بے شمار اہلِ علم و دانش ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور مسلمان ایک عرصہ تک ان کے ہاتھوں مشکلات میں مبتلا رہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فتنہ پرور گروہوں کا سُراغ ملتا ہے جن کی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔

منافقانہ طرزِ عمل

مسلمانوں کی صف میں شامل ان ظالموں کے طرزِ عمل پر غور کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ منافقوں میں بعض لوگ تو وہ ہیں جنھوں نے سرے سے اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور مسلمان ہی نہیں ہوئے۔ وہ منافقانہ طریقے پر محض دھوکہ دینے اور مسلم معاشرے میں شرکت کے جائز فائدہ اُٹھانے کے لیے مسلمان ہو گئے ہیں۔

۲ ——— ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کلمہ گو ہے اور اُس نے مسلمانوں جیسے نام بھی رکھ لیے ہیں، اور مسلمانوں میں اس کی شادی بیاہ بھی ہے اور اگرچہ وہ کسی مسلمان کا بیٹا بھی ہے لیکن

اس ایمان اور اس ظاہری عمل کے باوجود اس کو خدا پر یا خدا کے رسولؐ کے برحق ہونے پر شکوک و شبہات میں اور اس بے یقینی میں مبتلا ہے کہ رسول خدا کا رسول ہے یا نہیں اور قرآن خدا کی کتاب ہے یا نہیں اور آخرت واقعی آنے والی ہے یا یہ محض ایک افسانہ تراشیدہ ہے۔

۳ ـــــــ انسان کے منافقانہ طرزِ عمل کی تیسری وجہ یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کو خدا اور رسول کو رسول مان کر بھی ان سے ظلم کا اندیشہ رکھتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ خدا کی کتاب نے فلاں حکم دے کر تو ہمیں مصیبت میں ڈال دیا اور خدا کے رسول کا فلاں ارشاد یا فلاں طریقہ تو ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

۴ ـــــــ انسان کے منافقانہ طرزِ عمل کی چوتھی بڑی وجہ یہ ہے جو پہلے بھی رہی ہے اور آج بھی ہے کہ وہ نفاق عمل میں مبتلا ہے۔ اعتقاد و ایمان ممکن ہے اچھا ہی ہو لیکن عمل میں اس کے سراسر نفاق ہو۔ وہ دنیا میں اس طرح گھر گیا ہو کہ حلال و حرام کی کوئی تمیز باقی نہ رہی ہو، اللہ اور اس کے احکام کا علم ہو لیکن دیدہ و دانستہ اس کے خلاف کرتا ہو، اور اپنے مفاد دنیوی کی خاطر قرآن و سنت کی صریح خلاف ورزی کرتا ہو، دولت کی حرص نے ان کو عاقبت بینی کے معاملے میں بالکل اندھا کر دیا ہو اور وہ عقل و دانش میں اپنے کو

اتنا بالا سمجھتا ہو کہ ہر حکم الٰہی کو اپنی فہم و بصیرت پر جانچتا ہو، اپنے مفاد کے میزان پر پرکھتا ہو اور احکام الٰہی کو کم تر سمجھ کر دور پڑے ڈال دیتا ہو۔ ایسے تمام لوگ اسلام کی نگاہ میں خائن دغا باز اور جعل ساز ہیں۔ وہ اپنے نفس کے لیے بھی ظالم اور مسلم معاشرے کے لیے تو ظالم تر ہیں۔

ان لوگوں کی صریح بد دیانتی دغا بازی اور مکاری یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری حکم شہادت پر اعتماد کر کے عام مسلمان اپنی ملت کا جزو جان کر اس کو تمام اسلامی حقوق اور مراعات سے مستفیض ہونے کا موقعہ دیتا رہتا ہے۔

عبادت میں وارفتگی

حضرت حسن بصریؒ کے ہم عصروں میں کئی انتہائی بلند پایہ صاحب علم و عزیمت اور صاحب ورع و تقویٰ لوگ تھے جن میں ابن سیرین عامر بن عبد قیس اور سعید بن مسیب مشہور ترین تابعی ہیں۔ جن میں ہر ایک ممتاز صفت رکھتا تھا۔ عامر بن عبد قیس کی عبادت مشہور تھی۔ ابن سیرین کے اندر ورع اور تقویٰ ان کی سیرت کی نمایاں ترین صفت تھی اور سعید بن مسیب تفقہ اور بصیرت میں ممتاز ترین آدمی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن تنہا حسن بصری کے اندر یہ تمام صفات جمع تھیں۔

عبادت میں طاعت کے ساتھ ان کے اندر وارفتگی، جوش و ولولہ اور خود فراموشی پائی جاتی تھی مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حمید نام کے ایک

شخص نے شعبی سے کہا کہ مجھے حسن سے کبھی تنہائی میں ملاقات کرا دو۔ حمید کی اس خواہش کا شعبی نے حسن بصری سے ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا جب دل چاہے آجائیں ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ ایک دن وہ اسی غرض سے شعبی دروازے پر موجود تھے، اُنھوں نے کہا حضرت بصری اندر تنہا ہیں چلے جائیے ملاقات ہو جائے گی ——— حمید کہتے ہیں کہ مجھے تنہا ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اُنھوں نے شعبی سے کہا کہ آپ بھی ساتھ چلئے چنانچہ دونوں ساتھ اندر گئے دیکھا کہ حسنؒ قبلہ رُو بیٹھے ہیں اور ایک عجیب کیفیت ان پر طاری ہے۔ وہ اپنے آپ سے جیسے بول رہے ہوں :

اے ابنِ آدم۔ تو عدم نیست تھا وجود و ہست میں آیا۔
تو نے مانگا تجھ کو دیا گیا، لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ
سے مانگا گیا تو تُو نے انکار کر دیا۔ افسوس تو نے بُرا کام کیا۔

یہ کہہ وہ بے خبر ہو جاتے تھے، پھر ہوش میں آکر یہی کلمات دُہراتے تھے ——— یہ رنگ دیکھ کر شعبی نے حمید سے کہا کہ لوٹ چلو اس وقت وہ کسی اور عالم میں ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کی زندگی میں نفاق و تضاد کا کوئی ادنیٰ شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ ان کے قول و عمل میں یکسانیت کا یہ حال تھا کہ وہ جب تک خود ایک کام نہ کر لیتے تھے اُس وقت تک دوسروں کو اس کے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے اور جب تک خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے اُس وقت تک دوسروں کو اس سے

منع نہ کرتے تھے ـــــــــ وُہ عالموں کی صحبت میں طالب علموں کی طرح بیٹھتے تھے۔ اور اہل دل کے ساتھ گھل مل کر اس طرح بیٹھتے تھے کہ وہ بلا امتیاز انہی میں سے ایک ہیں ـــــــ وہ قرآن کا درس دیتے تھے لیکن خود حافظِ قرآن ہونے کے علاوہ قرآن کو سبقاً سبقاً پڑھتے تھے۔ اور جب تک ایک سورۃ کی تفسیر، تاویل اور شانِ نزول کو نہ جان لیتے تھے اور اُن سے پوری واقفیت نہ حاصل کر لیتے تھے اُس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے ـــــــ اسی صورت سے علم حدیث سیکھنے کا بھی اُنھوں نے بے حد اہتمام کیا تھا جس کی وجہ سے بہترین مفسر اور اعلیٰ درجے کے محدّث بن گئے تھے۔

فقہ

مفسّر اور محدّث ہونے کے علاوہ وہ بڑے فقیہ بھی تھے۔ ان کا شمار اس وقت کے بڑے بڑے فقہاء اور اماموں میں ہوتا تھا ـــــــ وہ بصرہ کے مفتیٔ اعظم تھے ـــــــ حلال و حرام کے سلسلے میں وہ زبردست فقہی بصیرت رکھتے تھے اور مسائل شریعت سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ ربیع بن انسؒ کا بیان ہے کہ میں کامل دس سال تک حسنؒ کے پاس آتا جاتا رہا اور ان سے ہمیشہ نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے۔

اجتہاد

اچھے فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر اجتہادی قوت بھی ہو،

اور اس کی نظر مجتہدانہ ہو ـــــــــ حسن بصری میں یہ خوبی بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی ـــــــــ ان کا معمول تھا کہ جن مسائل میں روایتی سند نہ ملتی تھی اس میں اپنی رائے اور قیاس سے اجتہاد کرتے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ ان کی مجتہدانہ رائے پر صحابہ کرام تک نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ عام طور پر یہ بات کہی جاتی تھی کہ حسن بصری کی رائے اصابت وصحت میں اصحاب رائے صحابہ کے برابر ہوتی تھی۔ حضرت ابو قتادہؓ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ حسنؒ کی یہ رائے حضرت عمر فاروقؓ کی رائے کے بالکل مشابہ ہوا کرتی ہے۔ اور اصابت رائے میں حسن بصریؒ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح تھے۔

حضرت حسن بصریؒ کہا کرتے تھے کہ:

> فقیہ وہ ہے جو زاہد ومتورع ہو، اپنے سے بلند مرتبہ کی پرواہ نہ کرتا ہو، اور اپنے سے کم رتبہ والے کا مذاق نہ اڑاتا ہو، اور خدا نے اس کو جو علم عطا کیا ہے اس سے قلیل سے قلیل دنیاوی منفعت حاصل نہ کرتا ہو ـــــــــ

زبان وادب

یہ حقیقت ہے کہ حق کی طرف بلانے کا کام کمزور زبان میں نہیں کیا جا سکتا ہے اور اصلاح معاشرہ کی کوئی کوشش بھی زبان کی خامیوں کے

ساتھ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ انسان کے ضمیر کو زبان و ادب کی قوت ہی سے جھنجھوڑا جا سکتا اور قوائے عمل کا اضمحلال بھی شعر و ادب کے زور سے دور کیا جا سکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انقلاب کے پیچھے زبان کی قوت ہوتی ہے اور تحریک کے ساتھ عمدہ ترین لٹریچر ہوتا ہے ——— پیغمبروں کی دعوت حق ہو، صالحین کے پند و نصائح مجددین کی دعوت و تذکیر ہو یا "انقلابیوں" کی انقلابی کارروائیوں کے لیے للکار ہر ایک کے ساتھ زبان و ادب کی پر تاثیر قوت ہوتی ہے ——— قرآن اس کی بیّن دلیل احادیث رسول اس کی واضح مثالیں ہیں ——— پھر بعد کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں جن لوگوں نے اصلاح کا کام کیا سب کے سب تحریر اور تقریر کی بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے، ان کی زبانیں سلیس، شستہ اور رواں ہوتی تھیں۔

حسن بصریؒ اس لحاظ سے بھی بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں وہ بہترین زبان بولتے تھے ——— ان کی فصاحت و بلاغت مشہور تھی۔ ان کے زمانے میں فصاحتِ زبان اور عربیت میں رویہ بن عجاج اور حجاج بن یوسف مشہور تھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ان سے بھی زیادہ اچھی زبان استعمال کرتے تھے۔

تصوّف

حضرت حسن بصریؒ علومِ ظاہری میں جس درجہ کمال رکھتے تھے اس سے کہیں زیادہ باطن کی حقیقتوں یعنی عرفانِ نفس، عرفانِ حق، اور علمِ حقیقت

کے ماہر تھے۔ فقہ کی باریکیوں سے زیادہ تقویٰ کی حقیقتوں پر توجّہ دیتے تھے۔
اور فلسفیانہ علم وتخیل سے کہیں بڑھ کر نفس کا محاسبہ کرتے تھے۔

تصوّف کا سرچشمہ

اور یہ واقعہ ہے کہ حسن بصریؒ کی ذات تصوف کا منبع اور تذکیۂ نفس کے طریقوں کا سرچشمہ تھی۔ تصوّف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں، اور تصوّف کے سلسلے آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علی تک پہنچتے ہیں اور آج دنیا بھر کی خانقاہوں کے صدر نشین اپنے سلسلۂ تصوف کو، اور طریق رشد و ہدایت کو انہی کی ذات سے ملا کر حضرت علی تک پہنچاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک، شروع سے لے کر اس وقت تک تمام اکابر صوفیاء حضرت حسن بصریؒ کو اس سلسلہ نورانی کا سرچشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں۔ ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں اور ان کے اقوال اور تعلیم کو تصوف کا نصاب مانتے ہیں۔

تصوّف کیا ہے

اس موقعہ پر یہ بتا دینا غیر ضروری نہ ہوگا کہ تصوف مسلمانوں میں رشد وہدایت کا ایک طریقہ سمجھا جاتا ہے جو پہلی صدی ہجری سے شروع ہو کر ہر زمانہ میں قائم رہا ہے۔ خلفائے راشدین، پھر حضرت عمرو بن عبدالعزیز کے بعد جب مسلمانوں کی اصلاح و تعمیر کا کام سرکاری سطح پر بند ہو گیا۔ سیاست سے

دین آہستہ آہستہ جب جدا ہونے لگا، دولت کی ریل پیل ہوگئی، فتوحات کی کثرت نے دولت کا رُخ اہلِ ایمان کی طرف موڑ دیا اور غالب طاقت کی حیثیت سے مسلمان دنیا کے نقشہ پر اُبھر آئے تو قوموں کی قومیں اسلام کی آغوش میں بے دھڑک آگئیں۔ مستحکم حکومتوں نے لوگوں کو تمام بیرونی خطرات سے فارغ کر دیا۔ دیگر قوموں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے عجمی اثرات عربی ذہنوں کو متاثر کرنے لگے، اور سامانِ عیش و نشاط کی فراوانی ہوگئی ——— اور دنیا دست بستہ لونڈیوں کی طرح دربارِ شاہی سے لے کر مسجد و محراب تک میں داخل ہوگئی۔ ایوانِ حکومت میں تخت و تاج پر جھگڑے شروع ہو گئے، اور سیاست دین سے بڑی حد تک جدا ہوگئی تو مسلمانوں کی اصلاح کا کام افراد نے لے لیا اور وقت و حالات کی مطابقت اور مناسبت سے اصلاح کے طریقے ایجاد کیے ——— اصلاح کا کام کرنے والے ایسے لوگ صوفی کہلائے اور اصلاح کے مروجہ طریقوں کو تصوف کہا جانے لگا۔ اور جن لوگوں نے ان کے طریقِ اصلاح کو قبول کر کے اصلاح کے لیے اپنے کو آمادہ کر لیا وہ شاگرد، متبع، یا مرید کہلائے ———

تصوف کی یوں تو بہت لوگوں نے مختلف تعریفیں اور صوفی کی وجہ تسمیہ بھی بہت سی بیان کی ہیں لیکن حقیقت میں تصوف حق کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ اور جو آدمی اپنے احوال و اعمال کی نگرانی ہمیشہ کرتا رہتا ہے، دوسروں کے ساتھ حد درجہ با اخلاق ہو ——— اور اخلاق مندر ہنے کی سعی پیہم کرتا رہتا ہو، وہ صوفی ہے اور کسی بندہ مومن کا

زمانہ اور وقت کے اندر وہ کام کرنا جس کو انجام دینے کے لیے وہ زمانہ اور وقت مقرر کیا گیا ہو، یعنی وقت کے کام پر نگاہ رکھنا، یہ تصوف ہے۔

صوفیاء کرام

صوفی اور تصوّف کی اس تعریف کی روشنی میں جب ہم اصلاح معاشرہ کا کام کرنے والے ممتاز اہل حق کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو صاف دیکھتے ہیں کہ اصلاح معاشرہ کے لیے جس وقت جو کام کرنا چاہیے تھا انھوں نے وہی کیا ــــــ انھوں نے اصلاح احوال کے لیے وہی طریقے اختیار کیے جو اس زمانے اور وقت کے حالات سے مطابقت رکھتے تھے ــــــ ان کی زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں ملتا، جس میں تضاد پایا جاتا ہو وہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے تھے تو خود کو بھلا نہیں رکھتے تھے ان کی زندگی کا جدھر سے بھی جائزہ لیا جائے سرتا پا جدّوجہد نظر آئے گی حسن عمل کا بہترین نمونہ اور امت کے لیے خیر و فلاح کے سب سے زیادہ خواہشمند ملیں گے ــــــ وہ وقت کی حکومتوں پر تنقیدیں کرتے ہوئے ملتے ہیں تو دوسری طرف میدان جہاد میں داد شجاعت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں ــــــ کوئی حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کلمۂ حق کہتے ہوئے ملتے ہیں ــــــ کوئی حکمران حق باتیں سن کر خاموش ہو جاتا ہے تو کوئی جیل خانے بھجوا دیتا یا کوڑے لگواتا ہے ــــــ حالات نرم ہوں یا گرم وہ اپنا کام کیے جاتے ہیں ــــــ بڑا ہو یا چھوٹا، حاکم

یا محکوم۔ غریب ہو یا امیر وہ ہر خراب دل کے اصلاح کی فکر میں رہتے اور لوگوں کے دلوں کو کدورتوں سے پاک رکھنے کے دھن میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اگر دوسروں کو درس عمل دے رہے ہیں تو خود عمل کا نمونہ بنتے۔ اپنا تزکیہ کرنے میں منہمک ملتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے ذوق و وجدان کے ذریعہ نتائج عبادت پر نظر ڈالتے ہیں تاکہ معلوم کریں کہ کہیں ان میں کوتاہی اور خلل تو واقع نہیں ہو گیا ——— سچے، مخلص اور باخدا بزرگ اعلیٰ طینت صوفیائے کرام وقت اور حالات کے مطابق عبادات کی درستی، اصلاحِ نفس، تزکیے، اور لوگوں کے اندر خدا خوفی اور خدا ترسی پیدا کرنے کے لیے مخلصانہ جدّ و جہد کرتے رہے، اس سلسلے میں سلاطین وقت سے وہ الجھے بھی ——— صاحبِ اقتدار لوگوں کو ان کی غلط روی پر انھوں نے ٹوکا بھی اور حکومت کے اندر پیدا ہو جانے والے بگاڑ کو درست کرنے کا اہتمام بھی کیا۔ اور بلاشبہ صوفیائے کرام نے اس سلسلے میں اُمتِ مسلمہ کی بہتر خدمات انجام دیں۔ لیکن رفتہ رفتہ اصلاح معاشرہ کرنے والا یہ ادارہ خود بگاڑ میں مبتلا ہو گیا اور اس پر عجمی اثرات، روافض کے عقائد اور فرقہ اسماعیلیہ کے عجوبات داخل ہو گئے۔ پھر صوفیوں کی بدکرداریوں، فلسفے کی طویل بحثوں، غلط عقائد اور تصوّرات نے تصوّف کو باطل شے بنا دیا ——— پھر ایسے صوفی پیدا ہوتے، اور تصوّف کی ایسی ایسی شاخیں نکلیں کہ تصوف بددینی کا نام ہو گیا۔

تصوّف اور صوفیوں کی قسمیں

صوفیوں کی ایک قسم ملامتیہ کہلاتی ہے۔

۱۔ ملامتی وہ شخص ہے جو نہ نیکی کا اظہار کرتا ہے اور بُرائی کا اخفا کرتا ہے۔

جو فاسد خیال میں مبتلا ہو اس آدمی کو حلولیہ کہا جاتا ہے جو حلول کا قائل ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں حلول کرتا ہے

جبریت: انہی جہالت آبوں میں ان لوگوں کا گروہ بھی ہے جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ بحرِ توحید میں غرق ہیں، اس لیے ان کی کوئی حرکت ان کا کوئی کام ان کے اختیار سے نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے گمان کی رو سے وہ مجبورِ محض ہیں اور اللہ کے فضل واختیار کے مقابلہ میں انھیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے لہٰذا وہ معصیتوں کے لیے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں اور نفسانی خواہشات کی ہر پکار پر لبیک کہتے ہیں اس طرح وہ بے کار محض ہو کر ہمیشہ کے لیے غفلت میں جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دھوکے میں رہتے ہیں اور ملّت سے خارج ہو جاتے ہیں اور شریعت کے حدود و احکام اور حلال و حرام سب ان کی نظر میں بے معنی ہوتے ہیں۔

اسی صورت سے ملحد قسم کے لوگ جو جہل و نادانی کے دور میں صوفی کہلائے ان میں مشہور گروہ وجودیہ، اتحادیہ، حلولیہ اور ظہوریہ ہے

ان سب گروہوں نے فلسفہ کے پردے میں الحاد، بے دینی، بے راہ روی

بداخلاقی کو فروغ دیا اور مسلمانوں کو دین سے دور لے گئے۔

بگاڑ کی بنیادی وجہ

اس بگاڑ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے علم کو دو حصّوں میں بانٹ دیا۔ ایک کا نام علوم ظاہری رکھا اور دوسرے کا نام علوم باطنی۔ حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ؐ نے جو تعلیمات بھی دی ہیں چاہے وہ قانون اور شریعت کا علم ہو یا تزکیہ کا ——— فرائض وواجبات کے احکام ہوں یا نوافل و مستحبات کے، عدالت و قضا کے ہوں، یا جنگ و جہاد کے رات کی تاریکی میں چھپ کر نمازیں پڑھتے یا دعا و اذکار ہوں، سب کی تعلیم آپ نے واضح الفاظ میں دیں، واضح طور پر بتایا کہ کوئی علم کسی کے لیے خاص نہیں کیا ——— آپ کو حضرت علی جتنے عزیز تھے۔ حضرت ابوبکر، عمر و عثمان بھی اتنا ہی عزیز تھے، اگر آپ اپنے حسن و حسین کو اپنا جگر گوشہ سمجھتے ہیں تو حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ کو اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے ——— آپ نے جو کچھ بتایا واضح طور پر بتایا۔ آپ کی ان واضح تعلیمات کا نام شریعت، دین اور اسلام ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے خرافات ہے۔ شریعت کے خلاف جو کچھ ہے واہیات اور قابل اجتناب ہے ———

اسی باطنی علوم کے بارے میں حافظ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ اپنی کتاب فضل علم السلف علی الخلف میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ نومولود علوم

میں سے ایک یہ ہے کہ ان باطنی علوم سے شغف رکھا جانے لگا جن کا تعلق معارف اور اعمالِ قلوب سے بیان کیا جاتا ہے" اور ان پر فریفتگی محض رائے اور ذوق کی بنا پر ہے یا کشف کے سبب سے، حالانکہ ان میں خطرہ عظیم ہے اور اس کی خطرناکیوں ہی کے سبب سے امام احمد بن حنبل اور دوسرے اکابرین اور ائمہ نے اسے سخت ناپسند کرتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ:

"ہمارا علم کتاب وسنت سے مقید ہے لہٰذا جو شخص قرآن اور حدیثؐ سے نابلد ہو اس کے لیے ہمارے اس علم میں لب کشائی اور اقتدار جائز نہیں۔"

بہرحال تصوف جو تزکیۂ نفوس، اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور بدخلقی سے اپنے دامن کو پاک رکھنے کا ایک طریقہ یا علم تھا اس میں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شگاف پڑنا شروع ہو گیا ـــــ کیونکہ صوفیوں کی عزت واحترام کو دیکھ کر جھوٹے اور مکّار لوگوں نے اس کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اور جو علم غفلت وکوتاہی سے چونکانے کے لیے تھا اسی کو غفلت وکوتاہی اور دنیا کی کمائی کا ذریعہ بنا دیا گیا ـــــ پھر ان ظالموں نے اس شگاف کو وسیع سے وسیع تر کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس عظیم محل کے دروازے میں ایسے ناہنجار لوگ گھس آئے جو طرح طرح کے الحاد، زندقہ اور نفاق اپنی آستینوں میں چھپائے ہوئے تھے ـــــ چنانچہ اس میں داخل ہونے والوں میں ... لوگ بھی تھے:

- ——— جنھوں نے یہ دعوے کیے کہ اولیاء اللہ انبیاء سے افضل ہیں۔
- ——— جنھوں نے یہ دعوے کیے کہ اولیاء انبیاء سے مستغنی ہیں۔
- ——— ان میں ایسے نامعقول لوگ بھی ہوئے جنھوں نے انبیاء و رسل کی لائی ہوئی شریعتوں کو ناقص بتایا۔
- ——— ایسے غلط کار اور قابل صد ملامت لوگ بھی تھے جنھوں نے حلول و اتحاد کے کافرانہ عقیدے کا دعویٰ کیا۔
- ——— وہ بھی تھے جنھوں نے وحدۃ الوجود کا پرچار کیا۔
- ——— وہ اباحیت پسند اور رند مشرب بھی تھے جنھوں نے شرعی ممنوعات کو اپنے لیے حلال کر لیا تھا اور حلال کو حرام۔

ہمارے پیر اور صوفی

ہم اپنے دور میں اپنے صوفی اور پیر کو جب دیکھتے ہیں تو وہ بھی روح تصوف سے خالی نظر آتے ہیں ———

ہمارے یہاں آج بھی خانقاہیں تو بہت ملیں گی لیکن دلوں کو پگھلانے والی بھٹی کہیں نہیں ملے گی ——— ساکت لب پیر تو مل جائیں گے لیکن خود ان کے ذہن فکر، آخرت سے خالی ہوں گے ——— نیچی نگاہیں

کئے یا آنکھ بند پیر بھی ہمارے یہاں ہیں اور جب ان کے نہاں خانۂ دل کو جھانکئے تو وہ کھلا ہوا ملے گا ـــــــ قوالوں کی محفلیں سجائے ہاؤ ہو اور حق کے نعرے لگانے والے مست قلندر ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں لیکن ان میں اصلی تصوف کے نغمہ درد کا دُور دُور کوئی نشان نہیں ملے گا۔ خانقاہوں کی مجلسوں میں ہنسی اور مسکراہٹوں سے خالی لب آج بھی مل جائیں گے لیکن حزن و غمگینی کی اہلیت نہیں ملے گی۔ ایسی چالوں والے ایسی زبانوں والے اور ایسی آنکھوں والے پیر یہاں دیکھنے میں آئیں گے۔ جن کو دیکھ کر گمان ہونے لگتا ہے کہ یہاں کچھ ہے، مگر ڈھونڈھئے تو ہاتھ کچھ نہ آئے گا ـــــــ ظاہر تو ایسا ہو گا کہ یہاں سب کچھ ہے لیکن حقیقت میں ان کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہو گا ـــــــ

ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ سب خانقاہیں ایسی ہیں، ہر پیر جانی اور ہر صوفی سوداگر ہے لیکن بلا تردد یہ کیا جا سکتا ہے کہ تصوف کی شکل تبدیل ہو چکی اور اس کا مقصد فوت ہو چکا ہے اور ہماری بہت سی قومی برائیوں میں یہ بھی ایک برائی بن چکا ہے۔

آج کل کے صوفیاء نے امام تصوف حسن بصریؒ سے سیاسی زندگی سے بے تعلقی والی بات تو لے لی ہے لیکن دعوتِ حق، توبہ و استغفار سوز دروں کی کیفیت، عبادت گزاری، اور راہِ حق میں دکھائی جانے والی وفا شعاریوں کو ترک کر دیا ہے۔

تصوّف کی بدنامی کے اسباب

غرضیکہ ماضی اور حال کے اسی قسم کے بہت سے عقائد اور افکار نے تصوّف کے محل میں پڑ جانے والے شگاف کو اور وسیع کر دیا چنانچہ اس کے اندر شر و فساد کی بہت سی باتیں داخل ہوگئیں، دین کے نام پر بیدینی اور خرقہ پوشی کے اندر ضمیر فروشی ہونے لگی ــــــ کچھ لوگوں نے صوفیت کے لباس کا نام لے کر گھناؤنا لباس پہننا شروع کیا اور اس کی تعبیر یہ کی کہ نفس کو موٹا ہونے سے بچانے کے لیے اور انکسار و تواضع پیدا کرنے کے لیے یہ کیا گیا ہے ــــــ کچھ لوگوں نے گانے بجانے کی محفلیں جمائیں اور رقص کا اہتمام کیا اور اس کے جائز اور حلال ہونے کی یہ دلیل دی کہ ان سے دلوں میں رقّت پیدا ہو جاتی ہے اور سوزِ عشق میں اضافہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے خوب صورت چہروں کو دیکھنا عشقِ حقیقی کے لیے لازمی قرار دیا اور اس کا نام اباحیت عشق رکھا۔

واقعہ ہے کہ ان ساری خرابیوں نے تصوّف کو بدنام کیا اور اس کی افادیت کھو دی۔ ورنہ تصوّف کوئی بُری چیز نہیں ہے، وقت اور حالات کے مطابق اصلاح معاشرہ کا ایک طریقہ ہے، اسلامی انقلاب لانے کی کوشش ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت فضل بن عیاضؒ، رابعہ بصریؒ اور جنید بغدادیؒ، مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد شہید تک شامل

ہیں۔ اور موجودہ دور میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے اکابرین ملت و جماعت، تہذیبِ نفس، زہد و ورع اور عبادتِ الٰہی سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی ان ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہونے کے لیے اُٹھے جو ان کے زمانے میں ان پر عائد ہوتی تھیں ــــــ چنانچہ یہ حضرات بندگانِ خدا کو اللہ کی طرف بلاتے اور اُسے راہِ حق ان کو دکھاتے رہے وہ لوگوں کو دنیا پرستی سے روکتے۔ اور جائز و ناجائز اور حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر دنیوی سامان جمع کرنے کی دھن میں لگے رہنے سے منع کرتے رہے۔ نیز یہ روشن ضمیر لوگ عام مسلمانوں کو نفسانی خواہشات اور لذتوں میں پڑنے سے منع کرتے رہے کیونکہ یہ عادتیں انتہائی بری اور مہلک ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان شرعی ممنوعات کے ارتکاب پر جری ہوتا ہے، فرائض و واجبات سے غافل ہو جاتا ہے، اور جس مقصد کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ مقصد اُس سے فراموش ہو جاتا ہے۔ اور مقصد فراموشی آہستہ آہستہ آدمی کو بے راہ رو، مجرم پیشہ، مجرم ضمیر اور فسادی بنا دیتا ہے۔ اور اس طرح پورا معاشرہ اختلال و انتشار، بدنظمی اور بد اعمالی کا شکار بن جاتا ہے۔ ــــــ صوفیائے کرام چاہے وہ صدر اوّل کے ہوں یا دورِ حاضر یا ماضی قریب کے سب کے سب اپنے مواعظ و ارشادات، تحریک اور لٹریچر کے ذریعہ اخلاق کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ گویا اُمت کا ہاتھ پکڑ کر اس کو حق و ہدایت کی راہ پر گامزن کرتے رہتے ــــــ وہ حقیقی سعادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے اور یہ

کھول کھول کر بتاتے رہے کہ ایمان، عمل صالح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیئے بغیر آدمی راہ سعادت اختیار نہیں کر سکتا ____

مصلحین کی کثرت

یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں مسلمان اس لحاظ سے بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں کہ ہر دَور میں اصلاح اور دعوت و تذکیر کا کام ان میں برابر ہوتا رہا کہیں کبھی اور کوئی زمانہ اس سے خالی نہ رہا۔ صوفی ہوں یا عالم، پیر ہوں یا لیڈر، مسجدوں کے امام ہوں یا مدرسوں کے معلّم، کسی نہ کسی شکل میں کوئی نہ کوئی اس کام کو کرتا رہا ہے ____ اور کسی بڑی خرابی کے پیدا ہو جانے کے بعد کوئی مصلح یا کوئی مجدد آیا اور اُس نے معاشرے میں پھیلی ہوئی جملہ خرابیوں کو دُور کر کے ایک صاف ستھرا اور نکھرا معاشرہ قوم کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ جس کا عمل تطہر برسوں جاری رہا اور اُس نے اپنے قول و عمل سے اسلام کے نمونے پیش کر دیئے۔

حسن بصریؒ اور وقت کے فتنے

حسن بصریؒ اپنے دور میں اُٹھنے والے تمام فتنوں سے الگ تھلگ رہے، ابنِ اشعث کی بغاوت اور یزید بن مہلب کے فتنے سے اپنے کو بالکل الگ رکھا۔ اور نہ ہی اُنھوں نے حکومتِ وقت کا ساتھ دیا اور نہ حکومت کے خلاف اُٹھنے والے کے ساتھ کوئی تعاون کیا ____

ایک مرتبہ ابنِ اشعث کے ساتھیوں نے آپ کو جبر یہ جنگ میں شریک کرنے کی کوشش کی اور بالجبر لے چلے، اثنائے راہ میں جب لوگ کچھ غافل ہوئے تو اُنھوں نے نہر میں چھلانگ دی اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا لیکن جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ ابنِ اشعث کو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ لوگ آپ کا اسی طرح ساتھ دیں جس طرح اُنھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ساتھ دیا تھا تو آپ حسن بصری کو اپنے ساتھ ملا لیجیے۔ لوگ پروانہ وار آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جائیں گے ـــــ چنانچہ لوگوں کے اُبھارنے پر اُس نے حسن بصری پر جبر ڈال کر بلایا اور وہ موقعہ پا کر نہر میں کود کر بھاگ گئے ـــــ مگر جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ عقبہ بن عبد الغافر، ابوالجوزاء اور عبد اللہ بن غالب اور کئی دوسرے لوگ حسن بصری کے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا کہ حجاج بڑا ظالم ہے، اُس نے لوگوں کے ناحق خون بہائے ہیں، لوگوں کے مال زبردستی چھینتے ہیں، وہ نماز کا تارک، فاسق اور معصیت کار ہے، اس کے خلاف بغاوت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت بصریؒ نے کہا:

"میری رائے میں تم اُس سے جنگ نہ کرو، کیونکہ اگر اس کی جنگ اللہ کی طرف سے تم پر عذاب ہے تو تم اپنی تلواروں سے اسے ہٹا نہیں سکتے اور اگر آزمائش اور عذاب نہیں تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ فیصلہ

فرمادے، اللہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔

ایک جگہ جنگی کمیٹی بیٹھی ہوئی تھی اور خلافتِ اُموی کے خلاف جنگ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ لوگ جنگ کرنے کے لیے اُبھار رہے تھے ـــــــ سعید بن ابوالحسن تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور انھوں نے لوگوں کو جنگ پر اُبھارتے ہوئے کہا کہ اگر آج ہم نے شامیوں کا اس جنگ میں ساتھ نہیں دیا تو کل وہ ہم کو طعنہ دیں گے۔ پھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم امیرالمومنین کے خلاف تو جنگ کرنے میں کھڑے ہوئے ہیں، نہ ہم نے ان کی بیعت توڑی ہے اور نہ توڑنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔ البتہ امیرالمومنین سے ہم کو شکایت ہے، اور وہ یہ کہ انھوں نے حجاج جیسے ظالم کو ہمارے اُوپر کیوں حاکم بنایا اسے معزول کیا جائے۔ ہمارا سب غم و غصہ صرف اسی وجہ سے ہے۔

سعید جب اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے، حسن بصریؒ کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے پہلے حمد و ثنا کی اس کے بعد کہا:

"لوگو! اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر حجاج کو عذاب بنا کر بھیجا ہے۔ عذاب الٰہی ہے جو تم پر مسلّط ہے، لہٰذا تلوار سے اللہ کے عذاب کا مقابلہ نہ کرو، البتہ اس عذاب کے ٹلنے کی دعائیں کرو، اللہ کے سامنے رو رو کر گڑگڑاؤ۔ اور اس عذاب سے اس کی پناہ طلب کرو، اب رہا تمھارا یہ کہنا کہ شامیوں کو کیا منہ دکھائیں گے، اور وہ ہمارے

بارے میں کیا رائے قائم کریں گے ____ تو میرے بھائیو! اُن لوگوں
شامی خود کوئی قابلِ بھروسہ لوگ نہیں ہیں اگر وہ حجاج کے مقابلے میں
آئے اور حجاج نے اُن کے آگے ٹکڑے ڈال دیئے تو وہ تمھارا
ساتھ چھوڑ کر حجاج کے ساتھ ہو جائیں گے اور تمھاری باتوں
کو ماننے کی بجائے اسی کے آگے سرِ نیاز خم کر دیں گے ____
لوگو میری کھلی رائے یہ ہے کہ جب لوگ سلطان کی طرف سے
آزمائش میں مبتلا کیے جائیں اور وہ اس آزمائش پر صبر کر لیں
تو کچھ دنوں کے بعد آزمائش کا دور ختم ہو جائے گا، لیکن
اگر بے صبر ہو کر تلواریں نکال لیں اور تلواروں کی دھاروں ہی
پر فیصلہ کرنا چاہیں تو اس سے بدامنی اور بے اطمینانی ہی پھیلتی
ہے۔ خدا کی قسم ان طریقوں سے پُرامن دَور نہیں آتا۔

اور آگ نے نہیں جلایا

ایک آتش پرست آپ کا ہمسایہ تھا۔ اس کا نام شمعون تھا۔ ایک
مرتبہ شمعون بہت سخت بیمار ہوا۔ آپ کی عیادت کے لیے اُس
کے گھر گئے ____ بات چیت کے دوران حضرت حسن بصریؒ نے
شمعون سے کہا:
- ساری عمر تم نے آگ اور دھوئیں میں بسر کر دی، اب بھی
وقت ہے کہ اپنے اصلی اور حقیقی معبود کو پہچانو اور اُس سے

ڈرو ــــــــ بہتر ہے کہ تم اسلام قبول کرلو، تاکہ خدا کی رحمت سے نوازے جاسکو ــــــــ اُس نے کہا۔ اسلام کو قبول کرلیتا اگر یہ تین باتیں رکاوٹ نہ بنتیں۔

آپ نے کہا وہ کون سی چیز ہے جو قبولیتِ حق کی راہ میں مانع ہو رہی ہے؟

اُس نے کہا ــــــــ اوّل یہ کہ تم دن رات دنیا کو بُرا کہتے رہے ہو لیکن اس کی طلب میں مشغول رہتے ہو۔

دوم یہ کہ موت کو حق سمجھتے ہوئے بھی اس کا ساماں نہیں کرتے۔

تیسری بات یہ کہ یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا پھر بھی اس کی رضا کے خلاف کام کرتے ہو۔

آپ نے فرمایا:

اگر اہلِ ایمان ایسا کرتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنے معبود کو پہچانتے ہیں اور یہ آشنائی کی نشانی ہے۔ مگر تم کیا کرتے ہو ــــــــ تم نے تمام عمر آتش پرستی میں گزار دی۔ اور میں نے کبھی بھی آگ کی پوجا نہ کی۔ اس کے باوجود اگر آگ میں ہاتھ ڈالیں تو آگ دونوں کو یکساں طور پر جلا ڈالے گی۔ تمھاری ستّر سالہ پوجا کی کوئی رعایت نہیں کرے گی ــــــــ لیکن اگر میرا خدا چاہے تو آگ کی مجال نہیں کہ کچھ بھی بگاڑ سکے۔ آؤ دونوں آگ میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ آگ کی کمزوری اور خدا کی

قدرت ظاہر ہوتی یہ کہہ کر آپ نے آگ میں ہاتھ ڈال دیا اور دیر تک
آگ میں ہاتھ رکھے رہے لیکن آپ کے ہاتھ پر آگ کا ذرّہ برابر
اثر نہ ہوا۔"

شمعون پر اس کا گہرا اثر ہوا اور اس طرح اُس نے اپنے حقیقی معبود کو
پہچانا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا ــــــــ

حسن بصری کی نصیحت

ایک مرتبہ ایک سفید ریش کو آپ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، تین
کام ہرگز نہ کرو۔

۱۔ بادشاہوں کے پاس نہ جانا خواہ شفقت کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔
۲۔ کسی غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھو، چاہے وہ رابعہ بصری
ثانی ہی ہو۔
۳۔ کانوں کو راگ و رنگ کا عادی نہ بنانا چاہے تو مردانِ خدا ہی کا مرتبہ
حاصل کر لے ــــــــ کیونکہ یہ تینوں کام خطرے سے خالی نہیں

حضرت حسن بصریؒ کے اقوال

حضرت بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو وسوسے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں ا
نکل جاتے ہیں وہ شیطان کی جانب سے ہیں ان کے ازالہ میں ذکر خدا اور تلاو
قرآن سے مدد لینی چاہیئے ــــــــ اور جو پیدا ہو کر قائم ہو جاتے ہیں وہ نف

کی جانب سے ہیں، ان کے دُور کرنے میں نماز، روزہ اور ریاضت سے مدد لینی چاہیئے۔

متواضع ہونے کی شرط یہ ہے کہ گھر سے باہر کسی سے بھی ملے تو اس کو اپنے سے افضل اور برتر سمجھے۔

- ـــــــ جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے۔
- ـــــــ ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو۔
- ـــــــ طمع عالم کو رسوا کر دیتی ہے۔
- ـــــــ اپنے بھائیوں کی عزت کرو تو ہمیشہ ان کے ساتھ تمھاری دوستی قائم رہے گی۔
- ـــــــ اگر موت کی رفتار پر انسان کی نظر ہوتی تو وہ اپنے فریب اُمید کا دشمن بن جاتا۔
- ـــــــ خدا کی قسم جس نے مال وزر کو عزت دی خُدا نے اس کو ذلیل کیا۔
- ـــــــ عقل مند کی زبان قلب کے پیچھے ہے جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو پہلے وہ قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اور جاہل کا قلب اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے، وہ قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے۔

● دُنیا درحقیقت تمہاری سواری ہے، اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو وہ تم کو اپنی پیٹھ پر اُٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی۔

● جب تم کسی شخص سے دُشمنی کرنا چاہو تو پہلے اُس پر نظر کرو، اگر وہ خُدا کا مطیع ہے تو اس سے دشمنی رکھنے سے بچو، کیونکہ خُدا اس کو تمہارے قبضہ میں کبھی نہ دے گا اور تمہارے لیے اس کو تنہا بے یار و مددگار نہ چھوڑے گا، اور اگر وہ خود نافرمان ہے تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ خود ہلاک ہو جائے گا، خدا کی دشمنی اس کے لیے کافی ہے، اپنے کو اس کی عداوت میں خواہ مخواہ کیوں پریشان کرتے ہو۔

● میں نے ایسے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو اور اُسے آخرت ملی ہو۔ اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اُسے دُنیا بھی مل جاتی ہے۔

● اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا کے سپرد کر دو اور ہر مسلمان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔

چند واقعات و حقائق

ایک روز خواجہ حسن بصریؒ اپنی عبادت گاہ کے بالاخانے پر بیٹھے رو رہے تھے اور کثرتِ گریہ سے آنسو رُخسار پر گر کر بہہ رہے تھے، اتفاق سے

سی وقت ایک شخص نیچے سے گزرا اور اُس پر آنسو کے چند قطرے گر پڑے، اُس
نے اُوپر دیکھا اور پوچھا اے بھائی پانی کے یہ قطرے کیسے ہیں پاک ہیں یا ناپاک۔ آپ
نے فرمایا کہ بھائی ایک گنہگار کے یہ ناپاک آنسو ہیں، انھیں دھو ڈالو۔

دا کی محبّت

ایک مرتبہ ایک خوبصورت عورت ننگے سر، ہاتھ منہ کھولے غصّہ میں بھری ہوئی
پ کے پاس اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی ——— آپ نے فرمایا! اے
ک بخت پہلے اپنے سر منہ کو ڈھانپ لے، پھر شکایت بھی کر لینا ———
ورت شرمندہ ہوئی اور کہا معاف کیجیے ——— میں اپنے شوہر کی
بت میں از خود رفتہ ہو گئی کہ مجھے اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا ———
پ نے اس کی بات سُن کر دل میں کہا:
اے حسن اگر تو بھی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی دوستی میں ایسی ہی محویت
ے کام لیتا رہا تو مجھے معلوم نہ ہوتا کہ اس عورت کے سر پر کپڑا ہے یا نہیں۔

ق گوئی و بیباکی

ایک دن آپ ایک مقام پر لوگوں کے ہجوم میں تقریر کر رہے تھے، اتفاق
ا بات حجاج بن یوسف شمشیر برہنہ سپاہیوں کے ساتھ ادھر ہی آنکلا۔ ایک
نخص جو اس مجلس میں شریک تھا اس کا بیان ہے کہ میرے دل میں اسی وقت
خیال آیا کہ آج حسن بصریؒ کا امتحان ہو جائے گا ——— دیکھتے ہیں کہ حسن

حجاج کے سامنے بھی اسی طرح داعظانہ کلام فرماتے رہتے ہیں یا یہ کہ اس کے احترام میں کھڑے ہو کر اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتے ہیں؟ آخر کار وہ مرحلہ آ ہی گیا ــــــــ حجاج آپ کے بالکل قریب آگیا اور اُس نے اپنی موجودگی کا ان کو احساس دلانے اور احتراماً کھڑے ہو جانے کے لیے دیدہ دانستہ کوششیں بھی کیں۔ آپ نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، اور جس طرح وعظ فرما رہے تھے اسی انہماک کے ساتھ وعظ کرتے رہے ــــــــ اس شخص کا کہنا ہے کہ یہ دیکھ کر حسن کو دل ہی دل میں داد دینے لگا کہ حسنؒ واقعی حسن ہیں۔ دلیر اور بہادر ہیں ــــــــ حسن بصری جب اپنی تقریر دل پذیر ختم کر چکے تھے تو حجاج آپ کے پاس گیا ــــــــ اور اُن سے مصافحہ کر کے لوگوں سے کہنے لگا۔ اے لوگو! اگر تم کوئی مرد دیکھنا چاہو تو حسن کو دیکھ لو۔

یہ ہے انجام

حضرت حسن بصریؒ جنازے کے ساتھ خود بھی چلا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی چلنے کی تلقین و نصیحت کیا کرتے تھے ــــــــ ایک مرتبہ حسب عادت کسی شخص کے جنازے میں شریک تھے۔ جب لوگ اسے قبر میں اُتار چکے تھے اور بعد فراغت گھروں کی طرف واپس جانے لگے، تو آپ راستہ میں ایک جگہ بیٹھ گئے اور لوگوں سے فرمایا اے دنیا کے پرستارو، مال و دولت

کے متوالو، دیکھ لیا تم نے آدمی کا انجام۔ یہ جگہ دنیا کا آخری مقام اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔ پھر جب انجام یہ ہے تو بتاؤ کس بات پر ناز ہے، کس وجہ سے غرور ہے۔ لوگو دیکھ لو یہ دنیا کیسی جائے عبرت ہے۔

حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ

حضرت حسن بصریؒ کے زمانہ کے بزرگ ترین لوگوں میں حضرت سعید بن جبیر، ابن سیرین وغیرہ تھے، حضرت حسن بصریؒ کو سعید بن جبیرؒ سے بڑا ہی قلبی لگاؤ تھا۔ جب حجاج نے سعید بن جبیر تابعی کو انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا تو وہ بہت بے کل ہو گئے اور انتہائی اضطراب کے عالم میں حضرت حسن بصریؒ نے دُعا کی "خدایا ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے۔ وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم اگر سارے روئے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں ڈال دیتا۔

حجاج کے حق میں حسن بصری کی یہ بد دُعا اور خود سعید بن جبیر کی شہادت کے وقت کی یہ دُعا کہ "خدایا میرے قتل کے بعد پھر اس کو کسی دوسرے کے قتل پر قادر نہ کرنا" اللہ کے حضور سُن لی گئی ——— اور اس دردناک واقعہ کے چند ہی دن بعد حجاج ایک خاص قسم کے جنون میں مبتلا ہو گیا ——— سوتا تھا تو خواب میں بھی اسے جناب سعید ہی نظر آتے اور کہتے کہ او ظالم تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے؟ آنکھ کھلتی تو اُس وقت بھی جناب سعید کو اپنے سامنے کھڑا پاتا ———

یہ کیفیت ابھی باقی ہی تھی کہ وہ امراض کی لپیٹ میں آگیا۔ پہلے اس کے پیٹ میں سرطانی پھوڑا نکل آیا اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ اس کا زہر دن بدن جسم میں بڑھتا ہی چلا گیا جس سے ایک اور نئی بیماری ہوگئی جس کا نام زمہریرہ ہے اس بیماری میں اس کو ایسی سردی محسوس ہوتی کہ دھکتے انگاروں کی ہزاروں انگیٹھیاں اس کے اتنا قریب کر دی جاتیں کہ اس کی کھال جلنے لگتی پھر بھی اس کی سردی کم نہ ہوتی۔

طبیبوں نے جب تجویز کیا کہ پیٹ میں پھوڑا ہے اور اس کو جانچنے کے لیے روئی کے ٹکڑے کو دھاگے میں باندھ کر حجاج کو نگلوایا جب ٹکڑا نگل گیا تب جھٹکا دے کر باہر کھینچ لیا گیا جو صرف کیڑوں سے بھرا تھا۔ یہ دیکھ کر اطبا نے اس کی بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا۔

حسن بصریؒ اور حجاج

اس تکلیف سے بیزار ہو کر حجاج نے خواجہ حسن بصریؒ کو بلایا اور رونے لگا اور آپ کی خدمت میں گڑگڑا کر التجا کی کہ میرے لیے دعا کیجیے۔ جناب حسن بصریؒ نے فرمایا۔ حجاج دیکھ میں تجھ کو برابر نصیحت کیا کرتا تھا کہ لوگوں کو ناحق نہ ستا مگر تو نے میری باتوں پر کوئی توجہ نہ دی، کبھی میری نصیحت پر عمل نہ کیا۔ اب تو روتا ہے، اب رونے سے کیا فائدہ؟ سعید کے ساتھ تو نے جو کچھ کیا یہ اصل میں اسی کا خمیازہ ہے؟ حجاج نے کہا، حسن بصری آپ میری صحت کے لیے دعا نہ کیجیے بلکہ موت کی دعا کیجیے تاکہ میری مشکل آسان ہو جائے

حضرت حسن بصریؒ سے لوگ جب کبھی یہ کہا کرتے تھے کہ آپ تلوار سے لوگوں کو سیدھی راہ پر کیوں نہیں لاتے؟ تو وہ فرمایا کرتے، اللہ تعالیٰ توبہ سے ہدایت فرماتا ہے تلوار سے نہیں ——

حسن بصریؒ کی وفات اور خواب

ایک شخص نے ابن سیرین سے کہا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک پرندے نے حسن کو اٹھا کر مسجد میں پھینک دیا۔

ابن سیرین نے یہ خواب سن کر کہا۔ اگر تم واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو حسنؒ فوت ہو گئے —— ابھی اس بات پر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسنؒ کی وفات کی خبر آ گئی۔

حسن بصریؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انھوں نے کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسنؒ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہو گا۔

ان تیاریوں سے فراغت کے بعد شب جمعہ کو سفر آخرت کیا۔ محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا۔ دوسرے دن بعد نماز جمعہ جنازہ اٹھا ساری خلقت جنازہ پر ٹوٹ پڑی۔ سارا شہر خالی ہو گیا، اور تاریخ گواہ ہے کہ اس دن جامع بصرہ میں کسی شخص کے نہ ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز نہ ہو سکی

خوش رو اور خوش لباس

حضرت حسن بصریؒ خوش لباس انسان تھے۔ منقش چادریں، سیاہ عمامے، انگوٹھی، جُبّہ، یمنی کپڑے پہنا کرتے تھے ـــــ ان کے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی ہوا کرتی تھی، وہ کبھی سبز رنگ، کبھی رنگ دار اور قیمتی چادر اوڑھا کرتے تھے ـــــ شطوی کتان کا کرتہ، نیلی، سبز چادر اور تر کی جبہ بھی پہنے ہوئے ان کو دیکھا گیا۔ گرمی ہو یا سردی۔ پگڑی ضرور باندھا کرتے تھے۔ اور عموماً پگڑی رنگ دار ہوا کرتی تھی ـــــ حسن بصری مشہور مقامات کے عمدہ کپڑے منگاتے تھے۔ شطاء کی کتان۔ یمن کی چادریں اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے۔ لباس میں ہمیشہ پورے کپڑے یعنی جبہ ردا اور عمامہ، کرتہ وغیرہ پہنتے تھے۔ بغیر عمامہ گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ آپ جتنا اچھا کپڑا پہنتے تھے اتنا ہی زیادہ حسین بھی تھے۔

عاصم احول کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ بصرہ جاتے وقت امام شعبی سے پوچھا کہ بصرہ جا رہا ہوں کوئی ضرورت ہے تو بتائیے۔ شعبی نے کہا حسن کو میرا سلام پہنچا دینا۔ عاصم نے کہا۔ میں ان کو پہچانتا نہیں ہوں۔ شعبی نے یہ نشان بتایا کہ بصرہ میں داخل ہونے کے بعد تم کو جو شخص سب سے زیادہ حسین نظر آئے اور تمہارے دل پر جس کا سب سے زیادہ رعب پڑے اسی کو سلام پہنچانا۔ اسی نشانی پر عاصم نے شعبی کا سلام پہنچایا جو ٹھیک حسن بصریؒ کو پہنچا۔

سعید بن جبیر

سعید بن جبیرؒ

تاریخِ اسلام جن ہستیوں کی وجہ سے تاریخِ عالم میں اپنا ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ان ہی میں ایک بزرگ ہستی حضرت سعید بن جبیرؒ کی ہے ـــــ جن کے ذوقِ علم اور شوقِ شہادت نے زندگی کے بہت سے عنوانات کو یکجا کر دیا ہے ـــــ

علم اور سیاست اور عبادت و عدالت سے لے کر عزیمت و جبارت تک، بے شمار خوبیاں تنہا اس ایک شخص میں جمع ہو گئی ہیں۔ ایک ہی شخص جو بہترین مفسر، اعلیٰ مرتبہ محدّث، ممتاز فقیہ، قضاۃ اور بہت سی علمی شاخوں کا ماہر ہے۔ وہی متوکل، رضائے الٰہی کا پابند، حق گو اور بیباک، شریعت کا پابند، خوش لباس، خوش جمال، مدبر وقت، موت سے بے خوف اور برملا حق بات کہہ دینے والا بھی ـــــ

یہ ہیں سعید بن جبیرؒ جن کی زندگی کی ابتدا جستجوئے علم اور انتہا انتہائے عمل ـــــ

حضرت **سعید بن جبیر** رحؒ ان نامور تابعین میں سے ہیں جن کے کارنامہ ہائے حیات اسلامی تاریخ کا ایک اہم جزو ہیں ——— اور اسلام کی تاریخ دعوت وعزیمت ان کے نام نامی کے بغیر مرتب نہیں ہو سکتی ——— اور زہد و تقویٰ کی مثالیں دنیا میں جب کبھی پیش کی جائیں گی اس میں امام سعید کا نام ضرور آئے گا ——— اور اخلاقی عظمتوں کے میناروں کو جب کبھی سر اٹھا کر دیکھے گا تو یہ مینار بہت سے میناروں میں بلند و بالا نظر آئے گا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی علوم کے بہت سے سرچشمے ان کی ذات سے پھوٹتے ہیں۔ قرآن کا بیان، احادیث کی توضیح، فقہی مسائل کا حل جس عمدگی سے آپ نے پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ——— آپ ابن عباسؓ کے شاگرد، بلکہ دیدہ و بینا تھے ——— بہترین محدث، اعلیٰ درجہ کے فقیہ، اور عالی مرتبت مفسر تھے ——— بیباکی اور حق گوئی میں انتہائی جری اور جسارت مند تھے۔

قرأت وتفسیر

قرأت اور تفسیر دونوں ہی میں آپ کو ملکہ تھا، آیاتِ قرآں کی شانِ نزول اور ان کی تفسیر وتاویل میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ چونکہ حضرت ابن عباس رض کے فیض یافتہ تھے، اور آپ رض کے حلقۂ درس میں پوری پابندی سے بیٹھتے تھے — اس لیے مجلس میں جو مسائل بھی پیش کیے جاتے اور حضرت ابن عباس رض ان کا جو جواب بھی مرحمت فرماتے حضرت سعید ابن جبیر رح کو ان سب کا علم ہوتا، اور وہ اپنی یادداشت کے لیے سب کو لکھ لیتے۔ جب کبھی لکھتے لکھتے آپ کی کاپی بھر جاتی تو ہتھیلی اور کرتے کے دامن پر لکھ لیتے —— اور بے شمار باتیں تو آپ رح زبانی ہی یاد کر لیتے —— آپ کا حافظہ بہت ہی قوی اور حضرت ابنِ عباس رض کا بارہا کا آزمایا ہوا تھا۔

حضرت ابن جبیر رح نے اس حلقۂ درس کا ذکر کرتے ایک دفعہ خود فرمایا تھا کہ:

"میں بڑی پابندی سے اس حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتا تھا اور میرے علم حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ باہر سے آئے ہوئے لوگ اس درس کی مجلس میں جو سوالات کیا کرتے اور جو مسائل پوچھتے تھے، اور حضرت ابن عباس رض ان کے جو جوابات دیا کرتے تھے میں ان سب کو خوب غور سے سنتا تھا اور پوری توجہ کے ساتھ ان کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتا تھا —— کبھی کبھی خود بھی کچھ

پوچھ لیتا تھا ـــــــ کچھ مدت تک تو اسے زبانی یاد یعنی حافظے پر انحصار رہا مگر بعد میں جب حضرت ابن عباسؓ نے لکھ لینے کی اجازت دے دی تو لکھنا شروع کر دیا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ درس کے علاوہ آپ کے گھر پر بھی آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے ـــــــ خاص کر اس زمانے میں ان کی قربت بہت بڑھ گئی تھی جب حضرت ابن عباسؓ نابینا ہو گئے تھے ـــــــ آپؒ تقریباً دن رات ان کی خدمت میں رہتے، اور تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ـــــــ

حضرت سعید بن جبیرؒ اپنی انہی طالب علمانہ صفات کی وجہ سے علم و دانش کا خزانہ بن گئے تھے، آپ عالمِ وقت، فقیہ زمانہ اور مفسر عصر تھے۔ ـــــــ آپ کی زندگی علم سے جتنا بہرہ ور تھی جذبۂ جہاد سے اتنا ہی سرشار ـــــــ آپ جتنے بڑے عبادت گزار تھے، اتنا ہی کلمۂ حق کہنے میں بیباک تھے ـــــــ آپ زندگی کو ایک جامد شے اور عبادت کو اطاعت شعاری کے اظہار کا محض ایک جذبہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ عبادت کو مسلمانوں کی پوری زندگی پر محیط قرار دیتے تھے۔

عبادت اطاعت ہے

حضرت سعید بن جبیرؒ عبادت سے صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تسبیح و تہلیل، ذکر و اذکار مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے مراد اطاعت لیتے ہیں، یعنی

جو شخص اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ذاکر ہے، اور جس کی زندگی اطاعتِ الٰہی کی تابع نہ ہو وہ ذاکر نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہتا رہے، یا قرآن کی تلاوت کرتا رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"عبادت یہ ہے کہ آدمی سے اگر گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرے اور پھر اطاعت و فرمانبرداری میں لگ جائے۔"

سعید بن جبیرؒ کی زندگی سرتاپا اطاعت بن گئی تھی اور آپ اطاعت کی اس منزل تک پہنچ گئے تھے جہاں سے کسی اطاعت شعار کا نفس خود اس کو حقیر معلوم ہونے لگتا ہے، چنانچہ امر بالمعروف کو بہترین صفت سمجھتے ہوئے بھی کسی خطاکار کو اس کی خطا پر اور کسی گنہگار کو اس کے گناہ پر ٹوکتے ہوئے محض اس لیے آپ شرماتے تھے کہ مبادا اطاعت کی خامی خود آپ کے اندر موجود ہو، تو پھر آپ اس کو کیسے ٹوکیں۔ چنانچہ وہ ایسے موقعوں پر اپنی کمزوریوں کا خیال کر کے بے چین ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں ایک شخص کو کسی گناہ میں مبتلا پاتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ ٹوک دوں مگر ایسا کر نہیں پاتا کیونکہ خود اپنا نفس اپنی نگاہ میں اتنا حقیر ہے کہ دوسروں کو ٹوکتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے ——— نفس کو اس قدر حقیر سمجھنے اور اپنے مزاج کی اس انکساری کے باوجود غیبت کے معاملے میں آپ بڑے سخت تھے۔ جب کبھی کسی کو دوسرے کی غیبت کرتے ہوئے

پائے تو برہم ہو جاتے اور اُسی وقت منہ پر اس کو ٹوک دیتے اور کہتے کہ تمہیں جو کچھ کہنا ہے اس کے منہ پر کہو ——— وہ نہ کسی کی غیبت کرتے تھے اور نہ کسی کی غیبت سنتے تھے۔

روزانہ کے معمولات

ایک مرتبہ آپ سے کسی نے سوال کیا کہ سب سے بڑا عبادت گزار کون ہے؟ فرمایا:

"سب سے زیادہ عبادت گزار وہ ہے جو اگر کبھی کسی گناہ میں مرتکب ہو جائے یا اس میں کسی طرح مبتلا ہو جائے تو اس پر فوراً متنبہ ہو کر توبہ کرے اور پھر عبادت میں لگ جائے۔ یعنی وہ ہے سب سے بڑا عبادت گزار جو گناہوں سے توبہ کر کے اطاعت الٰہی کا ثبوت دے، حتی الامکان نیک کام کرے اور اپنی ان نیکیوں کو حقیر سمجھے اور ان پر غرور و ناز نہ کرے۔"

- ——— سعید بن جبیرؒ کی عبادت گزاری کا یہ عالم تھا کہ وہ دو راتوں میں قرآن ختم کرتے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو خانہ کعبہ میں ایک رکعت میں آپ نے قرآن ختم کیا ہے۔
- ——— وہ روزانہ دو مرتبہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد قرآن و حدیث کا درس دیتے اور پند و نصیحت فرماتے تھے۔
- ——— ابو شہاب کی روایت ہے کہ ماہ رمضان میں

سعید بن جبیرؒ ہمارے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے پھر گھر آکر تھوڑی
دیر آرام کرتے اس کے بعد پھر آکر ہمارے ساتھ تراویح پڑھتے،
پھر تین وتر پڑھتے اور پچاس آیتوں کے مقدار دُعائے قنوت
پڑھتے۔ جب نماز میں ایک سورت ختم کر لیتے تو کہتے صدق
الصادق البار "سچے باری تعالیٰ نے سچ فرمایا"۔

• ___ حضرت سعید بن جبیرؒ نے ایک موقعہ پر خود فرمایا
کہ جب سے حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے ہیں اُس وقت
سے میں پوری پابندی کے ساتھ دو راتوں میں قرآن
ختم کرتا ہوں ہاں اگر سفر کی حالت میں ہوں یا بیمار ہو جاؤں
تو [illegible]ی ہے۔

• ___ نماز میں بعض مرتبہ آپ ایک ہی آیت کو دو
مرتبہ پڑھتے اور کبھی تو کئی کئی بار ایک ہی آیت کو دہراتے۔
ایک مرتبہ امامت کراتے ہوئے آپ نے قرآن کی آیت
اذ الاغلال فی اعناقھم تلاوت کی۔ اور پھر اس آیت کو
آپ نے متعدد بار دہرایا۔

• ___ ایک مرتبہ آپ نے ایک مجلس میں یہ بات کہی کہ
مجھے یہ تو گوارا ہے کہ میرے سر پر کوڑے لگائے جائیں لیکن
یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ امام تو خطبہ دے رہا ہو اور میں کوئی کلام
کروں ___ صبح صادق کے بعد وہ عام طور پر کسی سے بات

نہیں کرتے تھے۔

● — آپ ہر سال پابندی سے اپنے محلہ کی مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تھے — نماز میں امام جب ولا الضالین کہتا تو آپ کہتے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی —

قرآن اور تفسیر کا علم

حضرت سعید بن جبیرؒ کو قرأت قرآن اور تفسیر دونوں میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ قرآن کے جتنے اچھے قاری تھے اتنے ہی اچھے مفسر بھی تھے۔ قرأت ترجیع کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن گا کر قرآن پڑھنا سخت ناپسند کرتے تھے، تمام مشہور قرأتوں کے عالم تھے۔ آپ رمضان المبارک میں ایک مسجد میں نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ اس تراویح میں آپ کا معمول یہ تھا کہ ایک شب عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرآن سنایا کرتے تھے اور ایک شب کو زید بن ثابتؓ کی قرأت کے مطابق۔ اسی طریقے سے تیسری شب کو تیسرے قاری کے طرز پر اور چوتھی شب کو چوتھے قرأت کے مطابق۔ غرضکہ ہر شب کو باری باری تمام مشہور قاریوں کی قرأت سنایا کرتے تھے، آپ قرآن کے بڑے حافظ اور بہترین قاری تھے اور جتنے اچھے قاری تھے اُتنے ہی اچھے مفسر بھی تھے۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن

مردوں عورتوں اور لڑکوں کا ذکر ہے ان سے مراد مکہ کے وہ مظلوم تھے جو طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے۔

● ـــــــ اسی طرح ان ارضی واسعة (بیشک میری زمین کشادہ ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی زمین میں فساد برپا کیا جائے اور وہاں گناہوں کی کثرت ہو جائے تو اس سے نکل جاؤ۔

علمِ حدیث

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سعید بن جبیرؒ نے امام الحدیث والقرآن حبیر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے خصوصیت کے ساتھ فیض پایا ہے وہ برابر آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی خدمت کو اپنا مقصد بنا لیا تھا ـــــــ جب کبھی کوئی شخص حضرت ابن عباسؓ سے ملنے جاتا تو اکثر سعید بن جبیرؒ کو آپ کے قدموں کے پاس بیٹھا ہوا پاتا ـــــــ حضرت ابن عباسؓ بھی اکثر آپ سے وہ احادیث دوبارہ سن لیا کرتے تھے جن کو انھوں نے کسی موقعہ پر بیان کیا تھا اور جن کو سعید بن جبیرؒ نے یا تو لکھ لیا تھا یا یاد کر لیا تھا ـــــــ بنی وداعہ کے مؤذن نے اپنے سامنے کا ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے سعید بن جبیرؒ سے کہا کہ مجھے دکھاؤ تم مجھ سے حدیث کس طرح بیان کرتے ہو کیونکہ تم نے مجھ سے بے شمار حدیثیں سنی اور

سمجھی ہیں؟ ــــــ چنانچہ وہ سُناتے اور جو سمجھا تھا اُسے دُہرا لیتے۔
تحصیل علم میں ان کے اس ذوق و شوق کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ خود بڑے محدّث اور مفسر ہو گئے اور حضرت ابن عباسؓ کو خود ان پر اتنا اعتماد ہو گیا کہ جب آپ کی بینائی جاتی رہی تھی اس زمانے میں جب کوئی آپ کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لیے آتا تھا تو اس سے یہ کہہ دیتے تھے کہ تم میں ابن ام دھماء (یعنی سعید بن جبیرؒ) موجود ہیں اُن سے مسئلہ پوچھ لیا کرو ــــــ اب تمھیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں ــــــ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ وہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور ان سے حدیث سنتے اور مطلب سمجھا کرتے تھے ــــــ کہتے ہیں کہ جب ہم اہل کوفہ کو کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا کرتا تھا تو میں اس کو اپنی بیاض میں لکھ لیا کرتا اور پھر حضرت ابن عمرؓ سے اس کو پوچھ لیا کرتا وہ اصل مسئلہ سمجھا دیتے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اسی طرح کے ایک اختلاف پر جو مسئلہ ایلاء سے متعلق تھا حضرت ابن عمرؓ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد اُمراء ہیں۔

بعض لوگ ان کی کثرت روایت پر ان کو ٹوکا کرتے تھے اور بعض ملامت کر دیا کرتے تھے مگر آپ ان کو یہ جواب دیتے کہ مجھے تم سے اور تمھارے ساتھیوں سے حدیثیں بیان کرنا اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں انھیں اپنے ساتھ قبر میں لیتا چلا جاؤں۔

علمِ فرائض

حضرت سعید بن جبیرؒ ریاضی کے بھی بڑے ماہر تھے، قانونِ وراثت بہت اچھا بیان کرتے تھے، اور ترکے کی تقسیم بہت اچھی طرح کرتے تھے ___ صحابہ کرام اور تابعین میں ان کو اس بارے میں بھی بڑا مقام حاصل تھا۔ اکابر صحابہ فرائض کے سائلین کو ان کے پاس بھیجتے تھے ___ ایک مرتبہ ابن عمرؓ کے پاس فرائض کا ایک سائل آیا آپ نے اُس سے کہا کہ ابن جبیر کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتے ہیں۔ تم کو وہی بتائیں گے کہ اس میراث میں کس کو کتنا حصّہ ملے گا۔ اور مال متروکہ کس طرح وارثوں پر تقسیم ہوگا ___

حضرت سعید بن جبیرؒ کی صلاحیت و قابلیت کے بارے میں اُس وقت لوگوں میں جو باتیں مشہور تھیں وہ یہ کہ سعید بن جبیرؒ کی ذات جملہ علوم و فنون کی جامع ہے۔ مسائل طلاق کے سب سے بڑے عالم سعید بن مسیب تھے۔ حج کے عطاء تھے، حلال و حرام کے طاؤس تھے اور تفسیر کے مجاہد تھے اور ان سب کا علم، ان سب کی جامع ذات سعید بن جبیرؒ کی ذات تھی۔ آپ علم تفسیر، حدیث اور فقہ کے ہی صرف عالم نہ تھے بلکہ آپ کی زندگی عمل سے بھرپور تھی۔ آپ بڑے زاہد اور عبادت گزار بھی تھے اور اخلاق و تقویٰ میں بھی امام تسلیم کیے جاتے تھے۔

سیاسی بصیرت

یہ ایک حقیقت ہے کہ سعید بن جبیرؒ صرف قرآن، حدیث، فقہ، کلام، اور زہد و تقویٰ میں ہی ممتاز و نمایاں نہ تھے بلکہ اُن تمام چیزوں کے ساتھ حد درجہ بصیرت رکھنے والے مصلح اور مجاہد بھی تھے اور مذہب و سیاست دونوں کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ محض عافیت پسند ایک زاہد نہ تھے بلکہ جبر و استبداد کے خلاف تیغ بے نیام اور ظلم و فساد کے خلاف مجاہد حق و صداقت بھی تھے۔ اور وہ ظلم و ناانصافی اور شر و فساد کو دُور کرنے کی کوششوں سے اجتناب کو بزدلی " اور جن ظالموں اور فاسقوں نے ظلم و فساد مچا رکھا ہے ان سے نجات پانے کی امکان بھر سعی و جہد کرنے سے پہلے اس کہنے کو کہ " ہم کیا کریں اللہ کی مرضی ہے" ایک دیندارانہ حماقت، شریفانہ نادانی، اور بے حسی کی غفلت سمجھتے تھے ـــــ

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک طرف علمائے سُود کے خلاف ننگی تلوار نظر آتے ہیں۔ تو دوسری طرف وقت کے ظالم اور فاسق حکمران حجاج کو اس کے مظالم کی بھرپور سزا دینے کے لیے میدان کارزار میں صف آرا ملتے ہیں ـــــــــــــ

پھر اپنی کوششوں میں جب ناکام ہو جاتے ہیں تب حالات کو مالک حالات کے حوالہ کر دیتے ہیں ـــــــــ ابو یونس قزی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سعید بن جبیرؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان تو آپ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا

کہ اس میں جن مردوں، عورتوں اور لڑکوں کا ذکر ہے، ان سے مراد مکہ کے وہ مظلوم تھے جو طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے۔

یہ سُن کر میں نے کہا کہ میں ایسے ہی لوگوں کے پاس سے آرہا ہوں ـــــ یعنی میں حجاج کے ستم رسیدہ لوگوں میں سے ہوں۔

سعید بن جبیرؓ نے اس پر کہا۔ بھتیجے! ہم نے تو اس کے خلاف بڑی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے خدا کی مرضی ہی ہے ـــــ

آپ نے چونکہ اس بارے میں حقیقت میں بڑی کوشش کی تھی اور اپنی اس کوشش کے انتقام میں آخر ایک دن شہید بھی کر دیئے گئے اس لیے آپ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کیا کیا جائے خدا کی مرضی ہے ـــ لیکن جو لوگ چاہے وہ کسی زمانہ کے ہوں ظلم کے خلاف جدّوجہد کرنے سے پہلے ہی جیسے بھی حالات ہوں ان کو قبول کر لیتے ہیں۔ وہ یقیناً دیندارانہ حماقت و نادانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

عُلمائے سُوء

آپ ظالم و فاسق حکمرانوں کی طرح علمائے سُوء کو بھی مسلم معاشرہ کے لیے بڑا فتنہ اور عظیم مصیبت سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ نے ملتِ اسلامیہ کو ان کے فتنوں سے بچانے کی بھی بڑی کوششیں کیں ـــــ آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ اور تباہی کی جڑ علماء سُو ہیں۔ ایک مرتبہ

بلال بن خباب نے آپ سے پوچھا کہ لوگوں کی عام ہلاکت کا باعث کون لوگ ہو سکتے ہیں — تو سعیدؒ نے جواب دیا کہ اس قوم کی ہلاکت علمائے سُوء کے ہاتھوں ہو گی — اور یہ واقعہ بھی ہے جیسا کہ امام غزالی نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اس اُمت کو تین طبقوں نے ذلیل وخوار اور تباہ و برباد کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلا طبقہ جو قومی تباہی کا اوّلین سبب ہے وہ تو ظالم و مستبد، اور فاسق وفاجر حکمرانوں اور بادشاہوں کا طبقہ ہے۔ دوسرے علمائے سُوء اور تیسرے پیرانِ ریاکار ہیں۔

قرآن وحدیث میں بھی ایسے لوگوں کے حق میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ :

"زمین پر بدترین فتنہ ان کے علماء ہوں گے ان سے فتنے پھوٹ کر نکلیں گے اور انھیں میں لوٹیں گے۔"

ایک اور حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں کے حق میں بددعا کی ہے آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی کہ :

"الٰہی میری اُمت پر جو حاکم ظلم کرے تو بھی اس کے ساتھ سختی سے پیش آ۔"

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ عہد نبوت اور خلافتِ راشدہ کے بعد سے لے کر آج تک یہی گروہ انسانی مسلمانوں کے درمیان بڑا فتنہ بنا رہا ہے۔ جہاں صالح بادشاہ اور عادل حکمران، حق پرست اور علمائے ربانی

اور سچے اولیاء کرام اور پیرانِ عظام اصلاح اور انقلاب کی کوشش کرتے رہے وہاں علماءِ سُو ہمیشہ ان کی کوششوں پر پانی پھیرتے۔ مسلمانوں میں بگاڑ پیدا کرتے اور ان کی دنیا اور عاقبت تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔ اور آج مسلمانوں کے اندر شرک، بدعت، باطل سے رغبت، نیکی سے اجتناب کی جو کیفیتیں پائی جاتی ہیں وہ انہی کی پیدا کردہ ہیں۔

جوش میں ہوش

سعید بن جبیرؒ کی زندگی جہاں بہت سے عملی نمونے پیش کرتی ہے وہاں مسلمانوں کو یہ درسِ حیات بھی دیتی ہے کہ کسی گروہ کی دشمنی آدمی کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ وہ راہِ اعتدال سے ہٹ جائے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا
اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ
إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

اس آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہا جارہا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

سعید بن جبیرؒ حجاج اور عبدالملک کی مخالفت برائے حق کر رہے تھے وہ اس کے خلاف اس لیے نہ تھے کہ وہ برسرِ اقتدار کیوں ہے اور وہ کیوں نہیں

ہیں ۔ ان کی مخالفت برائے مخالفت نہ تھی بلکہ والبغض للہ کے تحت تھی۔
اس لیے انھوں نے کسی بھی مرحلہ میں عبدالملک اور حجاج کی مخالفت کے جوش
میں حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ انھوں نے ظلم و استبداد کے خلاف علم جہاد ضرور
بلند کیا، انھوں نے تمام داعیانِ حق کو یہ عملی درس دیا کہ حتی الامکان جبر و استبداد
اور فسق و فجور کا غلبہ تسلیم نہ کرو، انھوں نے عام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ بدی
کی قوت کو نیکی کی قوت پر غالب نہ آنے دو، اور انھوں نے قاعدہ کلیہ کے طور
پر یہ بات تمام لوگوں کو سمجھا دی کہ اگر تم نے ظلم و فساد کی روک تھام میں بقدر
امکاں کوشش نہ کی تو تمہارا حشر بھی ظالموں کے ساتھ ہوگا، جس آگ میں وہ
جلیں گے اس میں تمھیں بھی جلنا پڑے گا۔ اور ایسے پاداش عمل سے ہرگز نہ بچ
سکو گے جو بے غیرتی اور بے حسی کی وجہ سے تم سے سرزد ہوا ہے
لیکن اس کے ساتھ حق سے تجاوز کرتے سے بھی وہ بچا ہے۔ دشمنی کے جوش
میں ہوش کی باتوں سے کبھی کنارہ کش نہیں ہوئے۔

اس سلسلے میں اسدی کا بیان کافی ہوگا وہ کہتے ہیں کہ :

جس زمانہ میں اشعث کی حجاج کے ساتھ جنگ ہو
رہی تھی اور سعید بن جبیرؒ ایک پرجوش فریق کی حیثیت
سے حجاج کے خلاف برسرِ پیکار تھے اسدی
سعیدؒ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ میرا آقا
(جس کا میں غلام ہوں) حجاج کا حامی اور اس
کے ساتھ ہے۔ اگر میں حجاج کے خلاف ابن اشعث

کے ساتھ ہو جاؤں اور لڑتے لڑتے جان دے دوں
تو مجھ سے اس کا مواخذہ تو کوئی نہ ہوگا۔"

سعید بن جبیرؒ کی حق پرستی اور احتیاط و تقویٰ اور عدل و راستی کو دیکھئے
کہ اُنھوں نے اسدی سے صاف کہہ دیا کہ تم ابن اشعث کا ساتھ نہ دو،
حجاج کے خلاف مت لڑو ــــــ حالانکہ وہ خود لڑ رہے تھے ــــــ
اگر تمہارا آقا یہاں موجود ہوتا تو تم کو لے کر حجاج کی حمایت میں لڑتا۔

اسلام میں تقیہ نہیں

سعید بن جبیرؒ جس کے خلاف جو رائے رکھتے تھے اس کا برملا اظہار
کر دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسلام میں تقیہ نہیں ہے۔
حسن بصریؒ سے کسی نے ایک مرتبہ پوچھا کہ اسلام میں تقیہ ہے ؟ آپ
نے جواب دیا اسلام میں تقیہ نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے جب
یہ بات سُنی تو اس بات کی تائید کی اور کہا کہ یقیناً اسلام میں تقیہ نہیں ہے۔
تقیہ والی یہ بات بھی اُسی دور کی ہے کہ جب ظلم و فساد کے خلاف یا تو
کچھ لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے یا یہ کہ کسی نے اس مسئلہ پر خاموش رہنے کو
صحیح سمجھ لیا تھا اور خاموشی اختیار کر لی تھی اور کچھ ایسے بھی تھے جو وقت
کی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کو بغاوت اور فتنہ و فساد
سمجھتے تھے چنانچہ سعید بن جبیرؒ نے اس بارے میں کھل کر جب اپنی رائے
کا اظہار کیا اور تقیہ کو ناجائز قرار دے دیا تو لوگوں نے اُسی وقت اس

خطرہ کا اظہار کر دیا تھا کہ اب وہ ضرور کسی آزمائش میں مبتلا ہوں گے، پکڑے جائیں گے اور نہ معلوم کیا حشر ہو۔

اصلاح احوال کی کوششیں

حضرت سعید بن جبیرؒ ایک زمانہ تک مدینہ میں رہے، کچھ دنوں تک عراق کے مختلف شہروں میں رہ کر علم و عرفان کی بارشیں کرتے اور تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے ـــــ پھر آپ نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی ـــــ یہاں کے دوران قیام کچھ دنوں تک عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے کاتب رہے، اور کچھ دنوں ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری کے کاتب رہے۔ پھر جامع کوفہ کے امام مقرر کیے گئے، اور آخر میں عہدہ قضا بھی ان کے حوالہ کر دیا گیا۔

حجاج ان کا بڑا ہی قدردان تھا۔ ان پر وہ برابر انعام و اکرام کی بارشیں کرتا رہتا تھا ـــــ مگر وہ اس کے اس اعزاز و اکرام سے قطعاً متاثر نہیں تھے ـــــ ملک بھر میں اس نے ظلم کی جو چکیاں چلا رکھی تھیں ان سے وہ سخت بیزار تھے اور مظالم کی وجہ سے اس کو ہمیشہ بُرا سمجھتے تھے۔ اور موقعہ بموقعہ اس کو ٹوکتے رہتے تھے ـــــ لیکن حجاج کو اس کے مظالم سے بزور قوت روک دینے کی کوئی صورت ان کو نظر نہ آتی تھی، اس لیے وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتے اور زبانی روک ٹوک اور پند و نصیحت سے کام لیتے رہے۔

لیکن اسی عرصہ میں حسن اتفاق سے ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی جس کو

مناسب سمجھ کر وہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سرکاری عہدے اور منصب کی پروا کیے بغیر ظالم کے ظلم کو مٹانے کے لیے جنگ میں کود پڑے۔ اس واقعہ کی تفصیلات یہ ہیں۔

حاکم سیستان کی بغاوت

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں سیستان کا فرمانروا رتبیل کی روش باغیانہ ہو چکی تھی۔ وہ کبھی کبھی خراج روک لیتا تھا اور کبھی کبھی دوسری عدول حکمی کا مرتکب ہو جاتا۔ کبھی مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک ہو جاتا۔ اس کی اس روش کا حجاج بن یوسف نے سخت نوٹس لیا اور اس کی سرکوبی کا فیصلہ کر کے عبداللہ بن ابی بکرہ کی سرداری میں ایک فوجی دستہ ترتیب دے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ——— چنانچہ ۷۹ھ میں سیستان پہ فوج کشی ہو گئی اور پہلے ہی حملے میں وہ پورے علاقے کو پامال کرتے ہوئے اس کی مملکت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئے ——— اور اپنی تیز رفتار پیش قدمی میں اس جنگی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ دشمن پیچھے سے بھی گھیرے میں لے سکتا ہے ——— اور ایسا ہی ہوا۔ جنگی چال میں اس فروگذاشت کی سخت سزا اسلامی سپاہیوں کو بھگتنا پڑی۔ رتبیل نے اندرونِ ملک گھس کر آنے والی مسلمان فوج کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور شدید حملہ کر کے بری طرح شکست دے دی ——— مسلمانوں کو بڑا جانی اور مالی نقصان اُٹھا کر ناکام واپس آنا پڑا۔

حجاج کو اس شکست نے سخت مشتعل کر دیا اور اُس نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ محمد بن عبدالرحمٰن بن اشعث کو چالیس ہزار فوج کی بھاری جمعیت کے ساتھ رتبیل کو عبرتناک سزا دینے کے لیے روانہ کیا ــــــ سعید بن جبیر اس فوج میں شامل تھے ــــــ اور فوج میں تنخواہیں تقسیم کرنا ان کی ذمہ داری تھی ــــــ جو ایک اہم عہدہ تھا۔ ابن اشعث نے رتبیل کی فوج پر زبردست حملہ کیا اور اس کی حدود حکومت کو توڑ کر بہت سارے علاقوں کو زیرنگیں کر لیا ــــــ عبداللہ بن ابی بکرہ کو جس جنگی غلطی کی وجہ سے فتح کے بعد ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا محمد بن عبدالرحمٰن اس کو سمجھتے تھے، چنانچہ اُنھوں نے رتبیل کے علاقہ میں مزید پیش قدمی روک دی اور ایک سال تک مفتوحہ علاقہ میں رہ کر اس کا بندوبست کرنے میں لگ گئے ــــــ اور فتح اور دشمن کے ملک میں اپنے پڑاؤ کی اطلاع حجاج کو دے دی ــــــ حجاج کو محمد بن عبدالرحمٰن کی یہ بات گراں گزری۔ کیونکہ اس کو رتبیل سے سخت ناراضگی تھی اور وہ اس کے وجود کو کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ حجاج نے محمد بن عبدالرحمٰن کو ایک تاکیدی حکمنامہ بھیجا جس میں اُن سے کہا گیا تھا کہ یہ آرام کا موقعہ نہیں ہے۔ اس لیے میرا حکم ملتے ہی فوراً پیش قدمی شروع کر دو ــــــ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور پیش قدمی کا کام تم سے نہیں ہو سکتا ہے ــــــ تو فوج کی کمان اپنے بھتیجے اسحاق

کے سپرد کر دو ——— ابن اشعث کو فوج کا یہ حکم بُرا معلوم ہُوا۔ کیونکہ اُنھوں نے پیش قدمی بعض مصالح کے ماتحت روکی تھی۔ اور وہ اس جنگی مصلحت کو موقعہ پر رہنے کی وجہ سے زیادہ اچھی طرح جانتے تھے۔ ——— اس لیے اُنھوں نے اس حکم کے خلاف سرتابی کر ڈالی۔ ——— رتبیل سے مصالحت کر لی، اور حجاج کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ——— حجاج جو اپنے مظالم کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور جس کے ظلم و فساد کی وجہ سے وقت کے اکابرین سخت نالاں اور بیزار تھے لیکن ان کے لیے اس کے ظلم کو سہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور ابن اشعث کی فوج بھی جو سراسر عراقیوں پر مشتمل تھی حجاج کے رویے کی سخت شاکی تھی۔ اور اس کے مظالم سے برہم تھی۔ اس لیے فوج نے بھی ابن اشعث کا پورا ساتھ دیا۔ سعید بن جبیر جو پہلے ہی اُس سے بیزار تھے وہ بھی ابن اشعث سے مل گئے اور انسداد ظلم و فساد کے سلسلے میں ابن اشعث کی کارروائی کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور پھر باضابطہ معرکہ جنگ و پیکار برپا ہُوا ——— اور یہ معرکہ کئی ماہ تک جاری رہا ——— ابن اشعث کو ابتدا میں بہت زیادہ کامیابی ہوئی۔ اور اُنھوں نے عراق کے بہت سے حصوں پر قبضہ کر لیا ——— لیکن رفتہ رفتہ حجاج نے نہایت ہوشیاری سے اس جنگ کو خلافت کے خلاف جنگ میں تبدیل کر دیا۔ اور یہ جنگ حجاج کے خلاف نہیں بلکہ خلیفہ عبدالملک کے خلاف قرار دے دی گئی ———

جس کے نتیجہ میں ابن اشعث کو مرکزی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا ـــــ ابن اشعث کی فوج اگرچہ مضبوط تھی۔ اور اُس نے عراق کا بڑا حصّہ بھی فتح کر لیا تھا لیکن پوری حکومت کا مقابلہ ان کے بس کا نہیں تھا چنانچہ دیر جماجم میں جب دونوں فوج کا مقابلہ ہُوا تو ابنِ اشعث کی فوج بڑی طرح شکست کھا گئی۔ ان کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی اور وہ شکست کھا کر سیستان بھاگ گئے ـــــ

ابنِ اشعث کی شکست

ابنِ حجاج کے خلاف بغاوت میں عراق کے بہت سے علماء اور ممتاز فقہا اور صاحبِ اثر لوگ بھی شامل ہو گئے تھے اس لیے ابن اشعث کی قوت بہت بڑھ گئی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ مخلوقِ خُدا کو ابن حجاج کے مظالم سے نجات مل جائے گی لیکن ایسا نہ ہو سکا ـــــ

ابنِ جبیر نے اس جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے وہ دُور بھاگ کر اصبہان چلے گئے ـــــ حجاج نے عامل اصبہان کو لکھا کہ سعید تمہارے پاس ہیں تم انہیں گرفتار کر لو ـــــ مگر جس عامل کو یہ حکم دیا گیا تھا وہ ان کی شخصیت اور مرتبہ کو سمجھتا تھا اور ان کا قدردان تھا اس لیے ان کو گرفتار کرنے کے بجائے ایک شخص کے ذریعہ یہ پیغام بھجوایا کہ وہ جلد سے جلد چلے جائیں اور کسی ایسی جگہ قیام کریں جو اس کے حدود و اختیارات سے باہر ہو ـــــ

مکّہ میں قیام

حضرت سعید بن جبیر نے اس پیغام کے بعد وہاں سکونت اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں سے منتقل ہو کر آذر بائیجان آ گئے اور کئی سال تک یہیں مقیم رہے ــــ کئی سال قیام کے بعد عمرہ کرنے کی نیّت سے مکّہ آئے اور یہیں رہ پڑے رہے اور ان کی طرح اور بھی بہت سے لوگ جو ہزیمت یافتہ اور معتوب تھے مکّہ ہی میں خفیہ طور پر رہتے تھے۔ کسی کو اپنا نام پتہ تک نہ بتاتے تھے ــــ اسی اثناء میں جبکہ سعید بن جبیر مکّہ میں قیام پذیر تھے حجاج اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے درمیان سخت اختلاف ہو گیا ــــ اور حجاج نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے خلاف جو اس وقت مکّہ اور مدینہ کے گورنر تھے خلیفہ ولید بن عبد الملک کو بھکایا۔ اور یہ بات کان میں ڈالنی شروع کی کہ بہت سے عراق کے باغی جن کو وہاں سے جلا وطن کر دیا گیا ہے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں پناہ گزین ہو گئے ہیں ــــ یہ ایک قسم کا ضعف ہے اور حکومت میں ضعف میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے ــــ یہ ایک ایسی بات تھی جس پر ایک باخبر حکمران کا چوکنا ہو جانا ضروری تھا، چنانچہ ولید کے دل میں یہ بات اُتر گئی اور اس نے عمر بن عبد العزیز کو معزول کر کے حجاز کا دُوسرا حاکم مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا ــــ اب مسئلہ یہ تھا کہ حجاز کا حاکم کس کو مقرر کیا جائے ــــ دو آدمیوں کی ضرورت تھی

ایک مکہ کے لیے ایک مدینہ کے لیے۔ولید نے حجاج ہی کو اختیار دیا کہ وہ دو معقول آدمیوں کا نام پیش کرے ــــ حجاج کے لیے یہ بڑا غنیمت موقعہ تھا اور عمر بن عبدالعزیز کا کانٹا نکال پھینکنے کی بہترین صورت تھی۔ چنانچہ اس نے مکہ کی امارت کے لیے خالد بن عبداللہ القسری کا نام اور مدینہ کی امارت کے لیے عثمان بن حیان مری کا نام پیش کیا۔ جس کو ولید نے قبول کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی معزولی کا حکم جاری کر دیا۔

فرار کا مشورہ

خالد بن قسری کے حاکم مکہ مقرر کیے جانے کی خبر سے پورے شہر میں ایک بے چینی سی پھیل گئی اور لوگ یہ خطرہ محسوس کرنے لگے کہ یہ شخص نہ صرف یہ کہ سخت گیری کرے گا بلکہ یہاں کے لوگوں میں حجاج کے ظلم اور ولید کی ظالم نوازی کے خلاف جو نفرت و بیزاری پائی جاتی ہے اس کا بھی انتقام لے گا۔

سعید بن جبیر کا مسئلہ بھی یہاں کے ممتاز لوگوں کے سامنے زیر بحث آیا اور اس بات کی فکر کی جانے لگی کہ ان کو اس کی دسترس سے کس طرح بچایا جائے لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ انھی میں سے ایک شخص ابو بحر یا ابن کہتے ہیں کہ جب ہمیں معلوم ہو کہ اب فلاں شخص مکہ کا عامل مقرر ہوا ہے تو ہم سعید سے ملے اور ان سے کہا کہ مجھے تمھارے متعلق اس شخص سے خطرہ ہے۔ کیونکہ یہ بہت ہی برا اور سخت گیر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ

وہ آپ کے خلاف ضرور کوئی کارروائی کرے گا ـــــ سعید یہ سن کر
کہنے لگے کہ اب یہاں سے بھاگتے ہوئے مجھے اللہ سے شرم آتی
جو کچھ خدا نے میرے لیے پہلے سے لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر
رہے گا اس پر اُس نے کہا واقعی آپ اسم بامسمٰی ہیں۔

گرفتاری

خالد بن عبداللہ القسری نے مکہ کا چارج لے لیا تو خلاف تو
اس نے یہاں کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح
سعید بن جبیر کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آیا۔ ملاقات کرنے والو
سے اچھی طرح بات چیت کرتا اور بہت ہی نرمی اور خوش اسلوبی سے
پیش آنے لگا۔ لیکن صورتِ حال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ
حجاج کی خون آشام طبیعت یہ گوارا نہ کر سکی کہ جو لوگ کئی سال پہلے
اس کے ساتھ برسرِ پیکار رہ چکے ہیں اس کے حدود اختیارات میں د
ہوئے سکھ اور چین کا سانس لیتے رہیں، وہ ان پر ہاتھ ڈال بھی سکتا
اور نہ ڈالے۔

حجاج نے حکومت کے تحفظ اور بقائے امن کے نام پر ولید سے
یہ درخواست کی کہ اس وقت باغیوں اور منافقوں نے مکہ میں جاکر پنا
لی ہے۔ اگر امیر المومنین مناسب خیال فرمائیں تو ان کے خلاف کارر
کرنے کی مجھے اجازت دیں ـــــ ولید نے اس درخواست کو قبو

کرتے ہوئے خالد بن عبداللہ القسری کے نام احکام نافذ کر دیئے۔ جس کے بعد سعید بن جبیر گرفتار کر لیے گئے۔

عجیب واقعہ

دو محافظ سعید کو مکہ سے لے کر کوفہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں شام ہو گئی اس لیے ربذہ کے قریب ایک مکان میں ٹھہرائے گئے ــــ کھانا کھا کر رات کو جب سب سو گئے تو ان دو سپاہیوں میں سے ایک نے کوئی خواب دیکھا جس سے وہ پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھا ــــ پھر دوسرا سپاہی بیدار ہو کر کسی کام سے باہر گیا اور یہ اُن کے ساتھ تنہا رہ گیا تو خواب دیکھنے والے سپاہی نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا کہ میں تمہارے خون سے اللہ کے سامنے برأت چاہتا ہوں۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم قتل کیے جاؤ گے۔

محافظ کی زبانی اس کا خواب سُن کر سعید بن جبیر نے کہا کہ کیا تم میرے خون ناحق سے اپنے کو بری کرنا چاہتے ہو؟ یہ تو افسوس کی بات ہے۔

محافظ سپاہی ــــ جی ہاں جناب میں اپنا دامن بچانا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ آپ یہاں سے جدھر جی چاہے چلے جایئے اور جہاں چاہیئے چھپ جایئے میں آپ کی جستجو نہیں کروں گا اور نہ ہی یہ کسی کو بتاؤں گا کہ آپ کہاں گئے ہیں۔

سعید بن جبیر ـــــ نہیں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ بھاگ جانے کی تمھاری اس تجویز کو میں مسترد کرتا ہوں ـــــ مجھے اُمید ہے کہ میرا خدا مجھے سلامت اور عافیت سے رکھے گا۔

ابھی ان دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دُوسرا سپاہی آگیا اور بات جہاں تھی وہیں ختم ہو گئی ـــــ دُوسرا دن جب سفر میں گزرا اور شام کے وقت ایک مقام پر قیام کیا ـــــ اس شب کو بھی اُسی سپاہی نے ویسا ہی خواب دیکھا اور کہنے لگا۔ میں سعید کے خون سے بری الذّمہ ہوں ـــــ پھر اُس نے سعید کو دوبارہ راہ فرار اختیار کر لینے کی پیش کش کی جو پہلی پیش کش کی طرح مسترد کر دی گئی۔

کوفہ میں آمد

چند دنوں کے سفر کے بعد بالآخر محافظ سعید بن جبیر کو لے کر کوفہ آئے اور ایک مکان میں ٹھہرایا ـــــ یہاں بہت سے علماء ہر روز ان سے ملنے آتے اور مختلف موضوع پر گفتگو کرتے۔ سعید بن جبیر ـــــ لیتے ہوئے لوگوں سے مطمئن انداز میں ہنس ہنس کر باتیں کرتے

ان کی بیٹی جو اسی مکان کے دوسرے کمرے میں مقیم تھیں اپنے پدر بزرگوار کو بیڑیاں پہنے دیکھ کر جب رونے لگتیں تو وہ ان کو تسلیاں دیتے اور مطمئن رہنے کی تلقین کرتے ـــــ اس مکان میں دو چار دن قیام کے بعد دونوں محافظ بالآخر ان کو حجاج کے پاس لے کر آئے اور حجاج کے

روبرو پیش کر دیا۔ حجاج کو ان کا جرم معلوم تھا اور وہ یہ جانتا تھا کہ سعید بن جبیر ابن اشعث کے حامی تھے اور یہ کہ اُنھوں نے اس کے اور ابن اُمیہ کی حکومت کے خلاف لوگوں کو یہ کہہ کر اُبھارا تھا کہ یہ ظالم حکومت بے دینوں کی جماعت ہے۔ اس حکومت نے خُدا کے بندوں پر زمین تنگ کر رکھی ہے۔ یہ لوگ نمازوں میں تاخیر کے مجرم اور مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کرنے والے خطاکار ہیں ——— اس لیے ان کے خلاف مسلمانوں کو نکل آنا چاہیئے اور ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے ——— ان کی سرگرمیوں پر حکومت اور خاص کر حجاج کی پوری نگاہ تھی اس لیے جب سعید بن جبیر قیدی کی حیثیت سے حجاج کے پاس پہنچے تو ان کو دیکھ کر اس کے جذبۂ انتقام کو مہمیز سی لگ گئی اور آنکھوں میں خون اُتر آیا ——— غصّہ میں بولا :

حجاج سے مکالمہ

تمھارا کیا نام ہے۔ اُنھوں نے کہا سعید بن جبیر ——— اور پھر حسب ذیل سوالات و جوابات دونوں کے درمیان شروع ہو گئے۔ جو سعید بن جبیر کی موت کے وقت ہی جا کر ختم ہوئے۔

حجاج ——— تمھارا نام سعید بن جبیر نہیں۔ بلکہ شقی بن کسیر۔

ابن جبیر ——— میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھی۔

حجاج ——— تمھاری ماں بھی بدبخت تھی اور تم بھی بدبخت ہو۔

ابنِ جبیر ——— غیب کا علم صرف اللہ کو ہے، تم کو نہیں ہے۔

حجاج ——— میں تمہاری دنیا کو دہکتی آگ سے بدل دوں گا۔

ابن جبیر ——— اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں تم کو معبود بنا لیتا۔

حجاج ——— محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

ابن جبیر ——— وہ امام ہدیٰ اور نبی رحمت تھے۔

حجاج ——— علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟

ابن جبیر ——— اگر میں وہاں گیا ہوتا اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھے ہوتا تو بتا سکتا تھا۔ غیب کے سوال کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں۔

حجاج ——— خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔

ابن جبیر ——— میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج ——— اچھا تم ان میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہو؟

ابن جبیر ——— جو میرے خالق کے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھا

حجاج ——— خالق کے نزدیک کون سا زیادہ پسندیدہ تھا۔

ابنِ جبیر ——— اس کا علم خدا ہی کو ہے ——— (ہم کوئی نبی تو نہیں ہیں کہ اللہ ہمیں اپنی پسند و ناپسند سے آگاہ کر دیں۔

حجاج ——— خلیفہ عبدالملک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے

ابنِ جبیر ـــــ تم ایسے شخص کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ خود تمہارا وجود ہے (اگر وہ خود ظالم نہ ہوتا تو تجھ جیسے ظالم کو حاکم کیوں بناتا۔)

حجاج ـــــ تم ہنستے کیوں نہیں۔

ابنِ جبیر ـــــ وہ آدمی کس طرح ہنس سکتا ہے، جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج ـــــ پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل میں کیوں ہنستے اور دل چسپی لیتے ہیں۔

ابنِ جبیر ـــــ سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

حجاج ـــــ دنیا کی تفریحات اور اس کے دل چسپ مشاغل چونکہ تم نے دیکھے نہیں ہیں اس لیے تم ان سے انکار کرتے ہو ـــــ اچھا تو سنو۔ اور دیکھو یہ کیسے اچھے تفریحی مشاغل ہیں ـــــ ایک اشارے پر عود اور بانسری کے نغمے شروع ہو جاتے ہیں ـــــ سعید بن جبیر نغموں کی آواز پر رونے لگتے ہیں ـــــ

حجاج ـــــ یہ رونے کی کون سی بات ہے۔ موسیقی تو ایک تفریحی چیز ہے ـــــ

ابنِ جبیر ـــــ نہیں وہ تو نالہ غم ہے ـــــ بانسری کی پھونک نے مجھے وہ آنے والا بڑا دن یاد دلا دیا جس دن صور کھونکا

جائے گا ـــــ اوزعود ایک کاٹے ہوئے درخت
کی لکڑی ہے جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو اور اس کے
تار ان بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت
کے دن اٹھائی جائیں گی۔

حجاج ـــــ سعید تمھاری حالت قابلِ افسوس ہے۔

ابن جبیر ـــــ وہ قابلِ افسوس نہیں جو آگ سے نجات پاکر جنت
میں داخل ہو گیا ـــــ

حجاج لاجواب ہوکر تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو جاتا ہے ـــــ
پھر سعید بن جبیر پر اپنے احسانات گنواتا ہے۔ سعید تمام احسانات کو
تسلیم کرتے ہیں۔

حجاج ـــــ ان سب احسانات کے باوجود پھر تم کو کس چیز نے
میری مخالفت پر آمادہ کیا۔

ابن جبیر ـــــ میری گردن پر ابنِ اشعث کی بیعت کا طوق تھا۔

حجاج ـــــ ایک دشمن خدا کی بیعت کا اتنا پاس تھا اور امیرالمومنین
کی بیعت اور خدا کا کوئی پاس نہ تھا ـــــ خدا کی قسم
میں تم کو قتل کرکے واصلِ جہنم کیے بغیر اس جگہ سے
نہیں ہٹوں گا ـــــ بتاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا
پسند کرتے ہو؟

ابن جبیر ـــــ خدا کی قسم تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کروگے

خدا تم کو آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا۔

حجاج ——— کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کر دوں۔

ابن جبیر ——— اگر تم معاف کر دو گے تو وہ خدا کی جانب سے ہوگا۔

حجاج ——— تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔

ابن جبیر ——— اللہ تعالیٰ نے میرا ایک وقت مقرر کر دیا ہے اس وقت تک پہنچنا ضروری ہے ——— اس کے بعد اگر میرا وقت آگیا ہے، تو وہ ایک فیصل شدہ امر ہے اس سے مفر نہیں ہے اور اگر عافیت مقدر ہے تو وہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اس گفتگو کے بعد حجاج نے جلاد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سُن کر حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا۔ ابن جبیر نے اس سے پوچھا تم کیوں بد رہے ہو؟ اس نے کہا کہ اس حکم پر جو آپ کے قتل کے لیے ابھی دیا گیا ہے ——— فرمایا۔ اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ یہ واقعہ تو خدا کے علم میں ہے، اور آج جو ہونے والا ہے وہ اس کو پہلے سے جانتا تھا ——— پھر آپ نے آیت تلاوت کی:

"زمین پر جو مصیبتیں بھی آتی ہیں یا تمھارے نفس کو پہنچتی ہیں قبل اس کے کہ ہم ان کو پیدا کریں۔ کتاب میں لکھی ہیں۔ (سورہ حدید ۲)

سعید بن جبیر نے مقتل میں جانے سے پہلے اپنے صاحبزادہ کو

ملاقات کے لیے بُلایا وہ آئے تو باپ کو دیکھ کر رونے لگے۔ ان سے آپ نے فرمایا تم روتے کیوں ہو؟ ستاون سال کے بعد تمہارے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں۔ پھر رونے کا کون سا مقام ہے؟ ——— غرض نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ہنستے مسکراتے ہوئے مقتل کی طرف چلے ——— حجاج کو جب یہ اطلاع ملی کہ سعید ابن جبیر مسکراتے ہوئے مقتل کی طرف جا رہے ہیں، تو اُس نے اُن کو واپس بُلا کر پوچھا۔ تم کس بات پر ہنس رہے تھے؟ فرمایا

"خدا کے مقابلے میں تمہاری جرأتوں پر، اور تمہارے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے حلم پر۔"

یہ سُن کر حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کا چمڑا بچھانے کا حکم دیا ——— قتل ہونے سے پہلے اُنھوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی،

"میرے قتل کے بعد پھر اس کو کسی دوسرے کے قتل پر قادر نہ کرنا"

تاریخ شاہد ہے کہ سعید بن جبیر کے قتل کے بعد حجاج پھر کسی کے قتل پر قادر نہ ہوا۔ صرف چالیس روز تک زندہ رہ سکا اور انتہائی اذیت اور درد و کرب میں مبتلا ہو کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔

قتل کا حجاج پر اثر

لوگوں کا بیان ہے کہ حجاج کے حکم سے سعید قتل تو کر دیئے گئے مگر اس واقعہ کا حجاج پر بڑا ہی گہرا اثر ہوا۔ اس کی عقل چکرا گئی اور اس پر جنون سا طاری ہو گیا۔ اس کی جہاں ذرا آنکھ لگتی گھبرا کر اُٹھ بیٹھتا اور چیخنا شروع کر دیتا۔ ہماری بیڑیاں، ہماری بیڑیاں کبھی کہتا "میرے اور سعید کے درمیان کیا معاملہ ہے؟ میرے اور سعید کے درمیان کیا معاملہ ہے؟"

جب اس کے گھر والے اس کی اس بے چینی اور بدحواسی کو دیکھتے تو اس سے پوچھتے کیا بات ہے، وہ اس طرح کیوں چیختے چلاتے ہیں وہ کہتا کہ آنکھ لگتے ہی میں سعید کو دیکھتا ہوں جو اس کا دامن پکڑے کہہ رہے ہیں کہ اے دشمن خدا بتا تو نے مجھے کیوں قتل کیا؟

قاتل و مقتول کا فرق

قاتل ہے کہ مقتول کے بعد پاگل بن چکا ہے اور مقتول ہے کہ قتل کیے جانے کے وقت بھی مطمئن، بے فکر اور حالات سے بے نیاز ہے۔ مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل رہی ہے اور زبان ہے کہ راضی برضا کی دوسروں کو تلقین کر رہی ہے۔

اللہ اکبر! یہ کیسا منظر ہے۔ سوئے مقتل جا رہے ہیں مگر خوش

ہیں۔ ہنسی خوشی، شاداں و فرحاں جا رہے ہیں، صبر کے پتلے اور استقامت کے پہاڑ مین کہ جارہے ہیں۔ آنکھوں میں عشق الٰہی کا نور چمک رہا ہے۔ اور دل اپنے مالک سے اَجر پانے کی اُمید میں مچل رہا ہے اور جا رہے ہیں۔ دیکھنے والے انگشت بدنداں، سوئے مقتل لے جانے والے جلاد حیرت زدہ کہ وہ کس کو لیے جا رہے ہیں۔ یہ کیسا آدمی ہے جو زندگی کے صرف چند سانس لینے کے لیے زندہ ہے پھر بھی مسکرا رہا ہے۔ اور وہ کیسا قاتل ہے کہ اس کی فطرت جھنجھوڑی جا رہی ہے مگر وہ جھرجھری تک نہیں لے رہا ہے۔ اس کی مسلمانی پر بھرپور طنز ہو رہا ہے۔ پھر بھی وہ غفلت زدہ بنا ہوا ہے، نہ اس کی فطرت جاگتی ہے اور نہ اس کی فرعونیت میں کوئی فرق آتا ہے ——

دوسرا حیرت انگیز واقعہ

بلاشبہ سعید بن جبیرؒ نے شہادت گہہِ الفت میں ایسے ایسے نقوش ثبت کیے ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کے دلوں میں خونِ حیات دوڑاتے رہیں گے۔

جلاّد شمشیر برّاں لیے حجاج کے حکم کا منتظر ہے حکم ہوا وہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ دفعتہً تلوار چمکی اور کشتہ حق کا سر زمین پر تڑپنے لگا۔ زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ زبان

سے نکلا۔

اس دلدوز واقعہ کے بعد جو تعجب خیر واقعہ ظہور پذیر ہوا وہ بڑا بصیرت افروز ہے ــــــ شہید ہونے والوں کے جسم سے عموماً جتنا خون نکلتا ہے اس سے بہت زیادہ خون آپ کے جسم سے نکلا ــــــ خون کی اس زیادتی پر تمام لوگ محو حیرت ہو گئے۔ خود قاتل حجاج کو تعجب ہوا کہ آپ کے جسم سے اتنا خون کیوں نکل رہا ہے۔ حجاج نے اطبا کو بلا کر پوچھا کہ ان کے جسم سے خون کے فوارے کیوں پھوٹ پڑے۔ اطبا نے جواب دیا خون روح کے تابع ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو پہلے قتل کیا گیا ان کی روح قتل سے پہلے موت کا حکم سنتے ہی تحلیل ہو چکی تھی اس لیے ان کے جسم سے خون کم نکلتا تھا، لیکن سعید بن جبیر پر قتل کیے جانے کا حکم کا چونکہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا اس لیے ان کے جسم سے خون زیادہ نکلا۔

تاریخ کی ایک خفیہ حقیقت

سعید بن جبیرؒ علمی مزاج اور عبادت گزار طبیعت رکھتے تھے، ان کا خاندانی ماحول بھی صلح جو تھا ــــــ وہ نہ صرف یہ کہ حق پرست تھے بلکہ حق پرستوں کا ساتھ بھی دیتے تھے ــــــ اور جب کسی بات کا عہد کر لیتے تھے تو اس کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں بنو امیہ کی خاندانی خلافت مضبوط

بنیاد دل پر اگرچہ ابھی قائم نہیں ہوئی تھی تاہم خاندان ثقیف کے ایک شخص حجاج بن یوسف کی خدمت اس کو حاصل ہو چکی تھی جو ظالمانہ جبر اور پوری سفاکی کا مظاہرہ کر کے بنی اُمیّہ کی جڑیں مضبوط کر رہا تھا ـــــ حجاج کی ظالمانہ روش نے سعید بن جبیر جیسے انتہائی دین دار اور عبادت گزار اور صلح کل آدمی کو میدانِ جنگ میں اُترنے پر مجبور کر دیا تھا ـــــ جس کے نتیجہ میں خود ان کو اپنی جان کی قربانی دینا پڑی ـــــ اور تاریخ کی یہ حقیقت ہے کہ اس قربانی کے بعد ہی مسلمانوں کے درمیان آپس کی لڑائی ایک عرصہ کے لیے رُک گئی ـــــ

سعید بن جبیر نے اپنے گرد جہاں علم کا چرچا، ذکر و فکر کا شغل اور عبادات الٰہی کا شوق و ذوق دیکھا تھا وہاں مسلمانوں کے درمیان باہمی چپقلش کے گہرے آثار بھی پائے تھے۔ اُنھوں نے کچھ باتیں تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور کچھ کا ثمرہ اپنی شہادت کی صورت میں پایا تھا اور کچھ واقعات اپنے والد محمد بن جبیر سے سُنے تھے۔

شہادتِ حسین کے بعد کچھ ہی دنوں کے لیے باہمی خونریزی کا سلسلہ بند ہُوا تھا کہ یزید بن معاویہ کے انتقال کے بعد پھر خلافت کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ایک طرف محمد بن الحنفیہ تھے۔ دوسری طرف عبد اللہ بن الزبیر اور تیسری طرف خارجی قوت کا علمبردار نجدۃ الحروری تھا اور چوتھی طرف بنی اُمیّہ کا خاندان خلافت کی قوت کے ساتھ میدان کارزار میں صف آرا تھا ـــــ سعید بن جبیر کے والد محمد بن جبیر

کے والد محمد بن جبیر نے اس جنگ کو ٹالنے کی اور مسلمانوں کی تلواروں کو میان میں رہنے دینے کی بڑی قیمتی خدمت انجام دی۔

حضرت سعید بن جبیرؓ کی شہادت ۹۴ھ میں ہوئی۔ یہ سن ہجری دو وجہوں سے بڑا مشہور ہے۔ اول تو یہ کہ اسی سال محمد بن قاسم الثقفی نے ہندوستان فتح کیا۔ عبدالعزیز بن عبدالولید نے رومیوں کے بہت سے علاقے جن میں غزالہ اور انطاکیہ بھی تھے فتح کیا۔ قتیبہ نے فرغانہ کو فتح کیا۔

دوسری بڑی وجہ اس کے مشہور ہونے کی یہ ہے کہ اسی سال مدینہ کے اکثر فقہاء نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس سال کے شروع میں حضرت علی بن حسینؓ نے وفات پائی، اسی سال مشہور عالم و فقیہ عروہ بن الزبیر، سعید بن المسیّب اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن الہشام ایک ایک کرکے اس دنیائے فانی سے چل بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابراہیم تیمیؒ
اور
ابراہیم نخعیؒ

ابراہیم تیمی

ایک عہد، ایک نام اور ایک ولدیت رکھنے والی تاریخ اسلام کی یہ
دو ممتاز شخصیتیں ہیں۔ دونوں ہی تابعی ہیں، دونوں ہی صاحب علم و معرفت
صاحب تقویٰ و حکمت، حق پرست اور باطل دشمن ہیں ——— ایک
کا نام ابراہیم بن یزید تیمی ہے، اور دوسرے ابراہیم بن یزید بن اسود نخعی
کے نام سے معروف ہیں۔ یہ دونوں ہی وقت کے ظالم حکمران سے
سخت نالاں اور سخت بیزار ہیں۔ ان میں ابراہیم نخعی کھل کر حجاج کو
بُرا بھلا کہتے ہیں جس کی وجہ سے حجاج ان کا سخت دشمن ہے اور
دشمنوں سے چونکہ وہ نمٹنا خوب جانتا تھا اس لیے ان کی گرفتاری کے
لیے سپاہیوں کو چھوڑ رکھا ہے۔ تیمی نے اپنا رُخ صرف عبادت گزاری
کی طرف موڑے رکھا ——— ابراہیم نخعی کے برعکس وہ نہ تو سلاطین
اور اُمراء سے دوستانہ تعلقات رکھتے اور نہ ہدایا اور تحائف کا تبادلہ
کیا کرتے، نہ ان سے ملتے تھے اور نہ ان کو اچھا اور بُرا کہا کرتے ——
گوشہ نشین قسم کے ایک بزرگ تھے۔

نمازیں

ابراہیم تیمیؒ کی نماز اور دیگر عبادات سے دلچسپی اور لگاؤ کا یہ حال تھا کہ ان کی تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی۔ وہ تکبیر کے چھوٹ جانے کو بُرا اور اُس آدمی کو جس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی ہو دین کے کام میں گیا گزرا سمجھتے تھے۔ وہ برابر کہا کرتے تھے جسے نماز میں تساہل کرتا ہُوا پاؤ ——— اُور ان کے نزدیک نماز میں تساہل کے لیے اتنا کافی ہے کہ تکبیر اولیٰ فوت ہو جائے۔ تو اس سے ہاتھ دھو لو ———

وہ نماز کی حالت میں دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتے اکثر حالت نماز میں ان کو ایسے استغراق کے عالم میں دیکھا گیا ہے کہ وہ کھڑے ہیں تو اس طرح کھڑے ہیں کہ گویا کھجور کا تنا زمین میں گڑا ہُوا ہے ——— اور کبھی سجدے میں یہ عالم ہوتا کہ پرندے تک دھوکا کھا جاتے۔ پرندے اُڑ اُڑ کر ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے اور چونچیں مارتے۔

روزے

نماز کی طرح وہ روزے سے بھی گہرا قلبی لگاؤ رکھتے۔ رمضان کے فرض روزے کے علاوہ وہ سال بھر کثرت سے روزے رکھنے تھے ——— کبھی تو دو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے۔ اور رات کو بھی کچھ نہ کھاتے ——— چالیس چالیس روزے کبھی اس حال میں رکھتے کہ افطار کے

وقت انگور کے ایک دانہ سے روزہ افطار کر لیا۔ اور پھر روزہ ——— نماز روزے کی اس کثرت اور کیفیت نے ان کو بڑا ہی متقی اور پرہیزگار بنا دیا تھا۔ وہ ہمیشہ قرآن کے عباد الرحمٰن بننے کی کوششیں کرتے رہے ——— اپنے اعمال کو کبھی پورا اور باکمال نہ سمجھتے، بلکہ قول و عمل کو بیدار ضمیر کی کسوٹی پر ہمیشہ جانچتے رہتے ——— پھر کہتے " میں اپنے اعمال کو قابل اعتماد نہیں سمجھتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے قول و عمل میں تضاد ثابت نہ ہو جائے اور میں وہاں جھوٹا قرار نہ دے دیا جاؤں ———

زہد و تقویٰ

وہ قرآن میں بتائی ہوئی عباد الرحمٰن کی کیفیت پر ہمیشہ اپنی نگاہ رکھتے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

" رحمان کے بندے وہ ہیں جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں، جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کے عذاب سے ہم کو بچا لے اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے۔ یہ تو بڑا ہی برا ٹھکانا اور مرکز قیام ہے "

یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو خدا کی عبادت اور وفا شعاری

میں گزارتے ہیں۔ دن کی طرح ان کی راتیں خدا کے حضور کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے دعا اور عبادت کرتے گزرتی ہیں۔ اور عبادت گزاری کا یہ حال ان کو کسی قسم کے غرور اور پندار میں مبتلا نہیں کرتا، انھیں اس بات کا کوئی زعم نہیں ہوتا کہ ہم تو اللہ کے پیارے اور اس کے چہیتے ہیں، بھلا آگ ہمیں کہاں چھو سکتی ہے بلکہ ان ساری نیکیوں اور عبادتوں کے باوجود وہ اس خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ کہیں ہمارے عمل کی کوتاہیاں ہم کو مبتلائے عذاب نہ کر دیں، وہ اپنے تقویٰ کے زور سے جنت جیت لینے کا پندار نہیں رکھتے، بلکہ اپنی انسانی کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے عذاب سے بچ نکلنے ہی کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس کے لیے بھی ان کا اعتماد اپنے عمل پر نہیں بلکہ اللہ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے ــــــ

ابراہیم تیمی کا امتیازی وصف زہد و تقویٰ ہے اور ان کو یہ خوبیاں اپنے والد سے وراثت میں ملی تھیں۔ ان کے والد یزید بن شریک مالدار تاجر اور صاحبِ ثروت ہونے کے باوجود زہد و تقویٰ کی راہ سے ذرہ برابر نہ ہٹے، اُنھوں نے ہزاروں روپے پیدا کیے اور خرچ کیے مگر دنیا سے کبھی آلودہ نہ ہوتے۔ ان کے لباس تک سے ان کے ثروت کا اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔ ان کے انہی بیٹے ابراہیم تیمی نے ایک مرتبہ ان کو انتہائی بے ڈھنگا لباس یعنی روئی کا معمولی کرتا جس کی آستینیں ہتھیلی تک لٹکتی تھیں، پہنے دیکھ کر کہا کہ اب کبھی کوئی قرینے کا لباس تو پہنا کیجیے ــــــ اُنھوں نے جواب میں فرمایا تو بس اتنا کہا بیٹے میں نے ہزاروں پیدا کیے، لیکن

اس دولت اور فراوانی نے میری مسرتوں میں کوئی اضافہ نہ کیا۔ اور نہ کبھی کوئی ہوس پیدا ہوئی کہ مزید دولت پیدا کروں۔ اور اب جبکہ میں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا ہوں تو کبھی اس بات کی کوئی خواہش پیدا ہوئی کہ دولت کماؤں، کیونکہ میں نے حضرت ابوالدرداءؓ سے سُنا ہے کہ قیامت میں ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہوگا۔

ایسے زاہد اور متقی باپ کی تعلیم و تربیت نے ابراہیم تیمی کو ابتدا ہی سے دنیا سے بے نیاز اور زہد و عبادت کی جانب مائل کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ابراہیم اپنے وقت کے بڑے ہی عبادت گزار اور متقی ہوئے۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے اور فاقہ کشی پر ان کو بڑی قدرت تھی۔

مزاج

ابراہیم نخعی کے مقابلے میں ابراہیم تیمی کا مزاج کسی قدر مختلف ہے، وہ وقت کی سیاست سے حسن بصری کی طرح الگ تھلگ رہنے کے قائل ہیں۔ حکومت کے عمال کی نہ تعریف و توصیف کرتے ہیں اور نہ اُن کی مذمت اور توہین اور نہ ان کے خلاف کسی قسم کی سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان سے نہ ان کے اچھے تعلقات ہیں نہ بُرے —— نہ ان کے یہاں ان کا آنا جانا ہے اور نہ تحفے اور ہدایا کا لین دین —— عبادت و ریاضت، تعلیم و تعلّم، گوشہ نشینی کے عادی تھے ——

نہ ان کا کسی سے زیادہ میل جول تھا اور نہ تعلقات کی کثرت نام ان کا لوگ چاہے جانتے ہوں مگر ان کی صورت کے آشنا بہت کم لوگ تھے۔

فضائے بسیط کے یہ روشن ستارے، حقیقت میں اپنے اندر ایک وسیع دنیا بسائے رکھتے تھے ــــــ ان کی زندگی کی سرگرمیوں اور ان کے قول و عمل میں ایسی ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جن کا آج تصور تک نہیں کیا جا سکتا ــــــ

بے نظیر ایثار

یہ تو واقعہ ہے کہ اسلام کی تاریخ ایثار و قربانی کی تاریخ ہے، یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تک، نفس جان و مال، اوقات اور محنت کی قربانیاں ہی قربانیاں اور ایثار ہی ایثار ملتا ہے۔ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات اور ایثار اور میدان بدر میں العطش العطش کے واقعات عالمتاب سے لے کر معرکہ کربلا تک اور اس کے بہت بعد زمانہ تک قدم قدم پر اس کی انمول مثالیں ملیں گی۔ انھیں میں ایک بے نظیر ایثار کا نمونہ ابراہیم تیمی کی زندگی ہے، انھوں نے اپنے ہم عصر عظیم المرتبت شخصیت ابراہیم نخعی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ اور اُف تک نہ کیا، برف کی طرح جسم گھل رہا ہے، سوکھی لکڑی کی طرح جانِ عزیز موت کا نوالہ بنتی جا رہی ہے۔ ظالم کی سختیاں

عفریت بن کر کھلی آنکھوں کے ساتھ اس کو ہر طپ کرتی جا رہی ہیں لیکن زبان سے نہ اُف نکلتا ہے، نہ فیصلے سے انحراف کا خیال آتا ہے، اور نہ جسم و جان کی محبت آڑے آتی ہے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نخعی کی صاف گوئی سے ان کا سخت دشمن تھا، ہمیشہ ان کے درپے آزار رہا کرتا تھا۔ لیکن دست رس حاصل نہ ہو سکا تھا۔ ایک آدمی کو ان کی تلاش میں لگا رکھا تھا۔ ابراہیم تیمی کو نخعی کے ساتھ حجاج کی دشمنی کا علم تھا۔ اس علم کے باوجود اُنھوں نے ان کے بچانے کے لیے اپنے کو پیش کر دیا کہ ابراہیم میں ہوں ـــــــ تلاش کرنے والے آدمی نہ ابراہیم تیمی کو پہچانتے تھے اور نہ ابراہیم نخعی کو، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ ابراہیم میرا نام ہے تو بس ان کو اپنا گوہر مطلوب سمجھ کر کشاں کشاں لے گئے۔ حجاج نے اپنے دشمن پر گویا قابو پا لیا تھا۔ اس لیے زنجیر میں جکڑ اکر دیماس کے قید خانہ میں مقید کر دیا ـــــــ یہ قید خانہ کیا ہے۔ موت کا کنواں تھا جس میں سردی، گرمی اور دھوپ سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا ـــــــ یہ قید خانہ حجاج کی ظالم طبیعت نے خود گھڑا تھا، جس میں وہ اپنے سنگین مجرموں کو ڈلوا دیا کرتا تھا ـــــــ اس قید خانہ کے اندر چند ہی دنوں میں رنگ و روپ سب کچھ بدل گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن جب ان کی والدہ ان سے ملنے آئیں تو ان کو پہچان نہ سکیں۔ یہ صاف علامت اس بات کی تھی کہ موت پوری رفتار سے ان کی طرف بڑھ رہی

ہے لیکن وہ پورے صبر و استقامت کے ساتھ اس قید وطن کی سختیوں کو جھیلتے رہے یہاں تک کہ موت نے بڑھ کر ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

حیات بخش موت

یہ موت ایک مومن کی موت تھی، ایک اپنا ایثار پسند انسان کی موت تھی، ایک ایسے مسلمان کی موت تھی جس نے اپنے کو صرف اس لیے موت کے حوالے کیا تھا کہ ایک نیک شخص کو، ایک خادم دین کو، ایک صاحب علم و دانش کو ایک صاحب خیر و فلاح کو ایک فقیہ، ایک محدث اور ایک قاری کو زندگی مل سکے، ان کی ذات سے دین کو نفع پہنچے، دوسروں تک علم پہنچ سکے، اور قرآن و حدیث کا علم عام ہو سکے —— اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ابراہیم تیمی کی یہ قربانی رائیگاں نہ گئی —— ابراہیم نخعی نے وقت کے اہم ترین مسئلوں پر توجہ دی، مختلف فتنوں کا انسداد کیا، عقائد کی درستی کے لیے بہترین کام کیے۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ابراہیم تیمی نے اپنی جان دے کر قوم کے لیے حیات خرید لی۔

ابراہیم نخعی

حضرت ابراہیم نخعیؒ کی زندگی میں جو چیزیں بہت نمایاں ہیں وہ ان کی عبادت وطاعت، سنتِ رسول کی پابندی، بدعات سے اجتناب، حکومت کے ساتھ معتدل روّیہ، عمال حکومت کے ساتھ میل جول اور ان کی اصلاح کا کام ——— مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے فتنوں سے صحیح واقفیت اور ان فتنوں کا سدباب کرنے کی سعی وجہد۔

فتنہ ارجاء سے عام مسلمانوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور جہاں بھی اور جس کسی کے بھی ذہن و دل میں اس کا کوئی بیج پایا گیا اس کی بیخ کنی کی۔ اسی صورت سے سبائی فتنہ کا بھی انسداد کرنے کی کوشش کی اور جس کسی سے بھی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے اندازہ ہوا کہ اس شخص کے اندر سبائی فتنہ کے جراثیم پائے جاتے ہیں، اس سے نہ صرف یہ کہ خود اجتناب کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے قریب جانے اور اس کا اثر لینے سے بچاتے رہے۔ صحابہ کرام ہم عصر تھے اور ان کے درمیان اختلافات بھی ہوتے ہیں۔ ان کے دور میں ایسے لوگ

پیدا ہو گئے تھے جو صحابہ کرام کے درمیان اختلافات کا جا و بے جا ذکر کر دیا کرتے تھے ـــــــ ابراہیم نخعی ایسی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے درمیان اختلافات کا کوئی ذکر سننا نہیں چاہتے تھے۔ اگر کوئی اِن کی مجلس میں اس طرح کی کوئی بات کرتا تو اُس کو روک دیتے اور فرماتے اعتدال کی راہ اختیار کرو اور اپنی بربادی اور عاقبت کی خرابی اگر نہیں چاہتے ہو تو اس مسئلہ میں خاموش ہی رہو۔ کون جانے تمہارے منہ سے کون سی بات نکل جائے اور وہ حقیقت کے خلاف ہو۔ کیونکہ سچی اور غلط باتیں مشہور ہو گئی ہیں۔ کون سی بات سچ ہے اور کون سی غلط اس کا فیصلہ کون کرے گا اس لیے ضرورت ہے کہ اس معاملہ میں خاموش رہا کرو۔

بدعت سے بھی وہ ہمیشہ بیزار رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ان کا کوئی کام بھی قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ اچھے سے اچھے کام میں بھی اگر ان کو شبہ ہو جاتا کہ اس میں بدعت کی خرابی پوشیدہ ہے تو وہ اس کے کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ اور معمولی سے معمولی کام بھی اگر وہ سنت ہوتا تو اسے ضرور کرتے تھے۔

حکومت کے ساتھ معاملے میں بھی ان کا رویہ ہمیشہ معتدل رہا۔ حجاج کے ظالمانہ رویے کی اگر ایک طرف وہ مخالفت کرتے تھے اور اس پر اتنی سخت نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ ان کے جان کا اتنا بڑا دشمن

ہو گیا کہ ان کے دھوکہ میں دوسرے کو ہلاک کرا چھوڑا، تو دوسری طرف وہ دوسرے اچھے عمال، حکام سے اچھے روابط بھی رکھتے تھے ان سے ان کا میل جول بھی رہتا تھا اور ان کے درمیان تحفے اور ہدایا کا لین دین بھی ہوا کرتا تھا۔

ابراہیم نخعی عابد و زاہد اور عالم و فقیہ ہونے کے باوجود خشک مزاج نہیں تھے ـــــــ وہ خوش و خرم گھریلو زندگی رکھتے تھے، اپنی اولاد سے گہرا قلبی لگاؤ رکھتے تھے، اچھا لباس پہنتے، اچھی رہائش رکھتے، اور عام لوگوں میں ملنا جلنا اور اُٹھنا بیٹھنا رکھتے۔

صوم وصلوٰۃ

ان کے روزے اور ان کی نمازیں ابراہیم تیمی جیسی ممکن ہے نہ ہوتی ہوں لیکن کثرت نماز کے ساتھ جسم و جان کی راحت کا بھی خیال رکھتے تھے غرضیکہ ابراہیم نخعی کی زندگی ایک ایسا نمونہ تھی جس میں لہروں جیسی روانی، باغوں کی شادابی، تلوار جیسی تیزی، حریر و ریشم جیسی نرمی، ماں جیسی شفقت، باپ جیسی شفقت، اُستاد جیسی شیرینی اور تلخی، وہ ایک معتدل انسان، سنت کے پابند، خوش لباس اور خوش جمال انسان۔ ان کی زندگی میں ہمارے لیے سعادت کے بہت سے سامان جمع ہیں۔

اجمالی خاکہ

یہ تھا حضرت ابراہیم نخعی کی سیرت و عمل کا ایک اجمالی خاکہ اب ان کی تفصیلات میں جا کر دیکھئے کتنے اور کیسے کیسے لعل و گہر بکھرے ہوتے ہیں جو دنیا والوں کے لیے بہترین نمونۂ حیات ہیں جس پر چل کر انسان فلاح کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنے رب کے مقبول و محبوب بندوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔

خدمات

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ یہ فضل رہا ہے کہ کبھی وہ جانوروں کا ایسا گلہ بنائے گئے جس کا راعی اور نگہبان نہ رہا ہو، وادیٔ ظلمات میں دُور تک بھٹکتے رہنے کے لیے بے سہارا نہ چھوڑے گئے۔ اور منزل اور راہ سعادت کو اجتماعی آنکھوں سے کبھی اوجھل ہونے نہیں دیا تھا ــــ ظلمتیں آئیں مگر اس کے اندھیرے میں تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ٹامک ٹوئیاں مارنے کے لیے بے آسرا چھوڑ نہ دیا ــــ بلکہ اگر ظلمتیں آئیں تو تابانی صبح کی جھلملاہٹیں بھی فوراً پیدا ہو گئیں۔ طوفان اُٹھے تو طوفانوں کی زد میں چراغ جلانے والے بھی آگے بڑھے ــــ اور اس وقت سے آج تک اور آج سے قیامت تک اندھیروں کو اُجالے میں تبدیل کرنے والے اور طوفانوں کی زد میں چراغ روشن رکھنے والے آتے رہیں گے۔

عبداللہ بن اُبی کے بعد دُوسرا بڑا منافق۔ اسلام کو برباد اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنا کر یہودی سے مسلمان ہو گیا اور اُس نے اپنے جیسے بہت سے لوگوں کو اسلامی قلعہ میں داخل کر دیا۔ پھر

کمزور ضعیف العقیدہ اور غیر تربیت یافتہ اور تازہ وارد نومسلموں کو اسلام کی تعلیمات سے ناواقف تھے گمراہ کرکے اپنی راہ پر لگا دیا۔ اس گروہ نے بڑے فتنے پیدا کیے۔ یہ گروہ تاریخ اسلامی میں سبائی کہلاتا ہے۔ یہ اور اُس گروہ کے بہت سے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ہاتھوں ہی تباہ اور ملیامیٹ کیے گئے تھے، پھر بھی اس کے آدمی جو باقی رہ گئے تھے وہ اندرونی طور پر مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کا کام کرتے رہے۔

ان دشمنان اسلام کی ہر زمانہ میں کام کی ٹیکنیک وقت اور حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے ——— صحابہ کرام کے زمانہ میں وہ کچھ اور طریقے سے نفاق پھیلانے کی کوششیں کرتے رہے، اور تابعین کرام کے زمانہ میں اُنھوں نے کچھ دوسرے طریقے اختیار کر لیے ——— مثال کے طور پر مسلمانوں کے درمیان جب یہ بیٹھتے تو کسی نہ کسی نوعیت سے صحابہ کرام کے درمیان بعض اختلافات کا ذکر چھیڑ دیتے ——— کوئی حضرت عثمان رضؓ کا حامی بن جاتا اور کوئی حضرت علی کا ہمدرد بن کر کھڑا ہو جاتا۔ پھر شہادتِ عثمان رضؓ، قصاص کے واقعات اور حضرت علی رضؓ کے رویے تک بات پہنچتی۔ پھر صحابہ کرام کا ذکر اس حیثیت سے چھیڑ دیا جاتا کہ کن لوگوں نے ان میں سے کس کا ساتھ دیا اور کیوں؟ وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے اختلافات، پھر یزید اور بیعت یزید! بھی شہادتِ حسین رضؓ اور صحابہ کرام پر تبصرے ہونے لگتے۔ غرضیکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف، نفاق اور تشتت پیدا کرنے کی ہر ممکن سعی کرتے

کرتے رہتے ـــــ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔
سبائیوں ہی کے پھیلائے ہوئے فتنے میں ایک فتنہ رجائیت کا ہے۔
جو حضرت ابراہیم نخعی کے زمانہ میں چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ تیسرا
فتنہ بدعات کا۔ اور چوتھا ترک سنت کا ـــــ ابراہیم نخعی نے ان
فتنوں کا سدباب کرنے کی پوری جدّوجہد کی اور اپنی کوششوں اور عملی سرگرمیوں
سے ان فتنوں کو پھیلنے سے بہت حد تک روک دیا۔

فتنہ ارجاء

تاریخ گواہ ہے کہ ابراہیم تیمی نے اپنی زندگی دے کر جس زندگی
کو بچایا تھا وہ بلاشبہ ملّت کا عظیم سرمایہ ثابت ہوئی ـــــ کیونکہ
ابراہیم نخعی نے اپنی اس حیات مستعار سے وہ کام لیا جو وقت کا اہم تقاضا
تھا۔ اور جس میں ملت اسلامیہ کی حیات بخشی کے بڑے سامان تھے۔

۱۔ رجائیت کا فتنہ ان کے زمانہ میں بہت تیزی سے پھیل رہا تھا۔
اس فتنہ میں مبتلا لوگ صرف زباں سے ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ محمد
الرسول اللہ کہہ دینے کو کافی سمجھتے تھے ـــــ عمل صالح سے غفلت
بلکہ ان کا ترک کر دینا اور عقیدے کی تمام خرابیوں کے باوجود وہ
اپنے کو مسلمان سمجھتے اور اس پر مصر تھے کہ ایمان کا ایک مرتبہ
زبان سے اقرار کر لینے کے بعد اب ایمان میں کوئی کمی وبیشی نہیں

ہو گی۔ بلکہ آدمی کا ایمان جہاں تھا وہیں رہے گا۔ یعنی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا زبان سے اقرار کر لینا کافی ہے، چاہے وہ توحید اور رسالت کی حقیقت کو سمجھے یا نہ سمجھے ——— اس کلمہ کو زبان سے ادا کرنے کے بعد اگر کوئی تمام عمر شرک و معصیت کی نجاست میں سر سے پاؤں تک دھنسا رہے اور گناہ کیے چلا جائے۔ پھر بھی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا ——— کیونکہ ایمان محض اقرار کا نام ہے۔ اس میں احکام و اعمال کا کوئی دخل نہیں ——— اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی حکم پر عمل کرے تو اچھی بات ہے اور کسی حکم کی پابندی نہ کرے، جب بھی کوئی ہرج نہیں ——— کلمہ توحید ایک قول ہے اور یہی ایمان ہے۔

عام مسلمان، فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے ایمان میں کوئی فرق نہیں ——— جس نے زبان سے توحید باری تعالیٰ کا اقرار کر لیا۔ بس یہ اقرار اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ شریعت اور اس کے احکام پر عمل کرنا اس کے اپنی صوابدید پر، یا پسند و ناپسند پر ہے۔ دائرہ ایمان سے بہر حال اس کو کوئی چیز خارج نہیں کر سکتی۔

مرجیہ لفظ ارجاء سے نکلا ہے جو مشتق ہے رجاء بمعنی اُمید سے ——— اس لیے کہ مرجیہ کو یہ اُمید ہے کہ گنہ گاروں کو اللہ بخش دے گا ——— اُمیدوں کا یہ عجیب و غریب محل اُنھوں نے

اس ریت پر اٹھایا ہے کہ جس طرح تمام نیک اعمال، ایمان کے بغیر بے کار اور ضائع ہو جانے والی چیزیں ہیں۔ بالکل اسی طرح تمام گناہ ایمان کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے اور خارج از رجسٹر کر دیئے جائیں گے۔

یہ ایک ایسا نامعقول عقیدہ ہے جس کے بعد مسلمان تو کجا کسی آدمی کا انسان رہنا مشکل ہے ـــــــ ایک آدمی چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، بہت سے برے، ناروا اور مردم آزار کام محض اس لیے نہیں کرتا ہے کہ اس کے ذہن میں ان کے برے نتائج کا کوئی تصور موجود ہوتا ہے اور جب آدمی کو مذہبی بنیاد پر برائی کی چھوٹ مل جائے تو برائی سے کون سی چیز اس کو روکے گی۔

احادیث

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ایک مسلمان کا ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں۔ ان سب میں سب سے بہتر زبان سے اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور سب سے کم درجہ کا ایمان کسی تکلیف و اذیت دینے والی

چیز کا راستہ سے دُور کرتا ہے اور شرم وحیا بھی
ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

حضور سید عالم نورِ مجسم احمد مجتبیٰ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
"پورا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے
مسلمان محفوظ و مامون رہیں اور مہاجر وہ ہے جس
نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا ہو جن سے خدا
نے منع فرمایا ہے۔ اور شرم وحیا بھی ایمان کی
ایک شاخ ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
"کوئی شخص اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا۔
جب تک کہ اس کے نزدیک میں (یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم) باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے
محبوب نہ ہو جاؤں۔"

حضور پرنور شافعِ یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
"جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف
رُخ کرے اور ہمارے ذبح کیے ہوئے جانور کھائے
وہ مسلمان ہے۔"

ایک مرتبہ ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو (ایمان لانے

کے بعد یہ اعرابی مسلمان ہوئے) کوئی ایسا عمل بتلائیے کہ میں اس کو کروں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔
آپؐ نے فرمایا "اللہ کی عبادت کر اور کسی کو شریک نہ بنا، فرض نماز کو ادا کر، فرض زکوٰۃ کو ادا کر اور ماہ رمضان کے روزے رکھ۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممتاز صحابہ کرام کی ایک جماعت سے عہد لیا کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ کسی پر خودساختہ بہتان نہ باندھیں گے اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کریں گے۔"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عید قرباں یا عید فطر کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کو تشریف لے چلے اور عورتوں کے ایک گروہ کے قریب سے گزرتے ہوئے آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ اور خیرات کرو کیونکہ مجھ کو یہ دکھلایا گیا ہے کہ تم میں سے اکثر دوزخی ہیں۔ عورتوں نے عرض کیا "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا سبب؟ آپؐ نے فرمایا۔ تم لعن طعن بہت کرتی ہو۔ خاوند کی ناشکری کرتی ہو اور تم میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو عقل و دین میں

ناقص (کم) ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف نہ بنا دیتی ہو، اور اس کی عقل ضائع نہ کر دیتی ہو۔

عورتوں نے عرض کیا "ہمارے دین اور عقل میں کیا نقصان (یعنی کمی ہے)" آپؐ نے فرمایا "کیا ایک عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں آدھی گواہی نہیں ہے؟" (شریعت میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ یعنی کسی معاملہ میں ایک عورت کی گواہی آدھی ہوتی ہے)

عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو ٹھیک ہے۔

آپؐ نے فرمایا یہ تو تمہاری عقل کا نقصان ہے۔ اور جب تم حیض کی حالت میں ہوتی ہو تو نہ نماز پڑھ سکتی ہو اور نہ ہی روزہ رکھ سکتی ہو۔

عورتوں نے کہا یہ بھی درست ہے۔

آپؐ نے فرمایا یہ بھی تمہارے دین کا نقصان ہے۔" (بخاری و مسلم)

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم میں سے کوئی شخص خرابی دیکھے، تو اُس کو چاہیئے کہ وہ اس خرابی کو اپنے ہاتھ کی (یعنی بزورِ قوت) مدد سے دور کر دے لیکن اگر اس کے ہاتھ میں اتنی

قوت نہیں ہے (یعنی اس کام کو بزورِ قوت دور نہ کر سکتا ہو) تو اس کو زبان سے اس برے اور غلط کام کو برا کہنا چاہیئے اور زبان کے ذریعہ اس کو دُور کرنا چاہیئے لیکن اگر کسی میں اس کی بھی قوت نہیں ہے (یعنی زبان کے ذریعہ بھی کسی کو اس برائی سے نہیں روک سکتا تو اس کو کم از کم اپنے دل میں اس شخص یا اس کام کو برا سمجھنا اور کہنا چاہیے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

یہ احادیث مبارکہ اور بخاری شریف، مسلم شریف اور دوسری کتب احادیث میں بیان کردہ بہت سی احادیث ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا ایمان معتبر نہیں ہے ——— یہ تو ممکن ہے کہ مشرک کی طرح ہمیشہ جہنم میں نہ رہے بلکہ اپنے اقرار باللسان کی وجہ سے کسی مرحلہ میں نکال دیا جائے لیکن ایمان کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو نظرانداز کر کے ایک آدمی مومن نہیں رہ سکتا۔

قرآن مجید میں تو جرم و گناہ کے بعد اس کی پاداش سے بچنے کے جو طریقے بتائے گئے ہیں وہ ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ

"توبہ کرے" ایمان لائے اور اپنی اصلاح کرے

خسارے سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے جو شرط لگائی ہے وہ بھی یہی۔

اور اعمال صالح اور حق کی تلقین اور صبر کی تلقین ہے ـــــ اور خود مسلمانوں کے فلاح پانے کی جو صورتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں نماز خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا، اپنی زبان، نفس وعمل کا تزکیہ کرتے رہنا، شرم گاہوں کی حفاظت کرنا اور دیگر اعمال شامل ہیں ـــــ پھر قرآن میں بعض جرائم کی سزا دائمی جہنم قرار دی گئی ہے

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا متعمدًا فجزاءہ جہنم خالدین فیھا

"جب کسی نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔"

اس آیت سے بھی یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کلمہ پڑھنے سے آدمی آزاد نہیں بلکہ پابند ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی پابندی، آپ سے محبت رکھنے کی پابندی، مسلم معاشرے کی اصلاح کا خیال رکھنے کی پابندی، مسلم ریاست کی حفاظت کی پابندی، امانت ودیانت کی پابندی ـــــ غرض کہ کلمہ توحید پڑھنے سے ایک آدمی نہ صرف یہ کہ ذمہ دار اور پابند بن جاتا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کا اس کو معلم بننا پڑتا ہے۔

اسلام جو مسلم معاشرہ تشکیل دیتا ہے، اس کو خرابی، فساد، انتشار اور افتراق سے محفوظ رکھنے کے لیے سوسائٹی کے ہر فرد پہ یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ معاشرے کی بھلائی کے لیے کام کرتا رہے اور جانتے بوجھتے کوئی ایسا کام خود اور نہ دوسروں کو کرنے دے جس سے

معاشرے میں خلل پڑتا ہو —— وہ چوکس اور چوکنا رہے اور —— فوجدار بن کر معاشرے میں زندگی گزارے —— ادھر کوئی خرابی نظر آئی اُدھر وہ اس کو دُور کرنے کے درپے ہو گیا ——

اسلام کسی بھی فرد کو خاموش تماشائی بن کر دُنیا میں زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ برائیوں کو دُور کرے اور بھلائیاں پھیلائے —— اس کے پاس طاقت ہو تو طاقت استعمال کرے۔ زبان سے بولنے کی جرأت و جسارت ہو تو اس جرأت سے کام لے، ورنہ دل سے تو اس کو بُرائی سے نفرت کرنا ہی چاہیئے۔

اسلام کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں ہے کہ ہر شخص کے ہاتھ میں لٹھ ہونی چاہیئے جسے وہ اندھے کی لاٹھی کی طرح ہمیشہ گھماتا رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک مسلم ریاست کی تو یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے اسی طرح مسلم معاشرے کے ہر فرد پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بساط ایمان بھر معاشرے میں خرابی کو در پہ آنے سے روکنے کی کوششیں کرتا رہے۔

کشمکش کا سامان

خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں میں عقیدے اور عمل کی جو خرابیاں پیدا ہوئیں ان میں یہ ایک بڑی خرابی تھی جو بہت جلد ایک فتنہ بن گئی —— اور اس کے اثرات مسلم معاشرے میں دُور تک پھیل گئے۔

دولت کی فراوانی اور فراغت ۔ اس پر منافقوں کی کھلی اور چھپی ریشہ دوانیاں ، غیر تربیت یافتہ عجمیوں کے ہجوم اور موالیوں کی کثرت نے مسلم معاشرے میں جو کمزوریاں پیدا کر دی تھیں وہ اس باطل عقیدے کو مقبول بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوئیں۔

جو لوگ یہ جانتے تھے کہ وہ مسلمان بھی کہلائیں اور تمام رغوباتِ نفس سے ان کا واسطہ بھی قائم رہے ـــــ مسلمانوں کی جماعت میں وہ شامل بھی رہیں اور اسلامی احکامات کی پیروی بھی ان کے لیے ضروری نہ ہو ـــــ دل کھول کر زندگی کے مزے بھی لوٹیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے ، خدا بھی راضی اور خوش رہے اور نفس بھی مطمئن اور آسودہ حال رہے ـــــ ایسے تمام لوگوں کے لیے اس میں کشش کا بڑا سامان تھا ـــــ سراسر ناسمجھی کی بات ہونے کے باوجود اس احمقانہ عقیدے کا نفوذ لوگوں میں ہوا اور اسلامی لٹریچر میں اس کو جگہ ملی ـــــ اور ایک فلسفہ کی صورت اختیار کر لی۔

بدعت ہے

اس عقیدہ ارجاء کو تابعین اور تمام اکابرین اُمت نے بدعت قرار دیا ہے۔ اور سختی سے اس کی تردید کی ہے اور اس کو پھیلنے سے روکنے کی سعی بلیغ کی ـــــ ابراہیم نخعی کی دینی خدمات میں یہ ایک بڑی دینی خدمت تھی جو اس فتنے کو پھیلنے سے روکنے کے لیے اُنھوں نے انجام دی

——— تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس کا کلی استیصال نہ ہو سکا کیونکہ اس عقیدے کے ماننے والوں کو مسلمان رہ کر نامسلمانی کرنے کی آزادی حاصل رہتی تھی اور حق پرستی کی جگہ نفس پرستی کی تمام راہیں کھلی رہتی ہیں۔

نفرت کا اظہار

حضرت ابراہیم نخعی اس عقیدے کے لوگوں سے سخت بیزار رہتے تھے اور اس کو ایک ایسی بدعت قرار دیتے تھے جس میں بگاڑ ہی بگاڑ اور بربادی ہی بربادی ہے۔

ابنِ عون ابراہیم نخعی کی نفرت اور بیزاری کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابراہیم نخعی کی صحبت میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ دورانِ گفتگو انھوں نے خود ہی ترجیہ کا ذکر کیا اور اس کی خرابیاں بیان کیں۔ پھر فرمایا کہ تم لوگوں کو اس عقیدہ کے لوگوں کی صحبت تک سے بچنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے ایک نئی راہ اور ایک نیا عقیدہ اپنی رائے سے گھڑ کر نکال لیا ہے ——— یہ عقیدہ رجا سراسر بدعت ہے اور بدعت فتنہ ہوا کرتا ہے۔

حکیم ابنِ جبیرؒ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مرجیہ اس اُمت کے حق میں مجھے سب سے بڑا خطرہ نظر آتے ہیں۔ مجھے اُمتِ مسلمہ میں ان لوگوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔

ایک دن اس عقیدے کے چند لوگ ان کے پاس آئے اور ان کے

سامنے اپنے عقیدے کی باتیں شروع کر دیں۔ آپ ان کی باتیں سُن کر سخت برہم ہوئے اور بھڑک کر بولے کہ اگر واقعی تمھارا عقیدہ یہی ہے تو تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ اور آئندہ کبھی ادھر اپنا قدم نہ رکھنا۔

اعمش بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جبکہ بہت سے لوگ جمع تھے، کسی نے مرجیہ کے عقیدے کا ذکر چھیڑ دیا۔ آپ نے کہا خدا کی قسم یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہیں ـــــ وہ تو اہلِ کتاب سے بھی زیادہ مبغوض ہیں، اور غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والے ـــــ اور حقیقت یہ ہے کہ اہلِ کتاب تو مسلمان کے لیے اتنے خطرناک اور گمراہ کن نہیں ہیں جتنے مرجیہ ہیں۔

ایک شخص مُحل ہیں۔ ایک دن ان سے کہنے لگے کہ مرجی تو اپنے عقیدے کی دعوت بھی دینے لگے ہیں۔ ایک دن ایک مرجی نے مجھ سے کہا کہ تم بھی ہماری طرح مومن بن جاؤ ـــــ اُنھوں نے کہا تم اس کے جواب میں اس کے سامنے قرآن کی یہ آیتیں پڑھ دیتے:

"ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیمؑ پر نازل کیا گیا تمام احکام و شرائع و ہدایات پر ایمان لاتے ہیں۔"

سبائی اور مرجی

مرجی کی طرح سبائی عقیدے کے بھی وہ سخت دشمن تھے ۔ وُہ

اُمت مسلمہ کے حق میں ان کو بڑا فتنہ سمجھتے تھے ـــــــ مرجی اور سبائی دونوں ہی نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین اختلافات گھڑے تھے اور سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کئی بڑے فتنے پیدا کیے تھے اسی لیے آپ نے اس کے بارے میں بڑا ہی محتاط رویہ رکھا تھا۔ ان کے مابین اختلافات پر تنقید، اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی کی جانبداری کو ناپسند کرتے تھے۔ اس بارے میں ان کا مزاج کیا تھا اس کو سمجھنے کے لیے ایک دو واقعات کا ذکر کر دینا مناسب ہو گا۔

واقعہ ہے کہ ایک دن ان کے ایک شاگرد نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مابین اختلاف کے بارے میں ایک سوال کر دیا۔ اُنھوں نے کہا یہ کوئی قابلِ تحقیق اور قابلِ ذکر بات نہیں ہے۔ کیونکہ نہ میں سبائی ہوں کہ حضرت عثمان کے خلاف کوئی بات کہوں اور نہ مرجی کہ حضرت علیؓ پر لب کشائی کروں۔

اسی طرح ایک شخص نے اثنائے گفتگو حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ مجھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ سے محبت ہے ـــــــ آپ نے یہ سُن کر کہا کہ اگر حضرت علی خود تمھارا یہ خیال سنتے تو تم کو سزا دیئے بغیر نہیں رہتے ـــــــ اور اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو۔

وہ خود کبھی کبھار یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ گو چہ ذاتی طور پر مجھے خود

حضرت عثمانؓ کی نسبت حضرت علیؓ سے زیادہ محبت ہے لیکن اس میں کسی ظن کا دخل نہیں ہے ـــــ میں آسمان سے منہ کے بل گرنا تو پسند کرتا ہوں لیکن کسی طرح گوارا نہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ کسی قسم کا سوئے ظن رکھوں۔

سبائی کون تھے اور کیا کر گئے

سبائیوں کا جب ذکر آ گیا ہے تو ان کے بارے میں اتنا لکھ دینا غیر مناسب اور غیر ضروری نہیں ہوگا کہ سبائی عبداللہ بن وہب بن سبا معروف ابن السودا کی طرف منسوب ہیں ـــــ عبداللہ بن سبا حقیقت میں یمن کا رہنے والا یہودی تھا اور مذہب اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت مسلمان ہو گیا تھا ـــــ اس زمانہ میں جبکہ وہ مسلمان ہوا تھا مسلمان ہو جانا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونا ایک عام بات تھی۔ قبیلے کے قبیلے، علاقے کے علاقے اور شہر کے شہر فوج در فوج کے حساب سے مسلمان ہو رہے تھے، ان میں کچھ مخلص بھی تھے، کچھ مفاد پرست بھی تھے، کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام دشمنی میں مخلص مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے مسلمان ہو رہے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام میں خلوص دل سے تو داخل ہوئے تھے مگر اپنے باطل خیالات و افکار اور عقیدے اور رسومات کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔

عبداللہ بن سبا اُن لوگوں میں تھا جو شروع ہی سے اسلام دشمنی پر کمر بستہ تھے لیکن یہودی رہتے ہوئے چونکہ وہ اپنے مقصد کو پورا نہیں کر سکتا تھا اس لیے وہ مسلمان ہو گیا۔ اس سے پہلے یہودی رہ کر وہ کئی بار مسلمانوں کے شہروں اور علاقوں میں گیا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن جب اس طرح اس کو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں مسلمان ہو گیا اور اپنی مہم کا اس نے اس طرح آغاز کیا کہ بصرے کے لوگوں کی خامیوں اور کمزوریوں کو پہلے بھانپا۔ پھر ۳۳ھ میں اپنے منصوبے کے ساتھ یمن سے بصرہ پہنچا۔ یہاں اوّل اپنے طرز کے لوگوں کو تلاش کیا اور اپنے لیے ساتھیوں کو ڈھونڈھ نکالا جو اسی کی طرح سوچ رکھتے تھے اور خوبصورت ناگ بن کر مسلم سوسائٹی کو ڈستے ہی کے لیے مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر اس نے خود اور اس کے دُوسرے ساتھیوں نے مبہم انداز میں ایسی باتیں پھیلانی شروع کر دیں جو لوگوں کو شک اور تذبذب میں ڈالنے والی تھیں ـــــ عبداللہ بن عامر جو اس وقت بصرہ کے گورنر تھے، جب ان کو یہ تفصیلات معلوم ہوئیں اور اس کی شرارتوں سے وہ آگاہ ہوئے تو اس پر اس کی گرفت کی اور تنبیہہ کرتے ہوئے بصرہ سے اس کو نکلوا دیا ـــــ بصرہ سے نکل کر وہ کوفہ آیا۔ پھر یہاں سے حجاز اور شام میں اپنی سازشی تحریک کے خطرناک بیج بوتا ہُوا مصر پہنچا۔ اور اس کو اپنا مرکز بنا لیا ـــــ ہر جگہ وہ موقعہ اور محل کے اعتبار سے باتیں پھیلاتا رہا۔ جو لوگ تربیت یافتہ نہیں تھے اور نہ اُن کو دین کی معلومات تھیں

ایسے لوگوں کے سامنے حقِ خلافت کا مسئلہ رکھ دیتا۔ اگر سیدھے سادے لوگ مل جاتے اور کسی قدر دین کی فہم میں کمزور بھی تو ان کے سامنے یہ کہتا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھا لیے جانے کے بعد پھر دنیا میں آئیں گے، وہ لوگ اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افضل الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں۔
دنیا میں واپسی کے قائل نہیں ہیں حیران کن بات ہے۔ یہ تو ایک طرح کی تکذیب ہے۔ اس طرح وہ رجعت رسول کا باطل عقیدہ شدت سے لوگوں میں پھیلاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں جس طرح پہلی بات کو کچھ لوگوں نے قبول کر لیا۔ اسی طرح اس دوسری بات کے بھی کچھ لوگ قائل ہو گئے اور مذہب رجعت وجود میں آ گیا۔

سانفیوں کی قوت، اپنے عمل کی تاثیر اور اپنے خوابوں کی اس طرح آسان تعبیر نکلتی ہوئی اس نے دیکھی تو اس کا حوصلہ اور بڑھا اور اب اس نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہنا شروع کیا کہ نبی کا ایک وصی ہوا کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے حق میں امامت کی وصیت کر گئے ہیں چنانچہ حکم نبوی کے مطابق وہی دراصل اُمت کے خلیفہ ہیں۔ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ موجودہ غاصب خلیفہ سے خلافت کو چھین لیں اور حضرت علی کو خلیفہ بنا دیں۔ اپنے ان خیالات کو تحریک کی

شکل دے کر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور اپنی طرف سے جا بجا داعی بھیجے اور جہاں جہاں لوگ اس کی دعوت کو قبول کرتے گئے ان سے خط و کتابت شروع کی، اور رفتہ رفتہ حضرت عثمانؓ کے عاملوں، پھر براہِ راست حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانہ شروع کر دیا اور ان پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کر دیا ـــــ گرچہ یہ تحریک کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی اور اہل الرائے اشخاص کے حلقہ میں اس کو کوئی وقعت حاصل نہ تھی تاہم انقلاب پسند، طالع آزما اور خود غرض قسم کے لوگ اس میں شریک ہو کر پورے بلادِ اسلامیہ کی فضا میں بھنبھنانے والی مکھیوں کی طرح فضا کو بھنبھناہٹوں سے بھر دیا اور جا بجا بیٹھ کر اپنی غلاظت کا داغ لگا ہی دیا۔

کوفہ

کوفہ، بصرہ، مصر اور کسی قدر مدینہ میں موجود ان لوگوں کے اندر جو ایرانی اور رومی طرز بادشاہت سے مانوس تھے، اور حکومت کو موروثی حق سمجھتے تھے، حضرت علی کے متعلق ابن سبا کی دعوت سے متاثر ہو گئے اور حضرت علیؓ کو واقعی حق دار سمجھ کر حضرت عثمانؓ کو غاصب سمجھنے لگے اس پر طرفہ یہ کہ کوفہ کے امام اپنے مزاج کے اعتبار سے شورش پسند تھے اور حکومت کے مناصب پر قبضہ حاصل کرنے کی فکر میں چونکہ رہا کرتے تھے اس لیے آئے دن حکام اور اُمرا اور عمال پر نکتہ چینی کیا کرتے

اور ان کے خلاف جھوٹے سچے الزامات تراشتے رہتے تھے جس کی وجہ سے کوفہ کے حکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا۔ امراء کی اس جلد جلد تبدیلی نے کوفہ میں سازشوں کے مواد کو بڑھا دیا ——— عبداللہ بن سبا اور ان کے ہوشیار ساتھیوں نے کوفہ کی اس سیاسی صورت حال سے فائدہ اُٹھایا اور خط و کتابت کر کے فتنہ کی جڑوں کو مضبوط کر دیا۔ کوفہ کے لوگ گرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے مؤید نہ تھے لیکن انقلاب برپا کرنے اور اپنی اغراض کو حاصل کرنے کے لیے اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور اسلامی مقبوضات میں حضرت عثمانؓ اور ان کے امراء عمال کے خلاف شورش پھیلا رہے تھے۔

بصرہ

کوفہ کی طرح اگرچہ بصرہ میں عام طبقہ کے اندر خلافت کے خلاف کوئی برہمی نہ تھی تاہم کچھ ایسے عناصر ضرور موجود تھے جن میں سبائی تحریک اپنا اثر قائم کر کے نفوذ کر سکتی تھی، چنانچہ باضابطہ مہم چلا کر حضرت عثمانؓ کے حکام اور عمال کے خلاف شورش پیدا کرنے والے تیار کر لیے گئے۔

مصر

ان علاقوں کی نسبت مصر فتنوں کے لیے زیادہ سازگار تھا۔ سبائی تحریک کا مرکز بھی مصر ہی تھا، اور یہاں حضرت علیؓ کی "خواہ مخواہ" کی تائید کا

سہارا لے کر قسمت آزمائی کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ جو پوری قوت سے سبائی تحریک کو آگے بڑھا رہی تھی۔ شام، کوفہ، مصر اور مدینہ وغیرہ جیسے اہم مرکزی مقامات پر یہ لوگ تحریر و تقریر کے ذریعہ زور و شور سے کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ سبائی تحریک کی چالبازیوں، ان کے پروپیگنڈے کی قوت، اور عام رسائل و مسائل کی کمی کے باعث اچھے لوگ بھی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے اور طعن و تشنیع کی وباسی پھیل گئی۔ اہل فہم و دانش اور مخلصین نے جو ابتداء میں اس کو محض معمولی سی چیز سمجھ رہے تھے اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے زیادہ اس کو وقعت نہ دے رہے تھے اب وہ بھی ہوشیار ہو گئے اور کئی دانشمندانہ تدابیر بھی اختیار کیں، لیکن منظم سازش کے مقابلے میں ان کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں، اور بالآخر وہ عظیم فتنہ رونما ہو کر رہا جس کا نام واقعۂ شہادتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

وہ کیسے مرا

مسلمانوں کو ایک بڑے فتنے سے دوچار کرنے کے بعد وہ خود ایک ایسے فساد کی طرف بڑھا جس کی آگ میں خود بھی جلا اور بہت سے دوسرے لوگوں کو جلایا اور گمراہی کا راستہ کھول دیا۔ شہادتِ عثمان کے بعد اُس نے جو اگلا قدم بڑھایا وہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے سامنے ان کے دوبدو ہو کر یہ کہنے لگا کہ اَنْتَ اِلٰہٌ اِلٰہ۔ آپ ہی اللہ ہیں اور میں آپ کا پیغمبر ہوں ـــــ یہ ایسی بات تھی کہ جس پر مسلم معاشرہ ہنس ہی سکتا تھا

چنانچہ حضرت نے کہا۔ بے وقوف انسان شیطان نے تجھ پر قابو پا لیا ہے، وہ تجھ سے مذاق اُڑاتا اور استہزاء کرتا ہے اور تو اُسے سچ سمجھ بیٹھا ہے۔ جا اللہ سے توبہ کر اور اس بے ہودہ خیال سے باز آ۔ لیکن وہ نہ صرف یہ کہ نہ مانا بلکہ اپنے جیسے بہت سے لوگوں کو مخبوط الحواس بنا دیا۔ آخر حضرت علیؓ نے اس کو جیل بھجوا دیا۔ اور جب جیل میں بھی وہ اپنے اس اعتقاد سے باز نہ آیا تو اُسے آگ میں جلوا دیا۔

ناحق و نامنظور

حضرت ابراہیم نخعی جس طرح سنت کے سخت پابند، بدعات سے حد درجہ مجتنب اور صحابہ کی ذات سے بلا استثنا بے انتہا محبت رکھنے والے تھے، اسی طرح حق کے پرستار اور ناحق کے کڑے دشمن بھی تھے ـــــــ ناحق باتوں میں دوستی، تعلقات، مراعات کسی کی ذرہ پروا نہیں کرتے تھے، دوستی اور تعلقات اپنی جگہ پر اور حق اور حق کے حقوق اپنی جگہ پر۔ وہ سلاطین و اُمراء کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور مراسم بھی رکھتے تھے، ان میں باہم ہدایا و تحائف کا تبادلہ بھی ہوا کرتا تھا، ممتاز اُمراء ان کی خدمت کیا کرتے تھے جن کو قبول کرنے میں وہ کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، لیکن یہی اُمراء جب کوئی ناحق بات کرتے تو نہ صرف یہ کہ ٹوک دیا کرتے تھے بلکہ سخت مخالفت بھی کیا کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف کی اسی وجہ سے ان کی نہیں بنتی تھی اور بالآخر ان کی دشمنی میں وہ اتنا بڑھ گیا کہ ان کے دھوکے میں ابراہیم تیمی کی اس نے جان لے کر چھوڑی، اور پھر اسی پر اس کا جذبۂ انتقام سرد نہیں ہوا بلکہ

اپنے شکار کی لاش کو قید خانہ سے نکلوا کر گھوڑے پر پھنکوا دیا، اور خواب میں میں دکھائے جانے والے اس رویا صادقہ کے بعد پھنکوایا کہ" آج شہر میں ایک جنتی شخص مر گیا ہے۔ صبح کو اُس نے اپنے اس خواب کو بیان کر کے لوگوں سے اس شب انتقال کرنے والے کی بابت دریافت کیا اور جب اسے معلوم ہُوا کہ آج شب جیل خانہ میں ابراہیم انتقال فرما گئے ہیں۔ اس پر بھی اس ظالم کا ضمیر بیدار نہ ہُوا بلکہ یہ کہہ کر کہ یہ خواب ایک شیطانی وسوسہ معلوم ہوتا ہے ابراہیم کی لاش کو گھوڑے پر پھنکوا دیا۔

اللہ کی لعنت

ایک مرتبہ ایک شخص نے حجاج اور اُس جیسے ظالموں پر لعنت بھیجنے کے بارے میں سوال کیا، آپ نے جواب دیا خود اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے الا لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ خبردار ہو جاؤ۔ اللہ ظالموں پر لعنت کرتا ہے ۔۔۔۔ یعنی ظالموں پر لعنت کرنا بُری بات اور اخلاق کے منافی ہے۔

حجاج کے ظلم و ستم کی عادت کی وجہ سے وہ اس سے سخت بیزار تھے۔ چنانچہ جس وقت ان کو حجاج کے مرنے کی اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے اور مسرت کے آنسو ان کی آنکھوں سے جاری ہو گئے۔

سادہ مزاجی

ابراہیم نخعی میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی صفات جمع کر دی تھیں، ایک طرف وہ بڑے عالم، بہترین متبع سنت، حدیث کے ممتاز حافظ، اعلیٰ درجہ کے مفسر، فقہ کے امام اور کمال درجہ کے فقیہ تھے۔ دوسری طرف وہ خندہ طبیعت کے مالک، بے تکلف اور سادہ مزاج تھے، مزاج کے اندر اس قدر تواضع اور انکساری تھی کہ مجلسوں میں کسی طرح کی امتیازی حیثیت سے بیٹھنا تک پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے کے مقابلے میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کا امتیاز تک گوارا نہیں کرتے تھے، عامی سے عامی اور جاہل سے جاہل آدمی سے ملنے میں ان کو کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ ان کی مجلس ہر شخص کے لیے عام تھی، پڑھے لکھے عالم فاضل، اُمراء اور عمال سے لے کر ایک عام آدمی بھی بے تکلف ان کی مجلسوں میں بلا روک ٹوک آسکتا تھا۔

ایک مرتبہ اعمش سے ایک شخص نے طنزاً یہ بات کہی کہ تم اور ابراہیم نخعی دونوں ہی مسجد اعظم میں بیٹھتے ہو جہاں عریف اور شرطی نوکر غلام اور معمولی سپاہی تک تمہارے ساتھ بے تکلف بیٹھتے ہیں۔ اعمش نے ایک دن ابراہیم نخعی سے اس اعتراض کا ذکر کیا اور کہا لوگ ایسا ویسا کہتے ہیں ——— اُنھوں نے کہا کہ بیشک ہم مسجد میں بیٹھتے ہیں اور ہمارے پاس عریف اور شرطی بیٹھتے ہیں۔ بلاشبہ الگ تھلگ اُونچ نیچ اور

فرق وامتیاز کی زندگی سے زیادہ مجھے یہ زندگی پسند ہے۔ ہم اس بات کو بُرا سمجھتے ہیں کہ ہم لوگوں سے ملیں جلیں نہیں۔ الگ تھلگ رہیں اور اس بُری عادت کی وجہ سے مجھ پر فرقہ بندی، سخت مزاجی، علیحدگی پسندی، غرور متبدعانہ خیالات کی تہمت لگائی جائے۔ وہ تو راہ چلتے ہوئے بعض مرتبہ دوسروں کا بوجھ تک اُٹھا لیتے تھے اور ان کو کوئی احساس نہ ہوتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ بعض موقع پر لوگوں نے ان کو ٹوک بھی دیا کہ بھلا آپ دوسروں کا بوجھ اپنے اُوپر کیوں لاد لیتے ہیں، یہ تو آپ کی شان اور علمی رتبہ کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ میں محض حصولِ اجر کے لیے کرتا ہوں ـــــ لیکن اس سادہ مزاجی اور انکساری کے باوجود ان کی ہیبت لوگوں پر چھائی رہتی تھی، اور بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے مرعوب رہا کرتا تھا ـــــ

ان کی یہی جلالت شان اور علمی وقار اور فضل وکمال تھا جس کی وجہ سے ابراہیم تیمی نے اپنی جان دے کر ان کی جان بچالی تھی ـــــ مغیرہ کہتے ہیں کہ لوگ ان سے اس طرح ڈرا کرتے تھے جس طرح حکام اور اُمراء سے ڈرا کرتے تھے۔

... اور سخت گیر نہ تھے

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جو فقیہ بھی ہو اور عبادت وریاضت کے معاملے میں بھی ممتاز مقام رکھتا ہو وہ خشک مزاج اور سخت گیر ہوتا ہے لیکن ابراہیم نخعی میں یہ بات نہ تھی ـــــ ایک طرف تو وہ اس

قدر عبادت گزار تھے کہ راتیں عبادت میں گزارتے تھے اور ہر ایک دن کے
بعد دوسرے دن روزہ رکھا کرتے تھے اور یہ عبادت پیہم اور اس قدر
تسلسل کے ساتھ کرتے تھے کہ دن چڑھے تک معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیمار ہیں
یا سخت بیماری سے ابھی اُٹھے ہیں ——— اور فقیہ بھی ایسے کہ پورے
بلادِ اسلامیہ میں ان سے کوئی بڑا فقیہ نہیں ——— جن کے فقہی کمال پر
سب کا اتفاق ہو۔ امام شعبی ان کی فقہ دانی کی بابت کہتے ہیں کہ ابراہیم
نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا۔ اس
پر لوگوں نے پوچھا حسن بصری اور ابن سیرین کو بھی نہیں۔ شعبی نے جواب
دیا، صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام
میں کوئی بھی نہیں ——— دوسری طرف مزاج میں نفاست اتنی تھی
کہ جب سب لوگ سو جاتے تھے، وہ اُٹھتے، فراغت اور وضو کے بعد
عمدہ ساجبّہ زیب تن کرتے، اچھا لباس پہنتے، خوشبو لگاتے پھر مسجد
میں جاتے۔

اسی طرح عقائد اور سنت رسول کی پیروی میں سخت ہونے کے باوجود
چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں سختی کو
ناپسند فرماتے تھے۔

ان کی مسامحت پسندی اور نرم روی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا
ہے کہ ایک دن ان کے یہاں دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک
بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے، فرقد سنجی

نے ابراہیم سے کہا کہ ابو عمران اس شخص کو بند کھولنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع کیوں نہیں کرتے؟

ابراہیم نخعی نے یہ سُن کر کہا کہ تعجب ہے کہ تم ایسی ایسی باتوں میں لوگوں کو پکڑنا چاہتے ہو، تم میں بنی اسد کی سنگدلی یا بنی تمیم کی سختی کیوں پیدا ہو گئی ہے ــــــ بھائی سیدھی سادی بات یہ ہے کہ ایک شخص کو گرمی معلوم ہو رہی تھی اس نے اپنا بند کھول لیا ہے، دوسرے شخص کو آدمی جن کے بال بندھے ہوئے ہیں نماز کے وقت کھول دیا کرتے ہوں گے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ ان پر آدمی کو روکا ٹوکا جائے اور اس طرح روکنے ٹوکنے سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔

اسی طرح حدیث کے بڑے حافظ تھے اور دوسرے طبقہ کے حفاظ میں ان کا شمار ہوتا ہے، اور ان کی مرویات کا یہ درجہ تھا کہ ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعبی کی مرسل روایات سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ دوسری طرف روایت حدیث میں ان کی الفاظ کی پابندی ضروری ہی سمجھتے تھے اور بامعنی روایت کافی سمجھتے تھے۔

خوش لباس

ابراہیم نخعیؒ کی زندگی جہاں فضائل اخلاق سے آراستہ و پیراستہ ملتی ہے، عبادت اور زہد و تقویٰ میں جہاں وہ بلند و ارفع نظر آتے ہیں۔ توحید اور سنّت کی رُوح اور اتباع شریعت کا جو جذبہ ان کے اندر کارفرما

ملتا ہے، وہاں دنیا سے بہترین تعلقات کی مثالیں اور نمونے بھی ملتے ہیں۔
ایک طرف وہ ظالم اُمراء اور حکّام سے بیزار بھی ملتے ہیں اور دوسری طرف
اچھے حکمرانوں سے ان کے اچھے تعلقات، آمد و رفت اور لین دین کا سلسلہ
بھی قائم ملتا ہے۔ رات کو تقویٰ کی چادر اوڑھے اور دن کو روزوں کے اثر
سے روشن و تاباں چہرہ لیے ہوئے مصروفِ کار نظر آتے ہیں۔ نہ گوشۂ تنہائی
میں بیٹھے ملتے ہیں اور نہ بدن پر چیتھڑے لگائے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔
بلکہ پُر نور چہرے والے جسم پر رنگین اور بیش قیمت لباس بڑے ہوئے ہیں۔
کبھی زعفرانی، کبھی سُرخ لباس سے جسم مزین ہوتا ہے تو کبھی نہایت
چادر سے لپٹے ہوئے ملتے ہیں۔ سردی کا موسم آیا اسی لحاظ سے لباس میں تبدیلی
بھی ہوئی، سردی کے لباس میں سمور کی سنجاف لگی ہوتی ہے۔ سر پر عمامہ بندھا
ہوا ہے، اور کبھی سمور کی ٹوپی اُوڑھے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ انگلی میں
انگوٹھی بھی ہے گرچہ وہ لوہے کا چھلہ ہے تاہم منقش ہے۔ اور اس پر
ذباب اللہ و نحن لہ لکھا ہوا ہے۔

دنیا اور اس کی ضرر رسانیوں اور نفع بخشیوں سے پوری طرح واقف
تھے، اولاد سے بے حد محبت کرنے والے تھے، وفات کا وقت قریب
آچکا ہے۔ لوگ ان کی عیادت کو آ رہے ہیں۔ ایک دن عیادت کرنے والوں
نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ ساتھیوں کو حیرت ہوئی۔ آخر میں ابی اہیم نے
پوچھ ہی لیا آپ رو کیوں رہے ہیں؟

جواب میں فرمایا۔ میاں اس لیے میں رو رہا ہوں کہ دنیا چھوٹ

رہی ہے اس کی لذتیں چھوٹ رہی ہیں۔ بلکہ میں اپنی دو لڑکیوں کی وجہ سے رو رہا ہوں۔" وہ کہتے ہیں کہ جب دوسرے دن میں پھر ان کے یہاں گیا تو وہ انتقال فرما چکے تھے۔

وفات

وفات کے وقت ابراہیم نخعیؒ نے جو وصیت کی وہ یہ تھی کہ "میری قبر لحد والی بنائی جائے، اور قبر کو پختہ نہ کیا جائے، اور اگر میری میت کو اٹھانے والے چار آدمی بھی جمع ہو جائیں تو کسی پانچویں مسلمان کو اس کے لیے تکلیف اور زحمت نہ دینا۔ اللہ اکبر مسلمانوں سے کس قدر محبت اور اخلاص رکھتے تھے کہ ایسے موقع پر بھی کسی کو زحمت دینا نہ چاہتے تھے۔

مرض الموت کے پورے زمانے میں وہ نہایت ہی مضطرب اور بے چین رہے، لوگوں نے پوچھا آپ اس قدر بے چین اور بے قرار کیوں رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بھائی اس سے زیادہ خوف اور خطرے کا اور کون سا وقت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قاصد آیا چاہتا ہے۔ وہ کون سا پیغام لے کر آئے گا کیا معلوم؟ وہ جنت کا پیغام ہوتا ہے یا جہنم کا کون جانے؟ اس پیام کے ملنے سے زیادہ مجھے تو یہ بات پسند ہے کہ میں اسی اضطراب کی حالت میں قیامت تک اس پیام کا انتظار کرتا رہوں۔ جس پیام کے بارے میں کچھ نہیں معلوم وہ کیا ہے؟

اقوال

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اپنی زندگی کے تجربات کو اپنے چند زرّیں اقوال میں جمع کر دیا ہے۔ یہ اقوال تجربات کا نچوڑ، فہم و بصیرت کا انمول تحفہ ہیں چند حکیمانہ اقوال یہ ہیں:

۱۔ انسان چالیس سال تک جس سیرت و کردار پر قائم رہے وہ نہیں بدل سکتا۔

۲۔ ایمان کے بعد انسان کو سب سے بڑی جو دولت عطا کی گئی ہے وہ تکلیفوں پر صبر کرنا ہے۔

۳۔ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اس کو چاہیئے کہ پہلے اچھا کہے۔ اس کے بعد اصلی حالت بیان کرے کیونکہ شکوۂ غم صبر کے خلاف ہے۔

۴۔ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے مُنہ سے نکالتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں تو اس وجہ سے وہ جہنم میں گر سکتا ہے۔

۵۔ انسان کے لیے یہ معصیت کافی ہے کہ لوگ دین یا دنیا کے معاملے میں اس کی طرف اشارے کریں۔